آسکتا۔ میں دو روز بعد کہیں باہر جارہا ہوں۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو کامیاب ہو جاؤں گا۔" وہ چپ ہو کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ "رضیع! میں نے ایک اُمید تمہارے ساتھ وابستہ کر رکھی ہے۔"

"میں آپ کی ہر اُمید پوری کروں گی۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "اگر آپ مجھے صلاح الدّین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کو کہیں گے تو میں کر گزروں گی۔ میں آپ کے ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔ مجھے بتائیں میں آپ کی کون سی اُمید پوری کر سکتی ہوں۔ مجھے کسی کڑی آزمائش میں ڈالیں۔"

"میں باہر جارہا ہوں۔" عزالدین نے کہا۔ "مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھنا کہ میں کہاں جارہا ہوں۔ اُسے ابھی راز میں رکھنا ہے۔ اس کے بعد میں صلاح الدّین کے خلاف کوئی کارروائی کروں گا۔ اگر حالات میرے خلاف ہو گئے تو میں تم سے اُمید رکھوں گا کہ تم میری طرف سے سلطان ایوبی کے پاس جاؤ گی اور اس کے ساتھ میرا سمجھوتہ کرا دو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت میں اُس کے پاس جاؤں تو وہ مجھے ملنے سے بھی انکار کر دے۔"

رضیع خاتون نے اُسے یہ مشورہ نہ دیا کہ وہ شکست سے پہلے ہی سلطان صلاح الدّین ایوبی کے ساتھ سمجھوتہ کر لے اُس نے عزالدین سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ اسے خادمہ بتا گئی تھی کہ وہ ہرزم شاہ آرمینیا سے ملنے جارہا ہے اور یہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ بن رہا ہے۔ رضیع خاتون کو وہ ابھی نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے کیونکہ اُسے وہ راز رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی جاسوسہ سے باتیں کر رہا ہے۔ تاہم رضیع خاتون نے اسے یقین دلایا کہ وہ جب بھی کہے گا سلطان ایوبی کے ساتھ اس کا سمجھوتہ کرا دیا جائے گا۔ عزالدین کی گھبراہٹ سے رضیع خاتون کو خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

عزالدین سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ رضیع خاتون کی ذاتی خادمہ جو اسی کی عمر کی تھی اندر آئی اور رضیع خاتون سے پوچھا کہ والیٔ موصل بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خادمہ بھی رضیع خاتون کے زیرِ دو گروہ کی فرد تھی۔

"ایمان اور کردار سے منحرف ہو کر انسان کی یہی حالت ہوا کرتی ہے۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "یہ حکمران جو قوم سے الگ ہو کر اپنی اپنی ریاستوں کے بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں کسی درخت کی اُن ٹہنیوں کی مانند ہیں جو درخت سے الگ ہو گئی ہیں۔ ان کی قسمت میں اب یہی لکھا ہے۔ ان کے پتے جھڑ جائیں گے، بکھر جائیں گے اور یہ ٹہنیاں سوکھ کر مٹی میں مل جائیں گی۔ یہ حکومت کا لالچ ہے جس نے میرے خاوند کو شراب اور عورت کا شیدائی بنایا ہے۔ اس شخص نے صلیبیوں کا میٹھا زہر اپنی رگوں میں انڈیل لیا ہے۔ عزالدین میدانِ جنگ کا بادشاہ تھا۔ اُس کی تلوار سے صلیب کا دل کانپتا تھا لیکن آج اُس کے دل پر خوف طاری ہے۔ اُس شخص کی جرأت جواب دے گئی ہے۔ مجھ سے، ایک عورت سے مدد مانگ رہا ہے۔ بادشاہی کا نشہ، شراب اور عورت انسان کا یہی حشر کیا کرتی ہے۔ اُس کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے۔ جب ایک سالار تختِ وتاج کا خواہاں ہو جاتا ہے تو اُس کی پوری فوج دین و ایمان سے دست بردار ہو جاتی ہے، پھر ملک و ملت کا وقار خاک میں ملتا ہے اور دشمن سرپر سوار ہو جاتا ہے۔"

وہ نوجوان خادمہ جو فہد کو یہ پیغام دینے گئی تھی کہ عزالدین شاہ آرمینیا سے ملنے ہرزم جارہا ہے، اس ٹھکانے پر گئی جہاں فہد کو ہونا چاہیے تھا مگر وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ فہد عموماً شتربانوں کے بھیس میں رہتا تھا۔ وہ دو اونٹ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور ناجروں وغیرہ کا سامان اِدھر اُدھر لے جاتا تھا۔ وہ اُس جگہ گئی جہاں وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہوتا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اُس نے ایک شتربان سے پوچھا کہ فہد کہاں ہے؟ شتربان کی حیثیت سے اس کا نام کچھ اور تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ اونٹوں پر سامان لاد کر فلاں جگہ چلا گیا ہے۔ خادمہ اُدھر کو چل پڑی۔ اور اُسے پتہ نہ چلا کہ ایک اور آدمی اس کے تعاقب میں آرہا ہے۔

یہ آدمی تھا تو موصل کا مسلمان لیکن صلیبیوں کا جاسوس تھا اور اس کا تعلق عزالدین کے محل کے عملے سے تھا۔ اس نے خادمہ کو حلب کے پاس پیٹ کے شدید درد کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کو جانتا تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو اُس وقت بھی دیکھا تھا جب وہ دوائی لے کر محل سے نکل رہی تھی۔ اُسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ رضیع خاتون سے مل کر آئی ہے۔ اُس نے یہ دیکھا تھا کہ لڑکی اتنی تیز چل رہی تھی جیسے اُسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ آدمی صلیبیوں کا تیار کیا ہوا جاسوس تھا۔ اُسے اس لڑکی پر شک ہوا۔ عزالدین کا اپنا جاسوسی کا نظام تو اتنا اچھا نہیں تھا۔ صلیبیوں نے اُسے بتائے بغیر وہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ اُن کے ذمے دو کام تھے۔ ایک یہ کہ عزالدین پر نظر رکھیں کہ وہ کہیں دغا نہ دے جائے سلطان ایوبی کا دوست تو نہیں بن رہا۔ دوسرا یہ کہ ان افراد کی نشان دہی کریں جو عزالدین کے محل میں اور موصل میں موجود ہیں اور جاسوسی کر رہے ہیں۔

صلیبیوں کے اس جاسوس نے اس لڑکی کا تعاقب شروع کر دیا اور جب دیکھا کہ وہ اور زیادہ تیز چل رہی ہے اور کسی کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تو اُس کا شک پختہ ہو گیا۔ اُسے اب یہ دیکھنا تھا کہ وہ کسے ڈھونڈ رہی ہے۔ اگر یہ لڑکی واقعی جاسوس ہے تو اس سے ایک یا ایک سے زیادہ جاسوسوں کو پکڑوا جا سکتا تھا۔ لڑکی کو اب ایک شتربان نے بتایا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ وہ اس طرف جا رہی تھی اور جاسوس اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

ایک جگہ اونٹوں سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ فہد بھی سامان اتار رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کو دیکھ لیا۔ قریب سے گزرتے ہوئے لڑکی نے فہد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور آگے نکل گئی۔ فہد کو معلوم تھا کہ وہ کہاں اس کا انتظار کرے گی۔ جاسوس اُس کے پیچھے لگا رہا۔ لڑکی کو معلوم نہ تھا۔ فہد نے جلدی جلدی اپنے اونٹوں سے سامان اتارا اور لڑکی کے پیچھے گیا۔ اُس نے ایک اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ دوسرے اونٹ کی مہار اس اونٹ کے پیچھے بندھی تھی۔ لوگ آجا رہے تھے۔ فہد لڑکی کے ساتھ ہو گیا۔ لڑکی رُکی نہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے دھیان سے جا رہی ہو، فہد بھی بظاہر اُس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا لیکن لڑکی اُسے پیغام دے رہی تھی۔

چند قدموں تک لڑکی نے پیغام سنا دیا اور کہا۔ "یہ کام کر کے آؤ گے تو وہاں ملوں گی جہاں ہم کچھ دیر بیٹھا کرتے ہیں۔ ابھی نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے فرض سے بھٹک جائیں۔۔۔ تمہیں معلوم ہو گا۔ سلطان کی فوج کہاں ہو گی؟"

"مجھے معلوم ہے۔" فہد نے جواب دیا۔ "میں ابھی روانہ ہو جاؤں گا۔"

"خدا حافظ" — لڑکی نے کہا۔

"فی امان اللہ"

لڑکی ایک طرف مڑ گئی۔ وہ ایک گلی تھی۔ تب اس نے گھوم کر دیکھا۔ ایک آدمی اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ اس آدمی کو اُس نے نہد کی تلاش کے دوران تین چار مرتبہ دیکھا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ اس آدمی کو اُس نے محل میں بھی دیکھا ہے۔ ذہن پر زور دیا تو اُسے یاد آیا کہ یہ شخص محل میں ملازم ہے۔ لڑکی کو کچھ شک ہوا۔ اُس نے اُس آدمی کی نیت معلوم کرنے کے لیے گلیوں کے دو تین موڑ مڑے۔ یہ آدمی اُس کے پیچھے رہا۔ لڑکی آبادی سے باہر نکل گئی۔ یہ آدمی بھی باہر نکل گیا۔ کچھ دُور درختوں کا جھنڈ تھا۔ لڑکی وہاں بیٹھ گئی۔ یہ آدمی آگے نکل گیا۔ لڑکی کو یقیناً شک ہوا ہوگا کہ لڑکی کسی کے انتظار میں بیٹھی ہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔

لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ جلدی سے قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ وہاں سے سرکتی جھاڑیوں سے نکلی اور ایک گلی میں غائب ہو گئی۔ وہ آدمی دُور جا کر واپس آیا۔ اب اُس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی کے پیچھے نوکی آدمی بیٹھا ہوگا مگر اُس نے قریب آ کر دیکھا وہاں لڑکی نہیں تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ لڑکی کا نام و نشان نہیں تھا۔

لڑکی اپنے گھر پہنچ چکی تھی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی آرمینیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا خطرہ مول لے رکھا تھا۔ صلیبی افواج کسی بھی وقت متحد ہو کر اُس پر حملہ کر سکتی تھیں اور وہ اکیلا تھا۔ مسلمان اُمرا اس کے خلاف تھے۔ اپنی اپنی ریاست اور حکمرانی الگ الگ قائم کرنے کے لیے وہ اپنا ایمان صلیبیوں کے ہاتھ بیچ چکے تھے۔ خانہ جنگی تک ہو چکی تھی جو صلیبیوں کی درپردہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب سلطان ایوبی ان تمام مسلمان امراء کو بزورِ شمشیر اپنے محاذ پر متحد کرنے کا عزم لیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ان میں سے جو میری صفوں میں نہیں آتا وہ خود مختار بھی نہیں رہے گا۔ اُس نے چند ایک قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کے امراء اور قلعہ داروں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اب وہ ان حکمرانوں کی طرف بڑھ رہا تھا جو کچھ طاقت رکھتے تھے۔ وہ کمال دلیری سے ان دشمنوں کے درمیان فوج کو گھما پھرا رہا تھا اور یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔

"اگر تمہارے ارادے نیک ہیں تو تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔" سلطان ایوبی تل خالد کے راستے میں ایک پڑاؤ کیے پڑا تھا۔ اس نے اپنے خیمے میں سالاروں کو بلا رکھا تھا۔ کہہ رہا تھا — "میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ اگر تم میں سے کوئی میرے اس فیصلے سے متفق نہیں کہ میں صلیبیوں کی طرف سے بے خبر ہو کر غلط سمت کو چل پڑا ہوں تو میں اسے حق بجانب سمجھوں گا۔ میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ وہ میرا حکم مانے اور میرے غلط فیصلے پر عمل کرے۔ میں اسے یہی کہوں گا کہ وہ میرے مقصد کو سمجھے اور دل سے تمام خوف اور وسوسے نکال دے۔ ہماری منزل یروشلم ہے۔ بیت المقدس۔ قبلۂ اوّل — خدا نے ہمیں اس کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ ہمارے بھائی ایمان فروش نکلے۔

انہیں قبلۂ اوّل نہیں حکمرانی چاہیے.... یاد رکھو میرے رفیقو! جب آپس میں بھی جائے گی تو اس میں یہ تحریر ہوگا۔ ہمارے دَور کی فوج بزدل اور نااہل تھی۔ شکست کی لعنت ہمیشہ فوج کے ماتھے پر آتی ہے۔ ملعون لکھنے والے وہ ہوں گے جو آنے والی نسلیں فوج پر لعنت بھیجیں گی....

"ہمیں خدا کے حضور بھی جانا ہے۔ خدا نے ہم پر جو فرض عائد کیا ہے وہ ہمیں پورا کرنا ہے۔ اس دین کی بقا اسی میں جان دینی ہے۔ مرکز سے الگ ہونے والوں کے لیے میرے دل میں کوئی رحم نہیں۔ اگر ہم نے آج متحد ہونے میں رخنہ بنانے کے رجحان کو نہ روکا تو ایک دن یہی رجحان اسلام کے زوال کا باعث بنے گا۔ کہنے کو یہ اسلامی ملک ہوں گے لیکن اپنی بادشاہیاں اور عیش و عشرت قائم رکھنے کے لیے اپنے طاقتور دشمن کے ساتھ سمجھوتے کرتے اور اپنا ایمان نیلام کرتے پھریں گے۔ اپنے طاقتور دشمن کو خوش کرنے کے لیے وہ پردہ ایک دوسرے کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہیں گے۔ اُن کا کمزور سا دشمن بھی ان کے لیے طاقتور ہوگا۔ ایک حکمران اپنی پوری رعایا کو بے وقار بنا دے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو آج ہی سمیٹ لیں....

"میں اب یہ باتیں بار بار اس لیے کر رہا ہوں کہ اپنا نقطۂ نظر جو وقت کی ایک ضرورت ہے، تمہارے دلوں پر نقش ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اپنے کسی ایسے بھائی کو دیکھ کر جو ہمارے مذہب کا دشمن ہو، تمہاری تلوار جھک جائے۔ قوم کی مرکزیت اور استحکام کو ختم کرنے والا بھائی دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے.... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم تل خالد کے محاصرے کے لیے جا رہے ہیں اور یہ ہمارا آخری پڑاؤ ہے۔ اس کے آگے تل خالد ہے۔ محاصرے کے لیے میں تم سب کو بتا چکا ہوں کہ کس کس کے دستے ہوں گے۔ محفوظہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ چھاپہ مار دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اُن راستوں کو زد میں لے لیں گے جن سے صلیبی فوج کے آنے کا خطرہ ہو سکتا ہے یا آرمینیا کی فوج نمودار ہو کر توڑنے کے لیے آ سکتی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلیبی حملے کا خطرہ نہیں، پھر بھی احتیاط لازمی ہے....

"ہم آرمینیا پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں شاہ آرمینیا سے اپنی شرائط تسلیم کرانی ہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ عزالدین شاہ آرمینیا کی مدد کا طلب گار ہے۔ ہمیں آرمینیا پر خطوین کر سوار ہو جانا ہے تاکہ شاہ آرمینیا عزالدین کو مدد نہ دے سکے لیکن میں تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ یہ عین ممکن ہے کہ آرمینیا کی فوج اور شہری ہمارا مقابلہ اتنا سخت کریں کہ ہمیں پسپا ہونا پڑے۔ اس صورت میں عزالدین بھی ہم پر حملہ کر سکتا ہے اور حلب کا والی عمادالدین بھی۔ ہمیں گرتا دیکھ کر چھوٹے چھوٹے امراء بھی ہمیں گھوڑوں تلے روندیں گے۔ ان نتائج اور خطروں کو سامنے رکھ کر ہمیں لڑنا ہے۔ میں تمہیں نقشہ دکھا چکا ہوں۔ کسی کے دل میں کوئی شک ہو تو رفع کر لو۔ یہ محاصرہ اور حملہ ہمیں اتنی بڑی مشکل میں ڈال سکتا ہے کہ ہم شکست بھی کھا سکتے ہیں۔"

☆

رات کا پہلا پہر تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی اس آخری پڑاؤ میں اپنے سالاروں کو اپنی پہلے سے دی ہوئی ہدایات یاد دلا رہا تھا۔ اُس کے سامنے نقشہ پڑا تھا۔ دربان نے خیمہ میں آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا — "فوراً اندر بھیج دو۔"

دربان نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور سر سے اشارہ کیا۔ نہد خیمے میں داخل ہوا۔ اُس نے موصل سے یہاں تک کہیں رُکے بغیر سات گھنٹے کی تھی۔ اُس کا چہرہ اُترا ہُوا تھا۔ ہونٹ خشک تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ جاسوسی اور سراغرسانی کے محکمے کا سربراہ حسن بن عبداللہ خیمے میں موجود تھا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے آرام کئے بغیر سفر کیا ہے۔" سلطان ایوبی نے نہد سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ"۔۔۔ دربان کو آواز دے کر اسے کہا۔ "اُس کے لیے کھانا یہیں لے آؤ۔"

"خبر ایسی تھی کہ آرام کی مہلت حاصل کرنا گناہ معلوم ہوتا تھا۔" نہد نے اکھڑی ہوئی سانسوں سے کہا۔ "میرا گھوڑا شاید زندہ نہ رہ سکے۔"

"کیا خبر ہے؟"

"شاہ آرمینیا اپنے دارالحکومت میں نہیں۔" نہد نے کہا۔ "وہ ہرزم میں خیمہ زن ہے۔ عزالدین اُسے ملنے ہرزم جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری فوج کے خلاف معاہدہ ہوگا۔ شاہ آرمینیا کے ساتھ اپنی فوج کے بھی دو دستے ہوں گے اور عزالدین بھی اپنی فوج کے دو تین دستے اپنے ساتھ لا رہا ہے۔"

"یہ بادشاہ شاہی شان و شوکت سے ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔" سلطان ایوبی نے مسکرا کر کہا، پھر پوچھا۔۔۔ "موصل میں صلیبیوں کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں؟"

"صلیبی ٹھنڈے سے معلوم ہوتے ہیں۔" نہد نے جواب دیا۔۔۔ "ان کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع آپ کو مل چکی ہے۔ ہم نے وہاں کے لوگوں کے دلوں سے پہلے درویش کا وہم اور فریب نکال دیا ہے۔"

"شاہ آرمینیا اور عزالدین کی ہرزم میں ملاقات کے متعلق تمہیں کہاں سے اطلاع ملی ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ اطلاع صحیح ہے؟"

"رضیع خاتون کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔" نہد نے کہا۔

"اللہ اس عظیم خاتون کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔" سلطان ایوبی نے کہا اور جذبات کے غلبے سے اُس کی آواز بھرا گئی۔

"رضیع خاتون نے آپ کو سلام کہلا ہے۔" نہد نے کہا۔۔۔ "اور یہ بھی کہ عزالدین کے پاؤں لڑنے سے پہلے ہی اکھڑ گئے ہیں۔ اُس پر گھبراہٹ طاری ہے اور اگر اُسے ایک ضرب اور پڑی تو وہ گھٹنے ٹیک دے گا۔"

"موصل میں کوئی فوجی ہلچل ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "کوئی جنگی تیاری؟"

"صلیبی جاسوس اور مشیر سرگرم ہیں۔" نہد نے جواب دیا۔۔۔ "کوئی جنگی تیاری نظر نہیں آتی۔ عزالدین صلیبیوں سے جس قسم کی اعانت مانگ رہا ہے وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ شہر میں ہمارے آدمی پوری کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں اور رضیع خاتون اور اُن کی بیٹی شمس النساء کی کوششوں سے قلعے اور محل کے اندر کا ہر گوشہ اور ہر راز ہماری نظر میں ہے۔"

"صد آفرین میرے دوست!" سلطان ایوبی نے اُٹھ کر اُس کے گال کو تھپکایا اور کہا۔۔۔ "تمہیں معلوم نہیں کہ تم جو اطلاع لائے ہو وہ کتنی کارآمد اور قیمتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ فوجوں کا اب اتنا خون خرابہ نہیں ہوگا جتنا محاصرے اور

حملے میں ہوتا۔" اُس نے سالاروں سے مخاطب ہو کر کہا۔۔۔ "اب ہم تل خالد کا محاصرہ نہیں کریں گے۔ فوج اُدھر ہی جائے گی۔ چھاپہ ماروں کا صرف ایک دستہ میرے ساتھ ہرزم کی سمت جائے گا۔"

☆

ہرزم ایک خوبصورت جگہ تھی۔ ہر طرف سبزہ زار، چشمے اور ہرے بھرے درخت تھے۔ پہاڑی سے ڈھکی ہوئی چٹانیں بھی تھیں۔ اس خطے کو قدرت نے تو حسن دیا ہی تھا، آرمینیا کے بادشاہ نے اُسے آکر جنت ارضی بنا دیا۔ شامیانوں اور قناتوں نے محل کا منظر بنا دیا۔ ان کے اندر رنگین روشنیوں والے فانوس لٹکائے گئے تھے۔ چھ چھ گھوڑوں کی بگھیاں بھی تھیں اور محافظ دستے کے سوار اور گھوڑے طلسماتی سی شان کے حامل تھے۔ رقص و سرود کا خاص انتظام تھا۔ آرمینیا کی سب سے زیادہ حسین اور ناچنے والی لڑکیاں ساتھ لائی گئی تھیں۔ حرم کی منتخب لڑکیوں کے خیمے الگ تھے۔ شاہ آرمینیا نے مروین کے امیر کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔ مروین ہرزم کے قریب ہی ایک علاقہ تھا جس کا امیر قطب الدین غازی تھا۔ مروین اس کی جاگیر تھی۔۔۔ شامیانوں، قناتوں اور خیموں سے کچھ دُور شاہ آرمینیا کی دو دستے فوج خیمہ زن تھی۔

شاہ آرمینیا امیر مروین کے ساتھ دو تین روز شکار کھیلتا رہا، پھر ایک روز والیٔ موصل عزالدین آگیا۔ اُس کے ساتھ بھی اپنی فوج کے دو منتخب دستے تھے۔ رات کو رقص و سرود کی محفل جمی۔ شراب کی صراحیاں خالی ہوئیں، عورت اور شراب نے وہ کیفیت پیدا کر دی کہ یہ مسلمان حکمران، ان کے اُمراء، وزراء اور سالار قبلۂ اول کے ساتھ خلد کعبہ کو بھی بھول گئے۔ رات عیش و عشرت میں گزار کر وہ سارا دن گہری نیند سوتے رہے۔ اس رات جب وہ شراب اور عورت کے نشے میں مخملیں قالینوں پر رنگین فانوسوں کے نیچے بدمست ہو رہے تھے، اس رات سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں سے دو اڑھائی میل دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے کے ساتھ پتھریلی زمین پر سویا ہُوا تھا۔ اُس نے چھوٹا سا سفری خیمہ ساتھ رکھا تھا تاکہ نصب کرنے اور گاڑنے میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ وہ یہاں سلطان نہیں چھاپہ مار بن کے آیا تھا۔

اس نے خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ہرزم کے اس شاہانہ کیمپ کا جائزہ لینے اور تمام تر ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ ان میں نہد بھی تھا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ تین چار جاسوس اپنے اونٹوں کی مہاریں پکڑے کیمپ کے اردگرد گھومتے رہے تھے۔ انہیں کوئی وہاں ہٹ جانے کو کہتا تو وہ ہاتھ پھیلا کر کھانے کی بھیک مانگتے۔ نہد شاہی شامیانوں کے قریب سے گزرا تو اُسے وہ نوجوان خادمہ نظر آئی جس نے اُسے رضیع خاتون کا پیغام دیا تھا۔ نہد نے اسے پہچان لیا یہ لڑکی عزالدین کی خصوصی خادمہ تھی جو یہاں بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔

نہد نے بھکاریوں کی طرح صدا لگائی۔۔۔ "شہزادی! آپ کا غلام سفر میں ہے۔ کچھ کھانے کو مل جائے۔"

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔" لڑکی نے دُور سے کہا۔۔۔ "ورنہ پکڑے جاؤ گے۔"

"نہد کو موصل میں تو کوئی نہیں پکڑ سکا۔" نہد نے اپنی اصلی آواز میں کہا۔۔۔ "تم یہاں پکڑوا دو۔"

"اوہ!" لڑکی اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس کے قریب آگئی۔۔۔ "تم پہنچ گئے ہو؟ دیکھ لو۔ میری خبر غلط تو نہیں تھی۔۔۔

میں یہاں نہ رکو۔ چلے جاؤ.... تم رات کہاں ہو گے؟ آج رات شاید میں جلدی فارغ ہو جاؤں۔ کل بیٹے سے گزرنی ہے"

"تم نے ہی کہا تھا کہ جذبات پر فرض کو غالب نہ آنے دینا" فہد نے کہا۔ "ہمارا فرض ابھی ادا نہیں ہوا۔ زندہ رہے تو میں گے"

"تم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔ "سلطان کہاں ہے؟"

"سلطان جلدی آجائے گا" فہد نے جواب دیا۔

"ادھر کون ہے یہ؟" کسی کی آواز آئی۔ "ہٹاؤ اس بدبخت کو یہاں سے"

لڑکی فہد کو ڈانٹنے لگی اور فہد وہاں سے چلا گیا۔ لڑکی ایک خیمے کی اوٹ سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس خیال سے اس کی آنکھ بھر آئی کہ فہد کا فرض کیسا اذیت ناک ہے اور کتنا خطرناک۔ وہ اس خوبرو اور تنومند جوان کو دل و جان سے چاہتی تھی مگر وہ چوری چھپے ملتے تھے تو اپنے جذبات کی کم اور فرائض کی باتیں زیادہ کرتے تھے۔ کئی سر کے جوان کی فوج نے جیتے تھے وہ فہد اور اس لڑکی جیسے جاسوسوں کی بدولت جیتے تھے۔ یہ دشمن کے گھر میں رہ کر زمین دوز معرکہ لڑتے تھے۔ ان کی جان ہر لمحہ موت کے منہ میں رہتی تھی۔ اس نوجوان اور حسین خادمہ کے جذبات اُبل آئے۔ اگر اس کا فرض راستے میں حائل نہ ہوتا تو فہد کو یوں دامن چھڑا کر پھرنے نہ دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ فہد اسی پتھریلی وادیوں میں کہیں سو جاتا ہوگا۔

"ہم خدا کے حضور ملیں گے" لڑکی نے اپنے آپ سے کہا اور اپنے کام کو چل پڑی۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ آج رات ہر زم کے شاہی کیمپ میں کوئی گانا بجانا نہیں تھا۔ خاموشی طاری تھی۔ شاہ آرمینیا کے شامیانے میں اس کے پاس عزالدین اور امیر مردین قطب الدین غازی بیٹھے تھے۔ عزالدین کہہ رہا تھا۔

"اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ صلاح الدین اپنی سلطنت وسیع کر رہا ہے۔ اگر ہم اس کے اتحادی بن جائیں تو وہ ہمیں اپنا امیر بنا کر رکھے گا۔ ہم خود مختار نہیں ہوں گے۔ حال ہی میں وہ سلطان امراء کے کئی قلعوں پر قبضہ کر چکا ہے اور اس کی فوجی طاقت کے خوف سے یہ تمام امراء اور قلعہ دار اس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اگر میں نے اُسے نہ روکا تو وہ صرف موصل پر نہیں، حلب پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرے گا مگر میں اکیلا اس کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ علاؤالدین میرے ساتھ ہے لیکن اس صورت میں کہ صلاح الدین اپنی فوج لیبیوں کی طرح یہ دھمکا بھر رہا ہے، علاؤالدین کو اپنی فوج حلب سے نہیں نکالنی چاہیئے۔ حلب کا دفاع زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہ مقام بہت اہم ہے"

"میں جانتا ہوں" شاہ آرمینیا نے کہا۔ "صلیبیوں کی بھی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں"

"اسی لیے میں صلیبیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرتا" عزالدین نے کہا۔ "وہ ہم سے مدد کے عوض حلب مانگیں گے"

"اور وہ ضرور مانگیں گے" قطب الدین غازی نے کہا۔ "میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو آپس میں کوئی معاہدہ کر لینا چاہیئے۔ اگر [illegible] تو ہمیں مل کر صلاح الدین ایوبی کو شکست دے سکتی ہیں"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ صلاح الدین کی فوج قرن حطین کی طرف جا رہی ہے" عزالدین نے کہا۔

"میری اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں" شاہ آرمینیا نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ میری سرحدوں سے دور رہے گا۔ میں نے اس کی پیشقدمی کی سمت کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہیں اور جا رہا ہے"

"مجھے صلیبیوں پر بھروسہ نہیں" عزالدین نے کہا۔ "وہ مجھے ہر طرح کی مدد دیتے ہیں لیکن جنگ و دیں سلاطین اور بادشاہوں سے نہیں لڑی جا سکتی۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ میں صلاح الدین کی فوج کو جنگ میں الجھا لیتا ہوں اور وہ اس پر حملہ کر دیں۔ میں نے انہیں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ دمشق اور بعلبک کو محاصرے میں لے لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو صلاح الدین ہمارے علاقوں سے نکل جائے گا مگر وہ نہ جانے کیا سوچ رہے ہیں"

"وہ ہم سب کو اپنا محکوم بنانے کی سوچ رہے ہیں" شاہ آرمینیا نے کہا۔ "سلطان ایوبی نہ رہا تو صلیبی ہمیں کھا جائیں گے۔ ہمیں ان پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیئے"

"پھر آپ میری مدد کریں" عزالدین نے کہا۔ "میں آگے بڑھ کر صلاح الدین سے ٹکراتا ہوں۔ آپ اس پر حملہ کریں"

اس موضوع پر وہ بہت دیر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر شاہ آرمینیا نے اس شرط پر عزالدین کی تجویز مان لی کہ اس کی فوج کے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کی ذمہ داری عزالدین لے۔ عزالدین نے یہ شرط مان لی اور طے ہوا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے ساتھ آمنے سامنے کی ٹکر لے گا اور شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کر دے گی۔ عزالدین تجربہ کار جنگجو تھا۔ جنگ لڑنا اور لڑانا جانتا تھا۔ اس نے وہیں جنگ کی منصوبہ بندی کر لی۔

☆

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے کا ذکر ہے۔ جب عزالدین اور شاہ آرمینیا جنگ کا پلان بنا رہے تھے، رات گھوڑوں کے ٹاپوں سے لرزنے لگی۔ شاہ آرمینیا نے دربان کو باہر غصے سے کہا۔ "یہ جن سواروں کے گھوڑے کھل کر بھاگ رہے ہیں انہیں صبح یہاں لے آؤ۔ بدبخت بے خبری کی نیند سو جاتے ہیں"

مگر یہ گھوڑے اس کے دستے کے نہیں تھے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سوار تھے جن کی تعداد چار سو تھی اور سپہ سالار تھی۔ یہ ان کا شبخون تھا۔ ذرا سی دیر میں باہر قیامت بپا ہو گئی۔ چھاپہ مار دو حصوں میں تقسیم ہو کر سرپٹ آئے اور گزر گئے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں جن سے وہ فوج کے خیموں کو جلاتے گزر گئے۔ کئی خیموں کو آگ لگ گئی تھی۔ سوئے ہوئے سپاہی ہڑبڑا کر اٹھے۔ فوراً بعد سواروں کی ایک اور موج آئی جو برچھیوں اور تلواروں سے اپنے سامنے آنے والوں کو کاٹتے گزر گئے۔ جلتے ہوئے خیموں نے روشنی کر دی تھی۔ پھر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ ان میں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر بھی تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں کا وہ غل کہ دہشت طاری ہوئی جا رہی تھی۔ زخمیوں کی چیخ و پکار قیامت خیز تھی۔

پھر جانوروں کے رسّے کھل گئے۔ گھوڑے اور اونٹ ڈر کر ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ اس غل غپاڑے اور چیخ و پکار میں کیمپ کے اردگرد سے بلند آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ "ہتھیار ڈال دو۔ عزالدین ہمارے سامنے آجاؤ۔ شاہ آرمینیا تل خالد ہمارے محاصرے میں ہے"

ان میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ عزالدین نے اپنے ایک وفادار کمانڈر سے کہا کہ وہ اسے ایک گھوڑا لا دے۔

بڑی مشکل سے اُسے گھوڑا لاکر دیا گیا۔ وہ سوار ہُوا اور افراتفری کے اس عالم میں نکل گیا۔ اس نے اپنے دستوں کی، اپنے ذاتی عملے کی اور اپنے ساتھ جو لڑکیاں لایا تھا، ان کی پرواہ نہ کی۔ جان بچا کر بھاگ گیا۔

اُس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی گھیرا تنگ کرکے ان حکمرانوں کو گرفتار کر سکتا تھا لیکن اس نے معلوم ایسا اقدام نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ ان حکمرانوں کو اپنا استحادی بنا کر ان کی فوجوں کو فتح فلسطین کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وجہ خواہ کچھ ہی تھی، فروری ۱۱۸۳ء (۵۷۹ ہجری) کا یہ معرکہ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے اسی طرح لڑایا اور اُس نے آگے بڑھ کر کسی کو گرفتار کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اس شبخون کی نگرانی اس نے خود کی تھی۔

شاہ آرمینیا نے بھاگنے کی بجائے وہیں رکے رہنا مناسب سمجھا۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو کیمپ میں جلے ہوئے خیموں کی راکھ بکھری ہوئی تھی۔ لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ گھوڑے اور اونٹ اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ حملہ آوروں کا کچھ پتہ نہ تھا کہاں ہیں۔ شاہ آرمینیا جانتا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں کہیں قریب ہی ہوگا۔ وہ سوچنے لگا کہ سلطان ایوبی کو کہاں تلاش کرے۔ اتنے میں اُسے دو سوار آتے نظر آئے۔ وہ شاہ آرمینیا کے سامنے آکر اترے اور سلام کیا۔ وہ سلطان ایوبی کے فوجی حکام تھے۔

"سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلام بھیجا ہے۔" ایک نے کہا۔ "انہوں نے کہا ہے کہ وہ کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ عزالدین واپس موصل چلا جائے اور آرام سے بیٹھ کر سوچے اور شاہِ آرمینیا کے لیے سلطان محترم نے پیغام دیا ہے کہ اُن کی فوج تل خالد کے قریب پہنچ گئی ہے۔ آپ کو شام تک وہاں سے اطلاع مل جائے گی۔ آپ کے پہنچنے تک آپ کا دارالحکومت ہمارے قبضے میں ہوگا۔ اگر آپ سلطانِ شام و مصر کی شرائط قبول کرلیں تو تل خالد سے فوج واپس آ سکتی ہے۔ اگر آپ مقابلے کا فیصلہ کرتے ہیں تو نتائج کو پہلے ذہن میں رکھ لیں۔ ہمیں پیغام کا جواب دیں۔ آپ ہمارے محاصرے میں ہیں۔"

"سلطان صلاح الدین ایوبی کو میرا سلام کہو۔" شاہِ آرمینیا نے کہا۔ "میں اپنے ایک وزیر کو شام سے پہلے سلطان کے پاس بھیج رہا ہوں۔"

دونوں سوار چلے گئے۔ شاہ آرمینیا کا یہ وزیر بکتیمور تھا جو اُس کے ساتھ تھا۔ شاہ آرمینیا نے اُسے کہا کہ ہمیں ان لوگوں کے اختلافات اور عداوت میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اُدھر تل خالد محاصرے میں ہے اور ہم یہاں ہیں۔ جاؤ اور صلاح الدین ایوبی سے کہو کہ اپنی فوج واپس بلا لے۔ ہم اُس کے کسی دشمن کے ساتھ کوئی معاہدہ اور کوئی اتحاد نہیں کریں گے۔"

بکتیمور دانشمند وزیر تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کی۔ سلطان ایوبی نے بڑی سخت شرائط پیش کیں اور سنوائیں۔ بکتیمور نے تحریری وعدہ دے دیا کہ شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کے کسی دشمن کی مدد کو نہیں جائے گی۔

سلطان ایوبی نے محاصرہ اٹھا لیا اور شاہِ آرمینیا سے ملے بغیر تل خالد کو روانہ ہو گیا۔

☆

ایک اور اہم مقام دیارِ بکر تھا جو اس زمانے میں عُمیدہ کہلاتا تھا۔ اس مقام کو جنگی اہمیت حاصل تھی اور اس کی اہمیت یہ

بھی تھی کہ اس کے گرد و نواح کے علاقے کے لوگ جنگجو اور فن سپہ گری کے ماہر تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج میں بہت سے سپاہی اسی علاقے کے تھے۔ اپنی فوج کی کمی سلطان اسی علاقے سے پوری کیا کرتا تھا۔ یہاں کے لوگ تو سلطان ایوبی کے حامی تھے مگر یہاں حکمران اپنی حکمرانی قائم رکھنے کی خاطر سلطان ایوبی کا مخالف تھا اور سلطان ہوتے ہوئے صلیبیوں کے ساتھ دوستی کی کوشش میں تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دیارِ بکر کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا۔ یہ برق رفتار پیشقدمی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بتایا تھا کہ دیارِ بکر کو محاصرے میں لے کر اُس جگہ پر قبضہ کرنا ہے اور فتح کی صورت میں وہاں کے موجودہ امیر کی کوئی شرط تسلیم نہیں کی جائے گی اور کوئی رحم نہیں کیا جائے گا۔

"میرا خیال ہے کہ ان امراء پر ظلم نہ کیا جائے۔" ایک سالار نے کہا۔ "ان کی افواج کو اپنی فوج میں شامل کرکے انہیں برائے نام امیر رہنے دیا جائے۔"

"میں اب کسی سانپ کو قوم کی آستین میں نہیں پلنے دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ یہ شخص اپنے علاقے کے لوگوں کو ہماری فوج میں شامل ہونے سے روک رہا ہے اور وہ خلافت کے خلاف کارروائیاں کر رہا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ مرکز سے خود مختاری مانگنے والے یا دور پردہ کوششوں سے الگ ہونے والے غدار ہوتے ہیں اور یہ غدار بہت خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ قوم کے دشمن سے مدد لیتے اور اپنی قوم یعنی خلافت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کا سر کچل دینا چاہتا ہوں تاکہ جب آپ کا اصل دشمن یعنی صلیبی آپ کے سامنے آئیں تو آپ کی پیٹھ پیچھے سے کوئی وار کرنے والا نہ ہو اور کوئی سانپ زمین سے نکل کر آپ کو ڈنک نہ مار سکے۔ دیارِ بکر اللہ کے سپاہیوں کا خطہ ہے۔ ہماری فوج کی ایک چوتھائی نفری اسی خطے کی ہے۔ اگر ہم نے ان جنگجوؤں کے غدار حکمران کو بخش دیا تو اس خطے کے لوگوں کا ایمان بھی تباہ ہو جائے گا اور فنِ سپاہ گری بھی....

"ساری قوم یا کسی ملک کے تمام لوگ غدار یا بے ایمان نہیں ہُوا کرتے۔ حکمران اگر ایمان فروش ہو تو قوم کے جوہر ختم ہو جاتے ہیں۔ اچھی بھلی قومیں بے وقار ہو جاتی ہیں۔ جذبے مر جاتے ہیں اور پھر قومیں آزاد قوموں کی طرح زندہ نہیں رہتیں۔ ہمیں اپنے اس قسم کے حکمرانوں کو ختم کرنا ہے اور سلطنتِ اسلامیہ کا ایک مرکز بنانا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ خلافتِ بغداد مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر خلافت کا حکم چلتا تو ہمیں فوج کشی نہ کرنی پڑتی۔ یہ فوج کا فرض ہے کہ ملک کے اندر انتشار کو اور نااہل اور ایمان فروش حکمران کو ختم کرے۔ میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں کہ تاریخ یہی کہے گی کہ چھٹی صدی ہجری کی فوج نکمی تھی جس نے نہ خلافت کا وقار بحال کیا نہ دشمن کو

☆

دیارِ بکر کا محاصرہ اتنی تیزی سے ہُوا کہ اندر والوں کو مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ سلطان ایوبی نے ہدایت جاری کی تھی کہ شہریوں کا نقصان کم سے کم ہو۔ اندر اپنے جاسوس موجود تھے اور سلطان ایوبی خود بھی شہر سے اور حکمران کے محل اور ہیڈ کوارٹر سے واقف تھا۔ اس لیے منجنیقوں سے جو پتھر اور آتش گیر سیال کی جو ہانڈیاں پھینکی گئیں وہ سرکاری عمارتوں پر پھینکی گئیں۔ باہر سے اعلان کیے گئے کہ امیر ہتھیار ڈال کر باہر آجائے لیکن قلعے کی دیواروں پر کھڑے امیر نے جواباً اعلان کرایا کہ ہتھیار نہیں ڈالے جائیں گے۔ لڑو اور شہر لے لو۔

دیارِ بکر کی فوج نے جم کر مقابلہ کیا۔ سلطان ایوبی محاصروں کا ماہر تھا لیکن اُس نے مزاحمت دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ محاصرہ طول پکڑے گا اور اس کے لیے کچھ زیادہ ہی قربانی دینی پڑے گی۔ دیوار پر نوٹنے والے افراد رات کی تاریکی میں دیوار تک پہنچ گئے لیکن اوپر سے اُن پر آگ پھینکی گئی اور وزنی پتھر بھی پھینکے گئے۔ بڑے دروازے پر منجنیقوں سے آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر لٹکنے والے تیر مارے گئے جس سے دروازے کا لکڑی کا حصہ جل گیا مگر اُس کا لوہے کا ڈھانچہ گھنا تھا جس میں سے گزرنا ممکن نہیں تھا تاہم گزرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ فضا میں تیر اُڑ رہے تھے۔

سلطان ایوبی حیران تھا کہ اندر والے ایسا سخت مقابلہ کیوں کر رہے ہیں۔ یہ راز بعد میں کھلا تھا کہ امیرِ دیارِ بکر نے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی شہر میں اعلان کرا دیا تھا کہ صلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اس اعلان پر شہر کے لوگ لڑنے اور مرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور انہوں نے فوج کے دوش بدوش شہر کی دیوار پر آ کر محاصرہ کرنے والوں پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ یہ دیکھا گیا تھا کہ چاروں طرف دیوار پر فوج کے ساتھ شہری بھی تھے۔ شہر کے لوگوں کا حوصلہ بلند تھا لیکن سلطان ایوبی نے شہریوں کو لڑتے دیکھ کر بھی یہ حکم نہ دیا کہ شہر پر بھی آگ برسائی جائے۔

محاصرہ آٹھ روز جاری رہا۔ زیادہ تر نقصان سلطان ایوبی کی فوج کا ہو رہا تھا کیونکہ اس کی ٹولیاں آگے بڑھتی اور تیروں کا نشانہ بنتی تھیں۔ پھر ایک معجزہ ہوا۔ شہر کی دیوار نعرے گرجنے لگے ــــ "یہ صلیبی نہیں ہیں۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اُن کے جھنڈے دیکھو۔ مسلمانو! تم آپس میں لڑ رہے ہو۔" تب سلطان ایوبی کی فوج میں دیارِ بکر کے علاقے کے جو سپاہی اور کماندار تھے، انہوں نے بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا ــــ "ہم تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی ہیں۔ دروازے کھول دو۔"

یہ انکشاف بھی بعد میں ہوا تھا کہ شہر کے اندر سلطان ایوبی کے جو جاسوس اور زمین دوز کارندے تھے، انہوں نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو بتایا تھا کہ محاصرہ کرنے والے صلیبی نہیں مسلمان ہیں اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ یہ مہم آسان نہیں تھی۔ جاسوس آزادی سے لوگوں کو سرکاری اعلان کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ اس مہم میں دو جاسوس پکڑے بھی گئے تھے۔ انہوں نے کامیابی حاصل کر لی۔ نویں روز اندر کی فوج اور شہریوں کی سوچ اور جذبہ ہی بدل گیا۔ شہریوں نے حکمران اور اُس کے حاشیہ برداروں کی دھمکیوں اور چیخ و پکار کی پروا نہ کرتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ جب سلطان ایوبی شہر میں داخل ہوا تو شہر کے لوگوں نے بے تابی سے نعرے لگا لگا کر اُس کا استقبال کیا۔ عورتوں نے منڈیروں اور دریچوں سے اُس پر اور اُس کی فوج پر اپنے دوپٹے اور رومال پھینکے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیارِ بکر کے امیر کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ شہر نورالدین ابنِ قارا ارسلان اور ایک اور امیر کو دے دیا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اس کا نام ابنِ نکن لکھا ہے جو نورالدین کے ہی خاندان کا فرد تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں ضروری ہدایات دیں۔ وہاں کی فوج کو اپنی فوج کا حصہ بنایا اور حکم دیا کہ اس علاقے سے مزید فوج تیار کی جائے۔

مئی ۱۱۸۳ء (محرم الحرام ۵۷۹ھ) میں سلطان ایوبی نے دیارِ بکر کو اپنی عملداری میں لیا اور حلب کی سمت کوچ کیا۔ اس کے سب سے بڑے دشمن حلب کا والی عماد الدین اور موصل کا والی عزالدین تھے۔ اب وہ ان کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔

☆

نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا

فتح حاصل کر کے کون خوش نہیں ہوتا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کو کسی معرکے، محاصرے یا بڑی جنگ میں فتح ہوتی تھی تو اس کے چہرے پر نورانی سی رونق آجاتی تھی۔ اس کی فوج جشن مناتی، سپاہی رقص کرتے، گاتے اور راتوں کو سوتے نہ تھے۔ بکرے، دنبے اور اونٹ ذبح ہوتے۔ سپاہی خود پکاتے اور سلطان ایوبی اُن کے لیے مشروبات کے مٹکے کھول دیا کرتا تھا، مگر ۱۱۸۲ء (۵۷۹ ہجری) کے دوران اُس کے چہرے پر رونق نہیں تھی نہ ہی اس کی فوج جشن منا رہی تھی حالانکہ اُس نے ایک سال کے عرصے میں متعدد قلعے سر کر لیے اور شاہ ارمینیا جیسے طاقتور حکمران سے شکست کے عہدنامے پر دستخط کرا کے اُس سے اپنی شرائط منوالی تھیں۔

مؤرخوں نے اِس دَور کو سلطان ایوبی کی فتوحات کا دور کہا ہے مگر اس کی جذباتی کیفیت یہ تھی جیسے ہر فتح کے بعد اس کے چہرے پر بڑھاپے کی ایک لکیر کا اضافہ ہو گیا ہو۔ یہ لکیریں بڑھاپے اور اداسی کی تھیں۔ وہ اِن میں سے کسی ایک فتح اور کسی ایک کامیابی پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسے جب چھاپہ ماروں کا سالار صارم مصری فاتحانہ انداز سے رپورٹ دیتا تھا کہ گزشتہ رات چھاپہ ماروں نے فلاں جگہ شب خون مار کر دشمن کو اتنا نقصان پہنچایا ہے تو سلطان ایوبی آہستہ سے سر ہلا کر اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا اور پھر اس کا سر یوں جھک جاتا تھا جیسے اُس کے ضمیر پر ایسا بوجھ آپڑا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔

"مجھے مبارک باد اُس روز کہنا جس روز تم صلیبیوں کو شکست دو گے"۔۔۔ ایک روز سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ وہ اُسے دیارِ بکر کی فتح کے بعد مبارک باد کہنے آئے تھے۔ اس روز تو اس کی آنکھیں لال ہو گئیں جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس نے کہا۔۔۔ "تم محسوس نہیں کر رہے کہ ہم گھروں سے نکلے تھے صلیبیوں کو شکست دینے اور انہیں اپنی سرزمین سے نکالنے کے لیے مگر انگلیوں پر گنو کہ تم کتنے برسوں سے اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں اور حساب کرو کہ ہم ایک دوسرے کا کتنا خون بہا چکے ہیں۔ کیا تم اُسے فتح کہتے ہو؟ میں اس خانہ جنگی میں جو بھی فتح حاصل کرتا ہوں وہ میری اور تمہاری نہیں وہ صلیبیوں کی فتح ہوتی ہے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو خوشی اور کامیابی اُن کے دشمن کی ہوتی ہے۔ میں اُسے فتح نہیں کہتا جو ہم نے اپنے بھائیوں پر حاصل کی ہے۔"

"صلیبی کیوں دبک گئے ہیں؟"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔ "ہم آپ کو ان پر بھی فتح حاصل کر کے دکھا دیں گے۔"

"انہیں وہاں سے نکلنے اور لڑنے کی کیا ضرورت ہے جہاں وہ دبک کر بیٹھ گئے ہیں"۔۔۔ سلطان ایوبی نے

کہا۔ "جنگ کا پہلا اصول کیا ہے؟.... دشمن کی عسکری قوت کو تباہ کرنا۔ صلیبیوں نے ہماری عسکری قوت کو ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ کرانے کا کامیاب انتظام کر رکھا ہے۔ ہم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور صلیبی ہر صورت حال سے اور اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ فلسطین پر اُن کا قبضہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانی سدا اللہ کی ہے مگر حکمرانی کا نشہ جب انسان پر طاری ہوتا ہے تو مذہب اور ملت کا وقار تو دُور کی بات ہے، وہ اپنی بیٹیوں کو ننگا سنچانے لگتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کاری کو وہ جائز اور ضروری سمجھنے لگتا ہے۔ صلیبی اُمتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاستوں میں تقسیم کرتے چلے جا رہے اور اللہ کی فوج کو اِن ریاستوں میں تقسیم کر کے اسلام کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔"

"ہمیں اِن علاقوں سے فوج کے لیے بہت بھرتی مل رہی ہے۔" ایک سالار نے کہا۔ "بڑے اچھے سپاہی اور سوار بڑی خوشی سے آ رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں۔" سلطان ایوبی نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا۔ "یہ لوگ صرف اس لیے ہماری فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں کہ جس شہر کو فتح کیا جاتا ہے وہاں ہماری فوج لوٹ مار کرتی ہے اور وہاں سے حسین عورتیں ملتی ہیں۔"

"ہم نے اپنی فوج کو ایسی لوٹ مار اور آبرو ریزی کی اجازت کبھی نہیں دی۔" ایک اور سالار نے کہا۔

"مگر ہمارا دشمن ہماری فوج کے خلاف یہی مشہور کر رہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو لوٹ مار کی اور مفتوح کی جوان لڑکیاں اٹھا لے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دشمن نے ہماری فوج کے خلاف یہ بے بنیاد باتیں اس لیے مشہور کر رکھی ہیں کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور یہیں کہیں سے بھی لوگوں کا تعاون نہ ملے بلکہ ہم جس شہر کا محاصرہ کریں وہاں کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہماری اس فوج کے خلاف لڑیں جو اسلامی فوج ہے اور جو ہر لحاظ سے حزب اللہ کہلانے کی حقدار ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! قوم بغیر فوج کے اور فوج قوم کے دانشمانہ تعاون کے بغیر دشمن کے لیے آسان ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔ تمہارا دشمن دانشمند ہے۔ اُس نے ہماری قوم اور فوج میں منافرت پیدا کرنے کا بڑا اچھا اہتمام کیا ہے۔ قرآن نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا حکم صرف قوم یا صرف فوج کو نہیں دیا۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار قوم اور فوج مل کر بنتی ہے۔ اس دیوار میں شگاف ڈالنے کا یہ طریقہ کار گر ہے کہ فوج کو نااہل، بزدل، زانی اور ڈاکو کہہ کر قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے۔"

"دیارِ بکر کے لوگوں پر تو ایسا کوئی اثر نہیں دیکھا۔" صارم مصری نے کہا۔ "انہیں جونہی پتہ چلا کہ محاصرہ کرنے والے ہم ہیں اور اُن کا حکمران اپنی فوج کو اسلامی فوج کے خلاف لڑا رہا ہے تو لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے تھے۔"

"وہاں ہمارے جاسوس زیادہ تعداد میں تھے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہاں کی تمام بڑی مسجدوں کے امام ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو صرف نماز، روزہ اور حج، زکوٰۃ کے وعظ نہیں دیئے۔ اس کے ساتھ وہ لوگوں کو صلیبیوں کے عزائم اور

اپنے ایمان فروش امراء اور حاکموں کے متعلق بھی بتاتے رہے ہیں اور یہ بھی کہ جب ایک مسلمان دوسرے کا خون بہاتا ہے تو عرش معلیٰ لرز جاتا ہے اور خدا اس بستی پر اپنا قہر نازل کرتا ہے جہاں کے مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑتے اور خون بہاتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ دیارِ بکر میں صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار بھی درویش، صوفیوں اور عالموں کے بہروپ میں موجود تھے اور لٹریچر کی تخریب کاری کر رہے تھے لیکن ہمارے آدمیوں نے ان میں بعض کو خفیہ طریقوں سے اغوا اور قتل کیا اور اُن کی آواز کو بیکار کر دیا، مگر ہم اس وقت جس علاقے میں ہیں یہاں صلیبیوں کی تخریب کاری کامیاب ہو رہی ہے۔"

"یہ جو سپاہی اور سوار لوٹ مار کے لالچ سے بھرتی ہو رہے ہیں کیا یہ پوری فوج کو خراب نہیں کریں گے؟" سالار نے پوچھا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ انہیں کس قسم کی تربیت دی جا رہی ہے؟" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے تمہیں تربیت اور جنگی مشقوں کا جو نیا طریقہ بتایا ہے وہ انہیں صحیح سورج پر لے آئے گا۔ میں فوج میں ان کی تقسیم ایسے طریقے سے کر رہا ہوں کہ یہ فوج پر نہیں بلکہ فوج ان پر اثر انداز ہوگی۔ تم بہت جلدی میرا یہ تحریری حکم بھی دیکھ لو گے کہ مفتوحہ علاقے میں اپنا کوئی سپاہی لوٹ مار کرتا یا کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا دیکھا جائے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے یا قریب جا کر اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ دشمن کے بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ فوج اپنے کردار سے مفتوح لوگوں پر اور اپنی قوم پر بھی دل موہ لینے والا اثر پیدا کرے۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی اور یہودی ہر جگہ میں اسلام کی فوج اور قوم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ قوم کی کردار کُشی الگ اور فوج کی الگ کریں گے اور اس طرح دونوں کا ایمان اور قومی جذبہ برباد کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے رکھیں گے۔ یہ کام وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کرائیں گے۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس نے کئی ایک چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو مطیع بنا لیا اور متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ مسلمان حکمران تھے جو درپردہ صلیبیوں کے دوست اور سلطان ایوبی کی مخالف تھے۔ سلطان ایوبی کی منزل بیت المقدس تھی جس پر صلیبیوں نے قبضہ کر کے اسے یروشلم کا نام دے رکھا تھا مگر اپنے مسلمان حکمران اور امراء سلطان ایوبی کے راستے میں حائل ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوج کو چند دن آرام دینے کے لیے فرات کے کنارے رک گیا تھا۔ وہاں گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور رسد کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھوڑ سوار دستوں کا سالار اور چھاپہ مار دستوں کا سالار صارم مصری تھا۔ اُن سے کچھ دُور سفید جُبّے میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا جس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ سلطان ایوبی اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے سرہانے ایک ڈنڈا گڑا تھا اور اس کے ساتھ لکڑی کی ایک تختی تھی جس پر لال رنگ سے

عربی زبان میں لکھا تھا:

عمر المملوک

اللہ تیری شہادت قبول کرے

نصر المملوک

اس کے ساتھ کی قبر پر بھی ایسی ہی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اسی قسم کی لال تحریر تھی!

نصر المملوک

اللہ میری شہادت قبول کرے

سلطان ایوبی نے دونوں تحریریں پڑھیں اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو قبروں پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ وضع اور لباس سے عالم فاضل لگتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے ذرا جھک کر کہا۔ "میں اس گاؤں کا امام ہوں۔ جہاں کہیں پتہ چلتا ہے کہ شہید کی قبر ہے وہاں چلا جاتا ہوں اور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ شہید کے خون کا قطرہ گرتا ہے وہ جگہ مسجد جتنی مقدس ہو جاتی ہے۔ میں لوگوں کو یہی بتایا کرتا ہوں کہ مجاہد وہ عظیم شخصیت ہے جس کے گھوڑے کے سموں کی اُڑائی ہوئی گرد کا احترام خدا نے بھی کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو خدائے ذوالجلال نے افضل عبادت کہا ہے۔"

"مگر اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے ایسے ہی گمنام لوگ ہوتے ہیں جن کی قبریں آپ دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ میں اُن کا نہیں میرا نام آئے گا مگر مجھے عظمت دینے والے یہ لوگ تھے۔" اُس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور قبروں کی دونوں تختیوں کی تحریروں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "یہ الفاظ لال رنگ میں انگلی ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔ لکھنے والا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"لال رنگ نہیں سلطان محترم!" چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے کہا۔ "یہ خون ہے۔ عمر المملوک کی قبر کی تختی نصر المملوک نے اپنے خون سے لکھی تھی اور اس نے اپنے ہی خون سے اپنی قبر کی بھی تختی لکھی اور شہید ہو گیا تھا۔ سولہ سترہ دن گزرے رات کو دریا سے ہم نے ایک بہت بڑی کشتی پکڑی تھی جس میں دشمن کے چھاپہ ماروں کے لیے رسد جا رہی تھی۔ آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ یہ کشتی ہمارے آٹھ چھاپہ ماروں نے پکڑی تھی۔ ان میں سے یہ چار شہید ہو گئے تھے۔ ہمیں پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ ایک بڑی کشتی رات کو گزرے گی جس میں دشمن کی رسد اور اسلحہ ہوگا۔ میں نے اپنے آٹھ چھاپہ مار بھیجے۔ یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں تھے....

"آدھی رات دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ وہ کشتی جا رہی تھی۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ اس میں چار پانچ آدمی ہوں گے لیکن ہمارے چھاپہ ماروں کی کشتی اُس کے قریب گئی تو اُس میں کم و بیش بیس آدمی تھے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے چھاپہ مار دشمن کی کشتی میں کُود جاتے۔ دشمن کے آدمی جو تلواروں سے مسلح تھے، ہماری کشتی میں کود آئے۔ ہمارے یہ چھاپہ مار دریائی چھاپوں کا تجربہ رکھتے تھے۔ وہ اپنی کشتی سے دریا میں کُودے اور دشمن کی کشتی پر چڑھ کر اس کے بادبانوں کے رسّے کاٹ دیئے۔ دونوں کشتیوں میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ ہمارے

چھاپہ ماروں نے بڑی کشتی سے اپنی کشتی پر تیر پھینکے جس میں دشمن کے آدمی تھے۔ بہرحال ہمارے جانباز عقل اور داؤ پیچ سے معرکہ لڑ کر دونوں کشتیاں لے آئے۔ دشمن کے آدمی جو مرے نہیں تھے دریا میں کود کر دوسرے کنارے پر چلے گئے....

"کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اطلاع ملی تو میں انہیں دیکھنے گیا۔ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ ایک کشتی میں عمر المملوک کی اور اس کے دو ساتھیوں کی لاشیں تھیں اور باقی سب زخمی تھے۔ نصر المملوک سب سے زیادہ زخمی تھا۔ دو گہرے زخم برچھی کے اور تین زخم تلوار کے تھے۔ وہ ہوش میں تھا۔ مرہم پٹی کے لیے لے گئے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے ایک تختی دی جائے جو وہ اپنے دوست کی قبر پر لگانا چاہتا ہے۔ میں نے ترکمانوں سے اُسے تختی منگوا دی۔ اس دوران اُس نے اپنی مرہم پٹی نہ ہونے دی۔ تختی آئی تو اس نے اپنے خون میں شہادت کی انگلی ڈبو ڈبو کر عمر المملوک کا نام اور یہ تحریر لکھی اور تختی مجھے دے کر کہا کہ یہ عمر کی قبر پر لگا دی جائے۔ میں نے یہ تختی ایک ڈنڈے کے ساتھ لگا کر عمر المملوک کی قبر کے سرہانے لگا دی....

"نصر المملوک کے زخموں سے خون نکلتا رہا۔ بند نہیں ہو رہا تھا۔ تیسرے دن اُس کی حالت بگڑ گئی۔ میں اُسے دیکھنے آیا تو جراح نے مایوسی کا اظہار کیا۔ خود نصر المملوک کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس نے مجھے کہا کہ اُسے ویسی ہی ایک تختی دی جائے۔ میں نے تختی منگوا دی۔ اُس نے تختی اپنے پاس رکھ لی۔ رات کو مجھے اطلاع ملی کہ نصر شہید ہو گیا ہے۔ میں گیا تو اُس کے ایک زخمی ساتھی نے تختی مجھے دی اور بتایا کہ نصر نے اپنے ایک زخم سے پٹی کھول لی۔ خون نکل رہا تھا۔ اُس نے اپنے خون میں انگلی ڈبو ڈبو کر یہ تحریر لکھی۔ 'نصر المملوک۔ اللہ میری شہادت قبول کرے'۔ اُس کے ساتھی نے بتایا کہ نصر نے کہا تھا کہ اُسے اپنے دوست عمر المملوک کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس طرح یہ دونوں تختیاں ایک ہی شہید کے خون سے لکھی گئی ہیں۔"

"یہ دونوں مملوک تھے محترم امام!" سلطان ایوبی نے امام سے کہا۔ "آپ جانتے ہوں گے کہ مملوک کس نسل سے ہیں۔ یہ اُن غلاموں کی نسل سے ہیں جنہیں آزاد کرا دیا گیا تھا۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا تھا کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ذرا دیکھو ان غلاموں نے کیسا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ یہ آٹھ تھے لیکن بیس آدمیوں سے اتنی بڑی کشتی چھین کر لے آئے ہیں۔ مجھے اپنی فوج میں مملوکوں اور ترکوں پر جتنا بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں۔"

"اب انسان پھر انسان کا غلام بنتا جا رہا ہے۔" امام نے کہا۔ "حکمرانی حاصل کرنے کے فتن اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کو غلام بنایا جائے لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ تخت و تاج نے کسی کے ساتھ کبھی وفا نہیں کی۔ فرعون بھی مٹی میں مل گئے۔ خدا نے ہر اُس انسان کو عبرتناک سزا دی ہے جس نے تخت و تاج سے پیار کیا اور ہر اُس انسان کا خون بہایا جس سے اُسے اپنی بادشاہی کے لیے خطرے کی بُو آئی۔"

سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا کمانڈر ایک آدمی کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔ اس آدمی کی حالت بتا رہی تھی کہ بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔ کمانڈر نے قریب آ کر کہا۔ "قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔"

"کیا خبر لائے ہو؟" سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

"خبر اچھی نہیں" قاصد نے کہا اور کمربند سے ایک کاغذ نکال کر سلطان ایوبی کو دیا۔

سلطان ایوبی اپنے خیمے کو چل پڑا۔

☆

خیمے میں بیٹھ کر اس پیغام کو کھولا۔ یہ اس کے جاسوسی اور سراغرسانی کے سربراہ علی بن سفیان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لکھا تھا۔ "ہمارا سب سے زیادہ دیندار اور دلیر نائب سالار حبیب القدوس دس دنوں سے لاپتہ ہے۔ صلیبیوں کی تخریب کاری زوروں پر ہے۔ ہم یہاں زمین دوز جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایمان فروشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مسئلے پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پریشانی حبیب القدوس نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کا صرف لاپتہ ہو جانا پریشان کن نہیں۔ ہم ایک اور خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبیب القدوس کے ماتحت جتنے دستے ہیں، وہ ان میں اتنا ہر دلعزیز ہے کہ سپاہی اس کے اشارے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ اگر وہ خود دشمن سے جا ملا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے دستوں کو جو اس کے زیر اثر ہیں سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے کی کوششوں سے دستبردار یا مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے صرف یہ اجازت لینا چاہتا ہوں کہ اگر تلاش کے دوران وہ سامنے آ جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اسے مار ڈالا جائے تو اسے مار دیا جائے۔ آپ کے تا مقام امیر مصر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ صرف یہ اجازت دی ہے کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھ کر اجازت لے لوں۔ اگر میں اسے تلاش نہ کر سکا تو آپ مجھ سے باز پرس کریں گے اور اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی آپ پسند نہیں کریں گے۔ اس نائب سالار کا ہمارے دشمن کے پاس رہنا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اسی وقت کاتب کو بلایا اور پیغام کا جواب لکھوانے لگا:

"عزیز علی بن سفیان! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ حبیب القدوس پر مجھے اتنا ہی اعتماد تھا جتنا تم پر ہے۔ جو انسان اپنا ایمان فروخت کرنے پر آمادہ ہے وہ خدا سے نہیں ڈرتا، وہ مجھ جیسے حقیر انسان سے کیوں ڈرے گا۔ تمہیں اس پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ حبیب القدوس جیسا انسان بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے مگر یہ زہرت اور جواہرات کی طرح چمکتا نہیں۔ اس میں عورت کے حسن و جمال کی کشش نہیں اور ایمان تخت اور تاج بھی نہیں۔ جب انسان پر دنیا کی لذتوں کا سرور اور زر و جواہرات کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان سے دستبردار ہونے میں کچھ وقت نہیں لگتا..... حبیب القدوس کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کبھی ضرورت محسوس ہو کہ اسے قتل کر دیا جائے تو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے، لیکن یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنا کہ اسے اغوا تو نہیں کیا گیا؟ حالات تمہاری نظر میں ہیں۔ جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ مفاد سلطنت اور مذہب مقدم ہے۔ ایک انسان کی زندگی اور موت اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جہاں فوج کی اتنی زیادہ تعداد ماری جا رہی ہے،

سپاہی اپنی جانیں دے رہے ہیں وہاں ایک غدار حاکم کو مار دینے سے پہلے اتنا زیادہ نہ سوچو کہ تمہارا قیمتی وقت اس پر صرف ہوتا رہے۔ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہو۔ ہم سب گناہگار ہیں۔ پاک ذات صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ تم حق پر ہو تو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام کے نیچے اپنی مہر لگائی اور پیغام قاصد کے حوالے کر دیا اور اسے کہا کہ وہ رات بھر آرام کر کے علی الصبح روانہ ہو جائے۔

وہ تاریخ اسلام کا پُرآشوب دور تھا۔ ادھر سرزمین عرب مسلمانوں کے خون سے لال ہو رہی تھی، صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں میں غدار اور سازشی پیدا کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں الجھا دیا تھا۔ اُدھر مصر میں یہی کفار مسلمان حاکموں میں غدار پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے تھے اور سلطان ایوبی کی فوج پر بڑے ہی شرمناک الزامات کی تشہیر کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ مہم زمین دوز طریقے سے چلا رکھی تھی۔ علی بن سفیان اور تاجر کا کوتوال غیاث بلبیس اس مہم کے اثرات زائل کرنے اور مجرموں کو پکڑنے میں سرگرم رہتے تھے۔

ایک نائب سالار کا غائب ہو جانا معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس کا کچھ بھی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حبیب القدوس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے لیکن اس وقت میں غداری ایک عام سی چیز بن کے رہ گئی تھی۔ حبیب القدوس لاپتہ ہوا تو سب نے یہی کہا کہ وہ کوئی فرشتہ تو نہیں تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور یہ کوئی معیوب امر نہیں تھا۔ اس کی حیثیت کے حاکموں نے چار چار بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور جو ذرا زندہ دل تھے ان کے ہاں ایک دو داشتہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ حبیب القدوس کی زندگی میں شراب اور راگ رنگ کا ذرہ بھر دخل نہ تھا۔ موم و صلاۃ کا پابند تھا اور میدان جنگ میں دشمن کے لیے سراپا قہر۔ شجاعت کے علاوہ فن حرب و ضرب میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگی منصوبہ بندی ایسی کہ کم سے کم نفری سے کثیر تعداد دشمن کا ستیاناس کر دیتا تھا۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے دستوں میں ہر دلعزیز تھا۔ اس کے ماتحت جو کمانڈر اور سپاہی تھے اُن کے لڑنے کا انداز یہ ہوتا تھا جیسے وہ حکم سے نہیں عقیدت سے لڑ رہے ہوں۔ بعض اوقات تو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دستے اس کی ذاتی فوج ہیں اور یہ سلطان ایوبی کے حکم سے نہیں حبیب القدوس کے اشارے پر ہی لڑتے ہیں۔ اُن کی تربیت اس نے اتنی سخت کر رکھی تھی اور انہیں اتنی جنگی مشقیں کراتا تھا کہ آج کی زبان میں یہ "کمانڈو" بن گئے تھے۔ اُن کی نفری تین ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھی۔ تیراندازی میں اتنے ماہر جیسے اندھیرے میں آواز پر تیر چلائیں تو تیر بولنے والے کے منہ میں لگے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر تھا۔ غیاث بلبیس کوتوال تھا اور سول انٹیلی جنس میں مہارت رکھتا تھا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حبیب القدوس کو دشمن نے اس کی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے جال میں لیا ہے کہ وہ اپنے پانچ ہزار نفری کے دستوں کو باغی کر سکے گا۔ پانچ ہزار نفری معمولی نفری نہیں تھی۔ ان دونوں

کر نہتہ کر دینے کی بھی تجویز پیش ہوئی تھی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ دلیل دے کر مسترد کر دی تھی کہ اس طرح یہ باغی نہ ہوئے تو بھی باغی ہو جائیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے ان دستوں میں کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے جو بارکوں میں سپاہیوں کی گپ شپ سنتے رہتے تھے۔ کمانداروں پر بھی اُن کی نظر تھی۔

گہری نظر حبیب القدوس کے گھر پر رکھی گئی تھی۔ اس کی تین بیویوں میں ایک کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی اور دو چوبیس پچیس سال کی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ ایک شام اس کے پاس دو آدمی آئے تھے۔ حبیب القدوس اُن کے ساتھ نکل گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ ملازموں سے بھی بہت گہری تفتیش کی گئی۔ ان سے بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ بیویوں کے متعلق درپردہ معلوم کیا گیا۔ ان میں کوئی بھی مشکوک نہیں تھی۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ چھوٹی عمر کی دو بیویوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام زہرہ تھا اُسے سب سے زیادہ پیار تھا۔ یہ اُس کے ایک سوار دستے کے کماندار کی بیٹی تھی۔

اس کماندار سے پوچھا گیا کہ اس نے اپنی عمر کے آدمی کو اپنی جوان بیٹی کیوں دی تھی؟ کیا حبیب القدوس نے اُسے ماتحت سمجھ کر مجبور کیا تھا؟

"نہیں۔" کماندار نے جواب دیا۔ "نائب سالار حبیب القدوس اسلام اور جہاد کے اتنے ہی متوالے ہیں جتنا میں ہوں۔ میں نے اُن کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مومن کی تلوار نیام سے نکل آئے تو نیام میں اس وقت تک نہیں آنی چاہیئے جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی سامنے موجود ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ کفر کا فتنہ ختم ہونے تک جہاد جاری رہتا ہے۔ غداروں سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے کہ ایک سرحدی لڑائی میں سوڈانیوں نے اچانک حملہ کیا تو ہمارے دو سوار بھاگ اٹھے۔ نائب سالار نے دیکھ لیا۔ انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ انہیں پکڑ لائے۔ نائب سالار نے اُن سے کچھ پوچھے اور کہے بغیر دونوں کو انہی کے گھوڑوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں باندھا اور گھوڑوں پر دو سوار بٹھا کر حکم دیا کہ گھوڑے دوڑاؤ اور رُکو اُس وقت جب گھوڑے خود تھک کر رُک جائیں....

"جب گھوڑے واپس آئے تو اُن کا پسینہ بہہ رہا تھا اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کے پیچھے بندھے ہوئے سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور اُن کی کھالیں اُتر گئی تھیں۔ جسم پر گوشت بھی پورا نہیں تھا۔ لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ سوڈانیوں میں سے زیادہ تر مارے گئے، کچھ پکڑے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حبیب القدوس نے تمام دستے کو اکٹھا کر کے ان سپاہیوں کی لاشیں دکھائیں اور کہا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے بھاگنے والوں کی یہ سزا دنیا کی ہے، اگلے جہان اُن کے جسم سالم ہوں گے اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا....

"ہم سب جہاد اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ایک روز میری بیٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو بھی وہی تربیت دے رکھی ہے جو باپ نے مجھے دی تھی۔ میرا ایک بیٹا اس وقت سلطان کی فوج کے ساتھ شام میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو بتایا کرتا تھا کہ ہمارے نائب سالار حبیب القدوس سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد ہیں۔

میری بیٹی کو اس روز نائب سالار نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ میں نے بتایا کہ میری بیٹی ہے اللہ یہ چاہتا ہے۔ بہت دنوں بعد انہوں نے مجھے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کی ان سے بات کی تو اُس نے کہا کہ بیٹی پہلے ہی کہتی ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے جو اسلام کی پاسبانی میں اپنی جان کی بازی لگانے والا ہو۔ اس طرح میں نے بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی نائب سالار سے کر دی اور میری بیٹی نے انہیں دلی طور پر قبول کر لیا۔ اب سنا ہے کہ وہ لاپتہ ہیں۔ میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کے متعلق اگر دل سے کسی کو رنج ہے تو وہ صرف میری بیٹی ہے۔ وہ اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ باقی دو بیویاں کہتی ہیں کہ یہ مر گیا تو کسی اور کے ساتھ شادی کریں گی۔"

☆

"مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اُس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔" یہ آواز تاہرز سے بہت دُور اُن کھنڈروں سے آئی تھی جہاں کسی فرعون نے اپنے زمانے میں محل بنایا تھا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ بہت خوبصورت اور سرسبز ہو گی۔ علاقہ پہاڑی تھا اور دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ پہاڑیوں پر درخت اور سبزہ تھا اور وہاں دریا کچھ اندر کو آ جاتا تھا۔ کسی فرعون نے یہ محل بنایا تھا۔ سلطان کے دور میں یہ ڈراؤنا کھنڈر بن چکا تھا۔ دیواروں اور ستونوں پر کائی اُگی ہوئی تھی۔ چمگادڑوں جتنے بڑے چمگادڑوں کے سیاہ بادل اس کھنڈر میں سمٹے رہتے تھے۔ کھنڈروں کے برآمدوں اور کمروں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اُس دور کے ہتھیار بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ اُدھر اب کوئی نہیں جاتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جنوں، چڑیلوں اور بددعوں کا بسیرا ہے جو زندہ انسانوں کا شکار کرتی ہیں۔

اس ہولناک کھنڈر میں جس کے میلوں دُور سے بھی کوئی نہیں گزرتا تھا، ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ پھر اُس نے کہا۔ "نہیں آئے گا تو یہاں سے زندہ نہیں نکلے گا۔"

"ہم اُسے اس لیے نہیں لائے کہ یہاں لا کر اُسے قتل کر دیں۔" دوسرے نے کہا۔ "اگر قتل کرنا ہوتا تو اُسے اُس کے گھر سے اٹھانے اور اتنی دُور لانے کی بجائے وہیں قتل نہ کر دیتے؟ اُسے اس کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کے لیے اسے لائے ہیں۔"

"حشیش اپنا کام کر رہی ہے۔"

"تم کسی کو نشہ پلا کر اُس سے ایسی باتیں کرا سکتے ہو جن کا اُس کی عقل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حشیش سے تم کسی کے ایمان اور نظریئے کو نہیں بدل سکتے۔ یہ شخص پانچ ہزار نفری کی جنگی قوت کا حامل ہے۔ ہمیں صرف اُسے نہیں اُس کی پوری نفری کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اسے مصر کی فوج کے خلاف لڑانا ہے، پھر مصر ہمارا ہو گا اور پھر صلاح الدین ایوبی کی حالت اُس شیر جیسی ہو گی جو بہت سے شکاریوں کے گھیرے میں ہو گا۔ وہ سب کو چیر پھاڑ دینے کو جھپٹے گا مگر اُسے صرف موت ملے گی.... اگر سلطان ایوبی کا یہ نائب سالار حبیب القدوس اپنے دستوں کو اشارہ کر دے تو وہ کچھ سوچے بغیر اُس کا حکم مانیں گے۔"

حبیب القدوس اسی کھنڈر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا جسے صاف کر لیا گیا تھا۔ اُس کے نیچے نرم گدّے بچھے ہوئے اور اس کے پیچھے گول تکیے تھے۔ آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ "مصر میری مملکت ہے۔ صلاح الدین ایوبی عراقی کُرد ہے۔ اُس نے میری مملکت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے میری مملکت کی حسین لڑکیوں سے اپنا حرم بھر رکھا ہے۔ میرے پانچ ہزار جانباز پورے مصر پر قبضہ کر لیں گے۔"

حبیب القدوس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ بڑبڑانے کے لہجے میں کہنے لگا۔۔۔ "میری تلوار کہاں ہے؟ میرا گھوڑا تیار کرو۔ میں صلاح الدین ایوبی کو قتل کروں گا۔ میرے پانچ ہزار جانباز ایک دن میں مصر کی فوج سے ہتھیار ڈلوا لیں گے۔"

"صلیبی میرے دوست ہیں"۔۔۔ اُس آدمی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا۔۔۔ "وہ میری مدد کو آئیں گے۔ دوست وہ جو بُرے وقت میں مدد دے۔"

"میری تلوار کہاں ہے؟" حبیب القدوس خلاصات آواز میں بولنے لگا۔۔۔ "مصر بہت خوبصورت ہو گیا ہے۔ مصر کی لڑکیاں زیادہ حسین ہو گئی ہیں۔ مصر میرا ہے۔ مصر میرا ہے۔"

ایک لڑکی آئی جس کا لباس ایسا تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ اُس کے بال ملائم اور کھلے ہوئے تھے۔ اس کا جسم بلّے کی بی رنگ کا اور سڈول تھا۔ وہ حبیب القدوس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنا ایک بازو حبیب القدوس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حبیب القدوس اپنا گال اُس کے ریشمی بالوں سے مس کرنے لگا۔ اُس نے مخمور لہجے میں کہا۔۔۔ "مصر بہت حسین ہو گیا ہے۔"

لڑکی ایک طرف ہٹ گئی اور بولی۔۔۔ "لیکن مجھ پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہے۔"

حبیب القدوس نے پلک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنے قریب گھسیٹ کر بولا۔۔۔ "تم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ تم میری ہو، مصر میرا ہے۔"

"جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ ہے یا جب تک مصر پر اُس کی بادشاہی ہے، نہ میں تمہاری ہوں نہ مصر تمہارا ہے۔"

"میں اُسے قتل کر دوں گا۔" حبیب القدوس نے کہا۔۔۔ "میں اُسے قتل کر دوں گا۔"

"رک جاؤ۔" ایک سخت غصیلی آواز کمرے میں گونجی۔ یہ ایک صلیبی تھا جو مصری زبان بول رہا تھا۔ یہ وہی تھا جسے کشتی میں کسی دوسری جگہ ایک مصری بتا رہا تھا کہ اب یقین ہونے لگا ہے کہ اس شخص (حبیب القدوس) کا دماغ ہمارے قبضے میں آ رہا ہے اور اُس نے کہا تھا کہ اسے حشیش کے نشے کے بغیر اپنے کام میں لانا ہے۔ وہ اس کمرے میں آیا جہاں حبیب القدوس کے دماغ کو حشیش کے نشے کے زیرِ اثر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اُس نے غصّے میں کہا۔۔۔ "تم حسن بن صباح کے پجاری حشیش اور خفیہ قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ لڑکی کو اس کے پاس رہنے دو اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باہر لے جا کر اُسے کہا۔۔۔ "اب اُسے حشیش نہ دینا۔ اس کا نشہ اُتر جانے دو۔ ہمیں اس کے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کرانا۔ ہمیں اس کے دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ میں بہت دیر سے پہنچا ورنہ اس کا یہ حال نہ ہونے دیتا۔ ہوش میں رکھ کر اسے صلاح الدین ایوبی کا دشمن بنانا ہے۔ تم لوگوں نے اُسے جس خوبی سے اغوا کیا ہے اُس کی میں دل سے تعریف کرتا ہوں اور اس کی تمہیں اتنی قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے تمہیں کہیں سے نہیں ملی ہو گی مگر تم نے اسے حشیش دے دے کر بیکار کام مسخل بنا دیا ہے۔ اسے اب وہ سفوف اور شربت دو جس سے نشے کا اثر اُتر جاتا ہے۔"

☆

صلیبیوں کی جاسوسی اور تخریب کاری اور مسلمان نوجوانوں کی کردار کشی کے طریقے اناڑیوں والے نہیں تھے۔ اُن کے اُس فن کے ماہرین انسانی فطرت کی کمزوریوں اور مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کی نظر سلطان ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کے ہر افسر پر تھی۔ اُدھر عرب کے اُمراء وزراء اور مختلف ریاستوں کے مسلمان حکمرانوں کی خامیوں سے بھی وہ آگاہ تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکمران اور حاکم اُن کے زیرِ اثر ہو جائیں اور سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہودی اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کی صورت میں اُن کی پوری مدد کر رہے تھے۔ ان کفار کے ماہرین نے مسلمان حکمرانوں وغیرہ کو چند ایک زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک زمرے میں انہیں رکھا گیا تھا جو ایک دو خوبصورت اور شوخ لڑکیوں، شراب اور سونے چاندی کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالتے تھے۔ دوسرے زمرے میں وہ تھے جو اپنی الگ ریاست بنا کر اس کے خود مختار بادشاہ بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تیسرے میں وہ تھے جو ملک و ملت کے وفادار اور پکے مسلمان تھے۔ ان میں سے صلیبی یہ دیکھتے تھے کہ کون اثر و رسوخ والا ہے جسے ہاتھ میں لایا جائے تو وہ سلطان ایوبی کی خفیہ پالیسیوں اور پروگراموں سے قبل از وقت اطلاعات دے سکتا ہو اور اُن میں کون ایسا ہے جس کا فوج کے کچھ حصّے پر اثر ہو اور وہ اس حصّے کو اپنی سلطنت کے خلاف باغی کر سکتا ہو۔ اِن پکّے دینداروں اور مجاہدوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ان کے پاس کچھ طریقے تھے جن میں ایک اغوا کرنا اور اسے اپنا اتحادی بنانا تھا۔ ایک طریقہ قتل کا بھی تھا لیکن قتل کم ہی کرائے جاتے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو قتل حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں سے کرایا جاتا تھا۔

نائب سالار حبیب القدوس ایسا حاکم تھا جس قتل کرانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مصر کی فوج کی پانچ ہزار نفری اس کی مرید تھی۔ صلیبیوں کے مسلمان ایجنٹوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ شخص ایمان نہیں جان دینے والا ہے اور اس میں اتنا شدید جذبہ اور غیر معمولی اہلیت ہے کہ اگر اسے اپنے انہی دستوں کے ساتھ ایک لاکھ کے لشکر کے خلاف لڑایا جائے تو شام کا سورج اتنی جلدی افق میں نہیں گرے گا جتنی جلدی اس کے آگے دشمن کی لاشیں اور ہتھیار گریں گے۔

صلیبیوں نے تجربہ کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کبھی اس کے پاس کوئی نوجوان اور غیر معمولی طور پر

خوبصورت لڑکی ایک نادار، یتیم اور مظلوم لڑکی کے بہروپ میں مدد لینے کے لیے بھیجی۔ کبھی کسی لڑکی کو کسی اور ذاتی کام سے بھیجا۔ ضیافتوں اور کھیل تماشوں میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے ڈالیں مگر وہ اس جال میں نہ آیا جیسے پتھر ہو۔ مصر میں بغاوت کرانا صلیبیوں کے لیے ضروری ہوگیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی شام اور فلسطین کے علاقوں کے بکھرے ہوئے مسلمان امراء کو دلائل سے یا تلوار سے اپنا مطیع بناتا چلا جارہا تھا اور اُس کے بعد اسے فلسطین کا رُخ کرنا تھا۔ اُس کی توجہ فلسطین سے ہٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ ہوسکتا تھا کہ مصر میں اُس کی جو فوج ہے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

اس سے پہلے صلیبی سوڈانیوں کو مصری فوج کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرچکے تھے۔ سوڈانی فوج نے حملہ کیا بھی تھا مگر سوڈانی فوج میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی تھی اور وہ توہم پرست تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہجوم کی صورت میں لڑتے اور ہجوم کی صورت میں بھاگ گئے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں مصر کے خلاف ہی رکھا، لیکن لڑنے کی نہ سوچی۔ اب بغاوت مصر کی فوج ہی سے کرائی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو موزوں سالار دیکھا وہ حبیب القدوس تھا۔ جاسوسوں اور ماہرین نے اس کے اغوا کا فیصلہ کیا اور حسن بن صباح کے فرقے کے فدائیوں کو منہ مانگی اجرت دے کر اُن سے اغوا کرالیا۔

اغوا کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک شام دو آدمی اس کے گھر گئے اور کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں کی مسجد کی چھت بیٹھ گئی ہے اور پوری مسجد از سرِ نو تعمیر کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رات کو گاؤں کے لوگ جمع ہورہے ہیں اور وہ بھی چلیں تاکہ لوگ دل کھول کر مالی مدد دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسی جذباتی باتیں کیں کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ شہر سے باہر نکل گئے تو چار اور آدمی ملے۔ ان سب نے اُسے جکڑ لیا اور اس کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے دھوکے میں حشیش پلادی۔ صلیبی جو اس سے بات کرنے اور اسے اپنا ہم خیال بنانے پر مامور تھا، وہ کسی اور کام سے کہیں بھیجا گیا۔ اُسے اغوا کرنے والے کھنڈر میں موجود رہے۔ کھنڈر کے ایک کمرے میں اس کے لیے آسائش کی ہر چیز پہنچادی گئی۔ دو لڑکیاں بھی تھیں جو حسین ہونے کے علاوہ دلوں کو موہ لینے اور پتھر جیسے سخت کردار کے آدمیوں کو بھی حیوان بنادینے کے فن کی ماہر تھیں۔

ان سب کو معلوم تھا کہ اس نائب سالار کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ انہوں نے انعام واکرام کے لالچ میں از خود ہی اس کے ذہن کو اپنے مخصوص طریقے سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کردیں۔ یہ طریقہ حشیش کی ایک خاص قسم سے نشہ طاری کرنے کا تھا جس کے دوران مطلوبہ فرد کے ذہن میں باتوں کے ذریعے نہایت دلکش تصورات ڈالے جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا ہپناٹائز کرنے کا طریقہ تھا۔ اس میں نیم عریاں خوبصورت لڑکیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ گروہ کئی دنوں سے حبیب القدوس پر یہ طریقہ استعمال کررہا تھا اور اس نے اُن کے ساتھ مطلب کی باتیں شروع کردی تھیں جن سے انہیں اُمید بندھ چلی تھی کہ انہوں نے اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

☆

اُدھر قاہرہ میں مصری فوج اور کوتوالی کے جاسوس اس کی تلاش میں پریشان ہورہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ وہ سوڈانیوں یا صلیبیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ حبیب القدوس کا اثر اپنے دستوں پر کس قدر زیادہ ہے اس لیے اس نے مصر کے قائمقام امیر کی اجازت سے سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی تھی۔ توقع یہی تھی کہ وہ اپنے معتمد کمانداروں کو کوئی پیغام بھیجے گا۔ جاسوسوں اور سراغرسانوں نے ہر طرف نظر رکھی لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ اس کا پیغام کسی کی طرف نہیں آیا۔ یہ بھی دیکھا جارہا تھا کہ ان دستوں میں سے کون سا کماندار غائب ہوتا ہے لیکن اتنے دنوں میں کوئی بھی غیر حاضر نہ ہوا۔

اتنے میں وہ صلیبی کھنڈرات میں آگیا جسے حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرنی تھی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ حشیش رکوائی اور حبیب القدوس کا نشہ اُتارا۔ صلیبی نے پوری رات نشے کے اثرات اُترنے کا انتظار کیا۔ اگلے روز وہ حبیب القدوس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُس کی نظر صلیبی پر پڑی تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور صلیبی کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ اتنے حیران اور پریشان نہ ہوں۔ یہ بدبخت آپ کو حشیش پلاتے رہے اور آپ کو بڑے خوبصورت خواب دکھاتے رہے ہیں۔ آپ حشیش اور فدائیوں کے اس طریقے سے یقیناً واقف ہوں گے۔ آپ کی توہین کی گئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کوئی خواب نہیں دکھاؤں گا۔ بڑی خوبصورت حقیقت آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھیں۔ میں آپ کا رتبہ اونچا کروں گا۔ کم نہیں ہونے دوں گا۔"

"یہ لوگ دھوکے میں مجھے یہاں لے آئے تھے۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "پھر شاید یہ مجھے کہیں اور لے گئے تھے۔" اُس نے نگاہیں گھما کر ہر طرف دیکھا اور حیران سا ہوکے بولا۔ "وہ کوئی بہت ہی خوبصورت جگہ تھی..... مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"اپنے آپ کو بیدار کریں۔" صلیبی نے کہا۔ "یہ سب حشیش کا اثر تھا۔ آپ پہلے روز سے یہیں ہیں۔"

"مجھے اغوا کیا گیا تھا؟" حبیب القدوس نے حقیقت کو سمجھتے ہوئے ذرا رُعب سے کہا۔ "تم کون ہو؟"

"میں آپ کا ایک مسلمان بھائی ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "مجھے آپ سے لینا کچھ بھی نہیں کچھ دینا ہے۔"

"اگر میں لینے دینے سے انکار کردوں تو؟"

"تو زندہ واپس نہیں جاسکیں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ قاہرہ سے اتنی دُور ہیں کہ آپ کو میں نے آزاد کردیا تو آپ راستے میں مرجائیں گے۔"

"مجھے وہ موت زیادہ پسند ہوگی۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "میں اپنے دشمن کی قید میں نہیں مرنا چاہتا۔"

"نہ آپ قید میں ہیں نہ میں آپ کا دشمن ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرکے آپ کو بدظن کردیا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ان باتوں کے لیے مجھے اغوا کرکے اتنی دُور لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اگر میں یہ باتیں قاہرہ میں آپ کے ساتھ کرتا تو ہم دونوں قید خانے کے تہہ خانے میں ہوتے۔" صلیبی نے کہا۔ "وہاں قدم قدم پر علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلبیس نے جاسوس کتڑے رکھے ہیں۔"

حبیب القدس کا ذہن صاف ہو چکا تھا۔ اس کا دماغ سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا کہ وہ صلیبی تخریب کاروں کے چنگل میں آ گیا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ "تم صلیبیوں کے آدمی ہو یا سوڈانیوں کے؟"

"میں مصر کا آدمی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "اور آپ بھی مصری ہیں۔ آپ بغدادی، شامی یا عربی نہیں۔ مصر مصریوں کا ہے۔ یہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے خاندان کی جاگیر نہیں۔ یہ اسلامی ملک ہے۔ یہاں اللہ کی حکمرانی ہو گی اور اس کا انتظام اور کاروبار مصری مسلمان چلائیں گے۔ کیا آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ ہم پر حکومت کرنے والے بغداد اور دمشق سے آئے ہیں اور انہوں نے مصر کو شام کے ساتھ ملا کر ایک سلطنت بنا لیا ہے؟"

"تم مجھے مصر کو صلاح الدین ایوبی سے آزاد کرانے پر اُکسا رہے ہو؟"

"میں جانتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو پیغمبر نہیں تو پیر و مرشد ضرور سمجھتے ہیں۔" صلیبی نے کہا۔ "میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔ ایوبی میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ میں بھی اُسے اتنا ہی پسند کرتا ہوں جتنا آپ کرتے ہیں مگر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اس کے بعد مصر اُس کے حبشی بھائی یا بیٹے کے ہاتھ آئے گا اس میں صلاح الدین ایوبی کی خوبیاں نہیں ہوں گی۔ مصر ایک اور فرعون کے قبضے میں آ جائے گا۔"

"مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں۔" صلیبی نے جواب دیا۔ "اگر آپ کے دل میں شک ہے تو مجھ سے پوچھیں۔ پہلے اپنا شک رفع کریں۔ آپ سوچ لیں۔ آپ ابھی ابھی جاگے ہیں۔ ان بدبختوں کی دی ہوئی حشیش کا بھی آپ پر اثر ہے۔ میں آپ کے لیے ناشتہ بھجواتا ہوں۔ اتنے دنوں آپ کو کسی نے نہانے نہیں دیا۔ میں آپ کو ایک چشمے پر لے چلوں گا۔"

وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی آیا۔ اُس نے کہا۔ "میرے ساتھ چلیں۔ ناشتے سے پہلے نہا لیں۔"

☆

کھنڈر سے اُسے کسی ایسے راستے سے نکالا گیا جو پہاڑیوں میں چلا گیا تھا۔ کچھ آگے ایک چشمہ تھا جس کا شفاف پانی چھوٹے سے قدرتی تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ وہ پہاڑیوں سے گھوم کر چشمے کی طرف گئے تو وہاں دو لڑکیاں بالکل ننگی نہا رہی تھیں اور ایک دوسری پر ہاتھوں سے پانی پھینک رہی تھیں۔ حبیب القدس رک گیا اور اُس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ لڑکیاں چیختی بھاگ اٹھیں۔ اُس ویرانے میں ایسی حسین اور برہنہ لڑکیاں جن اور چڑیلیں لگتی تھیں۔ حبیب القدس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ کھنڈر ایک پہاڑی کے پیچھے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو آدمی آیا تھا وہ اس کے آگے آگے جا رہا تھا۔

حبیب القدس نے لپک کر ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور بازو کا شکنجہ تنگ کر کے اُس نے

دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں پوری طاقت سے تین چار گھونسے مار دیے۔ یہ آدمی دم گھٹنے سے مر گیا۔ حبیب القدس نے اُسے گھسیٹ کر ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے پھینک دیا اور خود بھاگ اٹھا۔ اُس نے ایک پہاڑی میں سے راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں پہنچا تو ایک آدمی برچھی تانے کھڑا تھا۔ اُس نے اتنا ہی کہا۔ "واپس۔" وہ نہتہ تھا سر جھکا کر پیچھے کو مڑا۔ چند قدم ہی چلا ہو گا کہ صلیبی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں آپ کو دانشمند سمجھتا ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ اس علاقے سے نکل نہیں سکتے۔ احمق نہ بنیں نہا لیں۔ میرے ساتھ آئیں۔"

وہ جھیل سے نہا کر نکلا اور کپڑے پہنے۔ صلیبی اُسے اپنے ساتھ لے آیا۔ راستے میں اس نے صلیبی سے پوچھا۔ "یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ ہیں؟"

"اس ویرانے میں ایسی دو تین ساتھ رکھنا ضروری ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "کیا آپ کی تین بیویاں نہیں؟..... اگر آپ کو ان کے ساتھ دلچسپی نہیں تو نہ سہی۔ اگر آپ تنہائی یا گھبراہٹ محسوس کریں تو ان لڑکیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔"

اتنے میں ایک لڑکی ناشتہ لے کر آئی۔ حبیب القدس اُسے دیکھتا ہی رہا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی اور صلیبی باہر نکل گیا۔ لڑکی نے باتوں اور اداؤں سے اُس پر طلسم طاری کر دیا۔ بہت دیر بعد جب صلیبی واپس آیا اور لڑکی چلی گئی تو حبیب القدس کو افسوس سا ہوا۔

"آپ آزاد مصر کے سالارِ اعلیٰ ہوں گے۔" صلیبی نے اُسے کہا۔ "آپ کے دستوں میں جو تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار ہیں وہ آپ کے مرید ہیں آپ اُن کی مدد سے مصر کی حکومت پر قبضہ کر سکتے ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی حملہ کرے گا تو کیا میں اپنی دستوں سے مصر کو اُس سے بچا لوں گا؟"

"سوڈانی مسلمان جو کبھی مصر کی فوج میں ہوا کرتے تھے ہمارے ساتھ ہوں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو مصری ہیں اُن تک ہم خبر پہنچائیں گے کہ یہ خانہ جنگی نہیں بلکہ مصری مصر کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ آپ اپنے دستوں سے بغاوت کرائیں۔ آپ کو جنگی طاقت دینا ہمارا کام ہے۔"

اس آدمی نے لمبی تفصیل سے اُسے اپنا منصوبہ بتایا۔ حبیب القدس اب انکار نہیں کر رہا تھا بلکہ یوں سوال کر رہا تھا جیسے وہ قائل ہو گیا ہو۔

"میں واپس قاہرہ نہیں جاؤں گا تو بغاوت کیسے کراؤں گا؟" حبیب القدس نے پوچھا۔

"آپ واپس نہیں جائیں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ یہیں سے اپنے قابلِ اعتماد ساتھیوں کو پیغام دیں گے۔ اس کا انتظام ہم کریں گے..... آپ نے ہمارے ایک قیمتی آدمی کو مار ڈالا ہے۔ ہم آپ کو قتل کر سکتے ہیں۔ ہمارے بازو اتنے لمبے ہیں کہ آپ کے خاندان کے بچے بچے کو قتل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں دھوکہ دیا تو ہم ایسا کر کے دکھا بھی دیں گے۔"

"پھر مجھے یہاں لمبے عرصے کے لیے رہنا پڑے گا۔" حبیب القدس نے کہا۔

"کچھ عرصہ تو لگے گا۔" صلیبی نے جواب دیا۔

"میری ایک ضرورت پوری کردو"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "تم نے مجھے دو لڑکیاں پیش کی ہیں۔ میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں اتنی حسین لڑکی میں اُلجھ کر اپنا اصل مقصد بھول جاؤں۔ اس کی بجائے یہ انتظام کردو کہ میری سب سے چھوٹی بیوی کو جس کا نام زہرہ ہے، یہاں لے آؤ۔ اُسے میں پیغام رسانی کے لیے بھی استعمال کرسکوں گا۔"

"اُسے اغوا کرنا پڑے گا"۔ صلیبی نے کہا۔ "اگر اُسے ہم یہ کہیں گے کہ آپ اسے بلا رہے ہیں تو وہ ہم پر اعتبار نہیں کرے گی۔ وہ ہمیں پکڑوا بھی سکتی ہے۔ ہم آپ کو اس کا جو نعم البدل دے رہے ہیں، اُسے آپ قبول کرلیں اور پیغام رسانی کے لیے اپنے کسی آدمی کا اتا پتہ دیں۔"

"پھر مجھ پر اعتماد کرو"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "مجھے قاہرہ پہنچا دو۔ میں ایک ماہ کے اندر بغاوت کرا دوں گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا"۔ صلیبی نے کہا۔ "محترم! ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ مصر کے مفاد میں ہے اور اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔ میں یا میری تنظیم کا کوئی بھی فرد مصر کا حکمران بننے کا خواب نہیں دیکھ رہا۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "اور میں سوچ سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔ میری بیوی زہرہ تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ میرے پاس آجائے۔ جو کام وہ کرسکتی ہے وہ کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اس کے آنے کے بعد دیکھوں گا کہ اس منصوبے کو کس طرح کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔"

وہ ایک بھکارن تھی جس نے زہرہ کو راستہ میں روک لیا تھا۔ وہ دو تین دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ زہرہ حبیب القدوس کے گھر سے ہر روز بعد دوپہر اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہے۔ بھکارن نے اُس کے آگے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "نائب سالار حبیب القدوس نے آپ کو بلایا ہے۔ یہ اُن کے ہاتھ کی تحریر ہے"۔ زہرہ نے کاغذ ہاتھ میں لے کر تحریر پڑھی۔ یہ اس کے خاوند کے ہاتھ کی تھی۔ بھکارن نے کہا۔ "وہ جہاں کہیں بھی ہیں خود گئے ہیں۔ اتنے بڑے آدمی کو کوئی اٹھا کر نہیں لے جاسکتا۔ وہ صرف آپ کو چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہرہ کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا..... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے مجھے پکڑوانے کی کوشش کی یا کوتوال کو اطلاع دی تو دونوں کو قتل کردیا جائے گا۔ حبیب القدوس کے پاس آپ کا جانا ضروری ہے۔"

"میں تم پر کس طرح اعتبار کرلوں؟" زہرہ نے پوچھا۔

"میں بھکارن نہیں"۔ عورت نے جواب دیا۔ "یہ میرا بہروپ ہے۔ میں بھی آپ کی طرح شہزادی ہوں۔ ہمارا مقصد نیک اور مقدس ہے۔ آپ دل میں کوئی وہم نہ رکھیں۔"

اس عورت نے اور بھی بہت سی باتیں کیں جن سے زہرہ متاثر ہوگئی۔ اُس نے اس عورت کے کہنے کے مطابق رات کو ایک بجے چوری چھپے پہنچنے کا وعدہ کرلیا۔ اس نے اس ڈر سے کسی سے ذکر نہ کیا کہ اس عورت نے کہا تھا کہ اس کی اور اس کے خاوند کی زندگی [illegible] عورت کا اور [illegible] کی آزادی اور غلامی کا سوال تھا۔

اُسے رات مقررہ کی ہوئی جگہ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ دو آدمی جنہیں وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہ سکی، بھکارن کے ساتھ آئے۔ بھکارن کو اُس نے آواز سے پہچانا مگر وہ اب بھکارنوں کے بہروپ میں نہیں تھی۔ وہ کوئی جوان اور خوبصورت عورت تھی۔ اس نے زہرہ سے کہا۔ "اللہ کے بھروسے پر اُن کے ساتھ چلی جاؤ۔ دل میں کوئی ڈر نہ رکھنا۔" اُسے ایک گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ وہ دونوں بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور زہرہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہوگئی جس کی منزل کا اُسے علم نہ تھا۔ عورت وہیں کھڑی رہی۔ شہر سے دُور جا کر سواروں نے زہرہ سے کہا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنا ضروری ہے۔ زہرہ ان میں اکیلی تھی، مزاحمت نہیں کرسکتی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

دو روز بعد پتہ چلا کہ نائب سالار حبیب القدوس کی چھوٹی بیوی بھی لاپتہ ہوگئی ہے۔ سراغرسانوں نے ابتدائی تفتیش کی تو وہ ملنے کو تیار نہ ہوئے کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔ حبیب القدوس کے متعلق ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ صلیبیوں یا سوڈانیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ اب لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ اس کی بیوی بھی اُس کے پاس چلی گئی ہے۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس وقت اور کس طرح گئی ہے۔ اس وقت تک وہ حبیب القدوس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں اُس کمرے میں کھولی گئی تھیں جہاں اس کا خاوند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ پوری رات اور اگلا دن آدھا دن سفر میں رہی تھی۔ راستے میں اُسے کھانے پلانے کے دوران آنکھوں سے پٹی کھولی گئی تھی اور اسے ساتھ لے جانے والے آدمیوں نے اُس کے ساتھ کوئی بلا ضرورت یا ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔ اُسے انہوں نے یقین بار بار دلایا تھا کہ اُسے ڈرنا نہیں چاہیئے۔

حبیب القدوس کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس کے ساتھ صلیبی بھی تھا۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا۔ "یہ ہمارا دوست ہے اور اپنے آپ کو یہاں قیدی نہ سمجھنا۔ تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ آج رات آرام کرلو۔ کل صبح تمہیں بتائیں گے کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔ تم اکثر کہا کرتی ہو کہ تم مردوں کی طرح جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہو۔ میرے اس دوست نے تمہارے لیے بڑا اچھا موقعہ پیدا کردیا ہے۔"

صلیبی انہیں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

☆

زہرہ ابھی نوجوانی کی عمر میں تھی اور اُس کے حسن میں خامی کشش تھی۔ جسم چھریرا اور جسمانیت میں کچھ شوخی بھی تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہ دو لڑکیاں جنہیں حبیب القدوس نے تالاب میں نہاتے دیکھا تھا اس کے کمرے میں آئیں اور زہرہ کو بے تکلف سہیلیوں کی طرح اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ تھا تو ہیبت ناک کھنڈر لیکن لڑکیاں جہاں رہتی تھیں وہ کمرہ سجا ہوا اور وہاں رنگین فانوس تھے۔ اس کمرے میں کھنڈر کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ زہرہ تھوڑے سے وقت میں اُن میں گھل مل گئی۔ اُن میں سے ایک لڑکی نے اُسے کہا۔ "تمہارے ماں باپ کتنے ظالم ہیں جنہوں نے تم جیسی نوخیز کلی کو اس بوڑھے کے قدموں میں پھینک دیا ہے۔ تمہیں اس نے خریدا تو نہیں تھا؟"

"ہاں!" زہرہ نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھے خریدا تھا۔ میں بھاگ کر کہیں جا بھی تو نہیں سکتی۔"

"اگر کوئی پناہ مل جائے تو بھاگ جاؤ گی؟"

"اگر یہ پناہ میری موجودہ زندگی سے بہتر ہوئی تو میں ضرور بھاگوں گی"۔ زہرہ نے کہا اور لڑکیوں نے قہقہہ لگایا۔ "اس نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟ تم لوگ کون ہو؟ کیا یہ مجھے بیچ رہا ہے؟"

"اگر تم ہمارے پاس آجاؤ تو شہزادی بن کے رہو گی"۔ ایک لڑکی نے اُسے کہا۔ "ہم تمہیں بتا دیں گی کہ ہم کون ہیں لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل بھی ہو یا نہیں.... تم ہمارے ساتھ باہر جا کر ہماری طرح کپڑے اتار کر تالاب میں نہا سکو گی؟"

"اس حیوان سے مجھے آزاد کرا دو تو جو کہو گی کروں گی"۔ زہرہ نے کہا۔

ایک آدمی زہرہ کو کھانے کے لیے بلانے آگیا۔ اس نے کہا کہ نائب سالار کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔ زہرہ چلی گئی تو وہی صلیبی آگیا جو حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرتا رہا تھا۔ لڑکیوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے بتایا۔ "یہ لڑکی ہمارے کام کی ہے اور وہ اس بوڑھے خاوند سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے یہ کتنی خوبصورت ہے۔ اس میں شوخی بھی ہے اور اس کا جسم سختی برداشت کر سکتا ہے۔ تربیت کی ضرورت ہے۔"

"لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص تو یہ کہتا تھا کہ اسے اپنی اس بیوی پر اعتماد ہے اور وہی پیغام رسانی کا کام کر سکتی ہے"۔ صلیبی نے کہا۔ "اگر یہ لڑکی اس شخص سے نفرت کرتی ہے تو اسے دھوکہ دے گی اور ہم سب کو پکڑوائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اس معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ آدمی ہمارے فریب میں آگیا ہے۔ مجھے مصری مسلمان اور وطن پرست سمجھتا ہے۔ ہمارا کام کرنے کو تیار ہو گیا ہے۔ اگر یہ لڑکی اُسے دھوکہ دینے کی سوچ سکتی ہے تو ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں اسے پرکھوں گا۔ تم رات کو تھوڑی دیر کے لیے اسے میرے پاس لے آنا کسی بہانے باہر چلی جانا۔"

کھانے کے کچھ دیر بعد لڑکیاں پھر اُسے ہنسنے کھیلنے اور گپ شپ کے لیے لے آئیں۔ اُسے پہلے سے زیادہ بے تکلف بلکہ کسی حد تک بے حیا کر لیا۔ صلیبی آگیا اور لڑکیاں کسی بہانے باہر نکل گئیں۔ صلیبی نے زہرہ سے وہی باتیں کیں جو لڑکیاں اس کے ساتھ کر چکی تھیں۔ صلیبی نے اُسے اپنے معیار کے مطابق پرکھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرنے لگا تو زہرہ نے اپنا بازو چھڑا کر کہا۔ "میں ایسی ارزاں اور سستی چیز نہیں کہ ذرا سے اشارے پر آپ کی گود میں گر پڑوں گی۔"

صلیبی کو اس کی یہ بات پسند آئی۔ لڑکی ہر کسی کے ہاتھ آنے والی نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ اُس نے یہ دیکھ لیا کہ زہرہ میں وہ جوہر موجود ہیں جو ان کی جاسوس اور تخریب کار لڑکیوں میں ہوتے تھے۔ ذرا تربیت کی ضرورت تھی۔ اُسے بھی زہرہ نے بتایا کہ اسے اپنے خاوند سے نفرت ہے لیکن وہ چونکہ مجبور ہے اور نفرت کا اظہار نہیں کر سکتی اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے چاہتی ہے۔

"اب بھی نفرت کا اظہار نہ کرنا"۔ صلیبی نے اُسے کہا۔ "میں تمہیں اس سے آزاد کرا لوں گا اور تم شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرو گی.... تم یہیں بیٹھو۔ میں تمہاری سہیلیوں کو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل گیا اور لڑکیوں کے پاس چلا گیا۔ انہیں کہا۔ "لڑکی کام کی ہے۔ اُسے اپنے ساتھ ہی لے لو۔ حبیب القدوس اسے بُری طرح چاہتا ہے۔ اس لڑکی کو ہم اس حد تک لائیں گے کہ وہ اس کے ساتھ دیوانہ وار محبت کا عملی اظہار کرتی رہے تاکہ وہ اپنے قابل اعتماد کمانداروں وغیرہ کے ساتھ اس لڑکی کی موجودگی میں رابطہ قائم کر سکے۔ یہ تمہارا کام ہے کہ لڑکی کو اپنے جال میں لے لو۔ اسے اپنی زندگی کا شاہانہ پہلو دکھاؤ اور تم جانتی ہو کہ اُسے کس طرح اور کس مقصد کے لیے تیار کرنا ہے۔"

☆

زہرہ حبیب القدوس کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کرتی رہی اور صلیبی اور اس کی ساتھی لڑکیوں کو بتاتی رہی کہ اسے حبیب القدوس سے نفرت ہے۔ دو تین لڑکیوں نے اسے اپنے ساتھ رکھنا اور باہر لے جانا شروع کر دیا۔ اسے چشمے کے تالاب پر لے گئیں تو اس نے بلا جھجک تمام کپڑے اتار دیئے اور لڑکیوں کے ساتھ پانی میں کھیلنے لگی۔ پھر یہ ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ رات وہ حبیب القدوس کے ساتھ گزارتی تھی۔ دن کا زیادہ تر وقت دونوں لڑکیاں اسے اپنے ساتھ رکھتیں اور کبھی صلیبی بھی اس کے ساتھ دوستانہ باتیں کرتا تھا۔ زہرہ چار پانچ دنوں میں ان لڑکیوں جیسی ہو گئی۔ اس کی شوخیاں بے حیائی کا رنگ اختیار کرنے لگیں اور لڑکیاں آہستہ آہستہ اُسے اپنی پُراسرار زندگی کے متعلق بتانے لگیں۔

اس دوران صلیبی نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کا منصوبہ تیار کر لیا۔ حبیب القدوس نے یہ منصوبہ تیار کرنے میں بہت مدد دی۔ اب صلیبی کو اس پر اعتبار آگیا تھا۔ اس نے حبیب القدوس کو مصری فوج کے ایک دو اعلیٰ حکام اور دو انتظامیہ کے حاکموں کے نام بتائے جو درپردہ سلطان صلاح الدین کے خلاف تھے اور بغاوت کی سوچ رہے تھے۔ انہوں نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی طرح اسے ہاتھ میں لیا جائے۔ صلیبی نے اسے یہ نہ بتایا کہ وہ صلیبی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مصری وطن پرست ہی بتاتا رہا۔ اس کا مقصد بغاوت کرانا تھا۔

زہرہ ان دونوں لڑکیوں میں اس قدر شیر و شکر ہو گئی تھی کہ اب یہ کہنا کہ وہ کسی شریف باپ کی بیٹی یا ایک مسلمان نائب سالار کی بیوی ہے غلط تھا۔ حبیب القدوس اسے اپنی وفادار بیوی سمجھتا تھا۔ ایک روز اُس نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اس کھنڈر سے اور پہاڑیوں میں گھری ہوئی دنیا سے تنگ آگئی ہے۔ لڑکیوں نے اسے کہا کہ وہ اُسے ان پہاڑوں سے پرے کی دنیا دکھا لائیں گی۔ چنانچہ وہ اسے ایک پہاڑی راستے سے گزارتی ایک جھیل کے کنارے لے گئیں اور اس کے کنارے کنارے جب وہ اور آگے گئی تو اسے دریائے نیل نظر آیا۔ اسی کا پانی پہاڑی کے اندر آکر جھیل بنا ہوا تھا۔ ایک جگہ پہاڑی کی اوٹ میں ایک کشتی چھپی ہوئی تھی جس میں دو چپو تھے۔ یہ جگہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ زہرہ ان لڑکیوں کے ساتھ وہاں ہنستی کھیلتی رہی۔

"یہاں فرعونوں کی شہزادیاں کھیلا کرتی تھیں"۔ ایک لڑکی نے کہا۔

"اور تم دونوں اُن کی بدروحیں لگتی ہو"۔ زہرہ نے ہنس کر کہا۔

"تمہارے مقابلے میں ہم دونوں واقعی بدروحیں لگتی ہیں"۔ دوسری لڑکی نے کہا۔

"سنو زہرہ!" — ایک لڑکی نے اس سے کہا — "تمہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ تمہارا یہ بوڑھا خاوند یہاں کیوں چھپا بیٹھا ہے اور تمہیں کیوں بھیجا گیا ہے؟"

"وہ تو پہلے روز ہی اس نے بتا دیا تھا" — زہرہ نے کہا — "میں یہ کام کر دوں گی مگر کہتے ہیں کہ چند دن رُک جاؤ۔"

"اور تم جانتی ہو کہ ہم آزاد مصر کی شہزادیاں ہوں گی؟"

"مجھے اس خاوند سے آزاد کرا دینا تو میں اپنے آپ کو شہزادی سمجھنے لگوں گی" — زہرہ نے کہا۔

"یہ طے ہو چکا ہے لیکن تمہارے خاوند کو معلوم نہیں" — لڑکی نے کہا — "کیا تم اس کام کے لیے تیار ہو جو اس سلسلے میں تمہیں کرنا ہوگا؟"

"وقت آئے گا تو دیکھنا" — زہرہ نے کہا — "اگر مجھے یہ کام نہ کرنا ہوتا تو اپنے خاوند کو یہاں قتل کر چکی ہوتی۔ یہاں اچھا موقعہ تھا۔"

☆

دوسرے دن بھی وہ لڑکیوں کے ساتھ دریا کے کنارے چلی گئی۔ لڑکیاں اُسے جس راستے دریا تک لے جاتی تھیں، وہ ایسا راستہ تھا کہ وہ اکیلی جاتی تو اُسے یہ راستہ کبھی نہ ملتا۔ یہ راستہ قدرتی تھا لیکن خفیہ۔ زہرہ نے انہیں ایک دو بار کہا تھا کہ کشتی پر دریا میں چلیں لیکن لڑکیوں نے اُسے روک دیا تھا۔ حبیب القدوس پر بھی اب پہلے جیسی پابندی نہیں رہی تھی۔ اس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ آزاد مصر کا حامی ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا تختہ اُلٹ کر دم لے گا۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ صلیبی اس کے ساتھ اس موضوع پر اتنی باتیں نہیں کرتا تھا جتنی وہ خود کرنے لگا تھا۔ اس شخص میں انقلاب آگیا تھا۔

ایک دو روز بعد اس کھنڈر میں دو اور آدمی آئے۔ ان میں ایک سوڈانی تھا اور دوسرا مصری۔ انہیں حبیب القدوس سے ملایا گیا۔ وہ ان دونوں کو نہیں جانتا تھا۔ اُن کے پاس مصر، سوڈان اور عرب کے نقشے تھے۔ کچھ اور کاغذات بھی تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کے حقیقی پہلوؤں پر بڑی طویل بات کی۔ حبیب القدوس نے نہ صرف دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ انہیں ایسے مشورے دیئے جو اُن کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کو چند اور لوگوں کے نام بتائے جو مصر کی فوج اور انتظامیہ میں تھے اور درپردہ سلطان ایوبی کے خلاف زمین ہموار کر رہے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے یہ بھی بتایا کہ مصر کی سرحد پر مصری فوج کے جو دستے ہیں انہیں غلط احکام دے کر سرحدی دفاع میں اتنا شگاف پیدا کر لیا جائے گا جس سے سوڈان کی فوج کے کچھ دستے اندر آکر بغاوت میں جان ڈال سکیں گے۔

"بغاوت کامیاب ہونے کی صورت میں مصر کا امیر کون ہوگا؟" — حبیب القدوس نے پوچھا۔

"چونکہ تنظیم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سالار اعلیٰ آپ ہوں گے اس لیے سب نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ امیر آپ ہی ہوں گے" — مصری نے کہا — "صلاح الدین ایوبی یقیناً حملہ کرے گا اور جنگ طول پکڑ سکتی ہے اس لیے آزاد

مصر کا پہلا امیر سالار ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جنگی حالات میں کسی غیر عسکری کو امارت کی گدی پر بٹھانا مناسب نہیں ہوگا۔ آپ میں جو خوبیاں ہیں وہ اور کسی سالار میں نہیں۔"

حبیب القدوس کا سینہ اور زیادہ پھیل گیا اور اس کی گردن تن گئی۔

"امید ہے آپ کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا کہ ضرورت پڑنے پر ہم نے صلیبیوں سے بھی مدد لینے کا انتظام کر لیا ہے" — سوڈانی نے کہا۔

"انہیں معاوضہ کس شکل میں دیا جائے گا؟" — حبیب القدوس نے پوچھا۔

"ان کے لیے یہی معاوضہ کافی ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے اور مصر کو آزاد کرائیں گے" — مصری نے کہا — "انہیں مصر نہیں چاہیئے۔ وہ فلسطین کو ایوبی سے بچانے کی فکر میں ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس فوج سے جو مصر میں موجود ہے، محروم ہو جائے گا اور اُسے یہاں سے جو رسد اور دیگر جنگی امداد ملتی ہے وہ بند ہو جائے گی اور اگر اس نے مصر پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ جو مصری سپاہی ہیں وہ اپنے مصری بھائیوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔"

حبیب القدوس نے انہیں نہایت اچھی ترکیبیں بتائیں اور یقین دلایا کہ اس کے ماتحت پانچ ہزار نفری کے جو دستے ہیں وہ اس کے اشارے پر بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ ان دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے کیا کیا طریقے اور ذریعے اختیار کیے جائیں۔

"صورت ایک ہی بہتر ہے کہ میں واپس چلا جاؤں" — حبیب القدوس نے کہا — "مگر مجھے واپس نہیں جانا چاہیئے کیونکہ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ میں کہاں رہا۔ مجھے اپنی بیوی نے بتایا ہے کہ علی بن سفیان اور رفیاث بلبیس یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے دشمن کے پاس چلا گیا ہوں۔ اس شک کی بنا پر وہ مجھے حراست میں لے لیں گے پھر یہ کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ میں نے دراصل یہ غلطی کی ہے کہ بیوی کو یہاں بلا لیا ہے۔ اُسے اگر واپس بھیجا تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں ہوگا۔ مجھے یہیں رہنا چاہیئے۔ ذرا مجھے سوچنے دیں کہ میں اپنے کون کون سے کمانڈر سے آپ کا رابطہ کراؤں۔"

اب حبیب القدوس کی وفاداری پر کوئی شک نہ رہا۔

☆

"حلب کا محاصرہ کھیل نہیں ہوگا" — سلطان صلاح الدین ایوبی فرات کے کنارے خیمے میں بیٹھا اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا — "تم سب کو یاد ہوگا کہ ہم نے پہلے بھی ایک بار اس شہر کو محاصرے میں لیا تھا لیکن حلب والے ایسی بے جگری سے لڑے تھے کہ ہمیں محاصرہ اٹھانا پڑا تھا۔ یہ حلب والوں کی بہادری تھی جس نے ہمیں آنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ حالات نہیں ہیں، پھر بھی ہمیں ہر خطرے کی پیش بندی کر لینی چاہیئے۔ یہاں سے فوج میں جو بھرتی لی گئی ہے، اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ مصر سے کمک منگوانی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے میں نائب سالار حبیب القدوس کے دستوں کو بلا لوں" — یہ کہہ کر سلطان ایوبی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے دبی دبی سی آواز میں کہا — "میں جان نہیں سکتا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ دے گیا ہے..... وہ آخر کہاں گیا؟..... میں جب مصر سے روانہ ہونے لگا

تھا تو اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ مصر کا غم دل سے نکال دیں، صلیبیوں یا سوڈانیوں نے آپ کی غیر حاضری میں مصر پر حملہ کیا تو مصر میرے تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار اُن کے حملے کو پسپا کر دیں گے اور اگر کسی نے مصر کے اندر سر اٹھایا تو اس کا سر اُس کے دھڑ کے ساتھ نہیں رہے گا.... ہم اللہ کے سپاہی ہیں لیکن وہ اللہ کا شیر ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے اس کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے دشمن نے اسے غائب کر دیا ہے"۔ ایک سالار نے کہا۔

"اس کا آدھی فوج پر بڑا گہرا اثر ہے۔ اس لحاظ وہ اپنی ذات میں ایک طاقت ہے۔ دشمن نے ہمیں اس طاقت سے محروم کیا ہے۔"

"اگر وہ نہ ملا تو اُس کے دستوں کو یہاں بلا لوں گا"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن اتنی جلدی نہیں بلاؤں گا۔ مصر کا دفاع زیادہ ضروری ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ مصر کو باہر سے اتنا خطرہ نہیں جتنا اندر سے ہے۔ ایمان فروش ہمارے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فلسطین کو ہم سے بہت دُور کر دیا ہے۔"

اور اس وقت قاہرہ سے دُور پہاڑیوں میں گھرے ہوئے ایک ڈراؤنے کھنڈر میں سلطان ایوبی کا قابلِ اعتماد اور بڑا ہی قابل نائب سالار مصر میں بغاوت کا اہتمام کر چکا تھا۔ کھنڈر میں اس رات جشن منایا جا رہا تھا۔ اگر باہر کے لوگ اس رات کھنڈر میں آتے تو ڈر کر بھاگ جاتے۔ وہ اِن چند ایک انسانوں اور اتنی حسین لڑکیوں کو جنات یا بدروحیں سمجھتے۔ صحیح معنوں میں جنگل بنا ہوا تھا۔ آٹھ دس آدمی تھے۔ ان میں سے حبیب القدوس صرف اس صلیبی کو جو پہلے دن سے اس کے ساتھ تھا، مصری اور سوڈانی کو جن کے ساتھ اس نے بغاوت کے منصوبے کو آخری شکل دی تھی، جانتا تھا۔ دو سردل کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ یہ سب اسی کھنڈر میں حبیب القدوس کے آنے سے پہلے موجود تھے لیکن پہاڑیوں کے اندر اور اوپر چھپ چھپ کر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ وہ انہی کا ایک ساتھی تھا جسے حبیب القدوس نے فرار کی کوشش میں قتل کر دیا تھا۔ اب پہرے کی ضرورت نہیں تھی۔ حبیب القدوس اُن کا قابلِ اعتماد دوست بن چکا تھا۔ اسے انہوں نے خفیہ طریقوں سے آزما بھی لیا تھا۔

آج رات یہ پورا گروہ جشن میں شامل تھا۔ ضیافت کا ویسا ہی انتظام تھا جیسا کسی محل میں ہوتا ہے۔ شراب کی مراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ ان کی دونوں لڑکیوں نے رقص بھی کیا تھا۔ حبیب القدوس جشن میں شریک تھا لیکن اس نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُسے مجبور نہ کیا گیا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح شراب پیش کی لیکن خود نہ پی۔ صلیبی نے مصری اور سوڈانی سے کہہ دیا تھا کہ زہرہ کے متعلق محتاط رہیں ورنہ حبیب القدوس بگڑ جائے گا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح بے حیائی کا مظاہرہ نہ کیا لیکن جشن میں دلچسپی اور جوش و خروش سے حصہ لے رہی تھی۔

آدھی رات تک سب شراب میں مدہوش ہو چکے تھے۔ مصری اور صلیبی دونوں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بعض تو بے ہوش ہو گئے تھے۔ زہرہ نے حبیب القدوس کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ زہرہ نے اس کمرے میں جا کر جھانکا جہاں مصری اور سوڈانی لڑکیوں کو لے گئے تھے۔ وہ دونوں آدمی اور لڑکیاں برہنہ حالت میں پڑی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی ہوش میں نہیں تھا۔ زہرہ کو معلوم تھا کہ ہتھیار کہاں رکھے ہیں۔ وہ ایک برچھی، ایک تلوار، دو کمانیں اور تیروں سے بھرے دو ترکش اٹھا لائی۔ حبیب القدوس اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اس نے زہرہ کے ہاتھ

سے تلوار لے لی۔ ایک کمان اور ترکش اپنے کندھوں سے لٹکایا اور دوسری زہرہ کے کندھوں سے لٹکا دی اور برچھی اسی کے پاس رہنے دی۔

"ان سب کو قتل نہ کر دیا جائے؟"۔ زہرہ نے حبیب القدوس سے پوچھا۔

"یہاں سے فوراً نکلنا زیادہ ضروری ہے"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "مجھے دریا تک لے چلو۔"

زہرہ نے دریا تک راستہ دیکھ رکھا تھا۔ اگر پہلے یہ راستہ نہ دیکھا ہوتا تو وہ دونوں وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے۔ زہرہ آگے آگے چل پڑی۔ وہ دبے پاؤں جا رہے تھے اور ان کے کان اِدھر اُدھر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ حبیب القدوس نے تلوار اور زہرہ نے برچھی تان رکھی تھی۔ زہرہ حبیب القدوس کو کشتی تک لے گئی جو چھپا کر رکھی گئی تھی۔ دونوں نے کشتی کھولی۔ اس میں بیٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چپو مارنے لگے تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ ہر لمحہ ڈر تھا کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی آدمی نکل آئے گا یا کہیں سے تیر آئے گا.... کچھ بھی نہ ہوا۔ کشتی پہاڑیوں کے تنگ راستے سے نکل گئی اور دریا کا شور شروع ہو گیا۔

"اللہ کا نام لو اور ایک چپو تم سنبھال لو"۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا۔ "تم جہاد میں حصہ لینے کی خواہش مند رہتی تھی۔ اللہ نے تمہیں موقعہ دے دیا ہے۔ ہم ابھی خطرے سے نکلے نہیں۔ کشتی کو دریا کے درمیان لے چلتے ہیں۔"

ایک چپو زہرہ نے اور دوسرا حبیب القدوس نے لے لیا اور دونوں کشتی کھینے لگے۔ پہاڑیوں کے سیاہ بھوت پیچھے ہٹنے اور چھوٹے ہونے لگے۔

☆

اُن دنوں دریائے نیل کنارے سے کنارے تک بھرا ہُوا اور پورے جوبن پر تھا۔ کناروں کے ساتھ ساتھ بہاؤ پُرسکون تھا، درمیان میں بہت تیز اور سرکش لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ حبیب القدوس کو وہاں تک نہیں جانا چاہیے تھا لیکن کنارے کے ساتھ ساتھ جانا بھی پُرخطر تھا۔ جونہی کشتی تیز بہاؤ میں پہنچی، یوں لگا جیسے کسی قوت نے اُسے اپنی طرف گھسیٹ لیا ہو۔ کشتی تیزی سے بہنے، اوپر اٹھنے اور گرنے لگی۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا۔ "گھبرانا نہیں۔ ہم ڈوبیں گے نہیں۔ میں ذرا سمت دیکھ لوں۔"

"آپ میری فکر نہ کریں"۔ زہرہ نے کہا۔ "ڈوب گئے تو کیا ہو جائے گا۔ ان کافروں کی قید سے تو نکل آئے ہیں۔"

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑیوں کی طرف دیکھا جو اب زمین کے اُبھار کی طرح نظر آ رہے تھے، پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں۔ اس پہاڑی خطے کی صحرا والی طرف اپنے دستوں کو پہاڑی جنگ کی مشق کرا چکا ہوں۔ اِدھر دریا والی طرف سے میں واقف نہیں تھا۔ ہم سیدھے قاہرہ جا رہے ہیں۔ نیل ہمیں بڑی تیزی سے قاہرہ لے جا رہا ہے.... اللہ کا شکر ادا کرو زہرہ! یہ خدائی مدد ہے۔ اللہ نیتوں کو پہچانتا ہے.... لیکن ہمیں قاہرہ سے پہلے ایک اور جگہ رکنا ہے۔ کچھ دور آگے دریا کا موڑ ہے۔ اس کے قریب ہماری فوج کی ایک چوکی ہے۔ دریائی گشت کے لیے اُن کے پاس کشتیاں ہیں۔ اس چوکی کی نفری سے میں ان سب

آدمیوں کو پکڑ سکوں گا، مگر وہ بیدار ہو جائیں گے۔"

"مجھے اُمید ہے کہ کل دوپہر تک ان میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہو سکے گا۔" زہرہ نے کہا۔ "میرے ہاتھ سے انہوں نے شراب خامی زیادہ پی لی تھی اور میں نے آخری بھری ہوئی صراحی سے انہیں جو ایک ایک پیالہ پلایا تھا، اس میں خاکی سے رنگ کا تھوڑا سا سفوف ملا دیا تھا۔"

"وہ کیا تھا؟"

"ان لڑکیوں پر میں نے جس طرح اعتماد پیدا کر لیا تھا، وہ تو آپ کو ہر رات تنہائی میں بتاتی رہی ہوں۔" زہرہ نے کہا۔ "کل کی بات ہے کہ انہوں نے حشیش دکھائی اور اس کا استعمال سمجھایا، پھر انہوں نے مجھے ایک ڈبیہ کھول کر یہ سفوف دکھایا اور کہا کہ بعض آدمیوں کو بیہوش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ چٹکی بھر سفوف شربت یا پانی یا کھانے میں ملا دو تو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اُسے جہاں جی چاہے اٹھا لے جاؤ.... آج رات جب میں شراب کے مٹکے سے آخری صراحی بھرنے گئی تو اس ڈبیہ میں سے آدھا سفوف اس میں ملا دیا۔ اگر اس کا اثر ویسا ہی ہے جیسا لڑکیوں نے بتایا ہے تو انہیں کل شام تک ہوش میں نہیں آنا چاہیے۔"

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں۔" اُس کے آنسو چھوٹ آئے۔ یہ جذبات کی شدت اور خراجِ تحسین کے آنسو تھے۔ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے تمہیں بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا زہرہ! میں نے تمہیں جس دنیا کا بھید لینے کو کہا تھا وہ گناہوں کی غلیظ مگر بڑی حسین دنیا ہے۔ تم نے میرے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔"

"آپ کے لیے نہیں اسلام کی عظمت کے لیے۔" زہرہ نے کہا۔ "میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ مقدس فرض ادا کرنے کا موقعہ دیا۔ آپ شاید مجھ پر اعتبار نہ کریں۔ گناہوں کی پُرکشش دنیا میں جا کر بھی اپنا دامن گناہ سے پاک رکھا ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ مجھے یہاں لایا گیا تو انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ تنہا رہنے دیا ورنہ آپ مجھے بتا نہ سکتے کہ یہ لوگ آپ کو بغاوت کرانے کے لیے اغوا کر کے لائے ہیں اور مجھے ان لڑکیوں میں بے حیا اور شوخ لڑکی بن کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے آپ سے نفرت ہے اور میں اس سے بھاگنا چاہتی ہوں۔ آپ نے جب مجھے ان لڑکیوں کی خصلتیں اور ان کے کمالات بتائے اور کہا کہ میں بھی ایسی ہی بن جاؤں تو میں گھبرا گئی تھی کیونکہ میں تو تصور میں بھی ایسا نہیں کر سکتی لیکن یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ یہ حرکتیں اور یہ سب باتیں مجھ سے بغیر کوشش کے ہو گئیں اور خدا نے مجھے کامیابی عطا فرمائی۔ اگر یہ لڑکیاں مجھے دریا تک کا راستہ نہ دکھاتیں تو ہم وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے.... کیا آپ نے مجھے اسی کام کے لیے یہاں بلایا تھا؟"

"نہیں!" حبیب القدوس نے کہا۔ "یہ صورت تمہارے آنے سے از خود پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے کچھ اور سوچا تھا۔ تمہیں استعمال اپنی رہائی کے لیے ہی کرنا تھا۔ تمہیں فرضی پیغام رساں بنانا تھا لیکن ان لڑکیوں نے تم میں کسی خاص دلچسپی کا اظہار کیا تو میرے دماغ میں یہ ترکیب آ گئی جس پر تم نے نہایت خوبی سے عمل کیا اور اب ہم آزاد ہیں.... میں نے ان لوگوں پر اعتماد کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ غیر معمولی طور پر چالاک ہوتے ہیں لیکن ہم لوگ اپنے

ہوش اور ایمان قائم رکھیں تو یہ لوگ احمق ہیں۔ میرے ساتھ جس آدمی کو تم نے دیکھا تھا یہ اپنے آپ کو معمری مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ میں پہلے روز ہی جان گیا تھا کہ یہ صلیبی ہے اور میں صلیبیوں کے جال میں آ گیا ہوں۔"

☆

وہ پہاڑی خطہ بہت دُور رہ گیا تھا۔ نیل کے درمیان کی رو بہت ہی تیز ہو گئی اور زیادہ جوش میں آ گئی تھی۔ کشتی اس کے رحم و کرم پر اوپر اٹھتی، گرتی اور اٹھتی جا رہی تھی۔ چپو بیکار تھے۔ دریا کے جوش اور قہر میں جو اضافہ ہو گیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دریا تنگ ہو گیا ہے اور آگے موڑ ہے۔ یہ وہی موڑ تھا جس سے کچھ آگے فوج کی چوکی تھی.... اچانک کشتی رُکی اور گھوم گئی۔ حبیب القدوس نے چپو تھام لیے۔ دریا کا شور بہت بڑھ گیا تھا۔ کشتی ایک چکر میں گھومنے لگی۔ کشتی بھنور میں آ گئی تھی۔ حبیب القدوس نے پوری طاقت سے چپو مارے مگر بھنور کے چکر کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ کشتی قابو میں نہیں رہی تھی۔ اُسے اپنے دونوں مسافروں سمیت دریا کی تہہ میں جانا تھا۔

"زہرہ!" حبیب القدوس نے چلا کر کہا۔ "میری پیٹھ پر آ جاؤ۔"

زہرہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی اور بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیے۔ حبیب القدوس نے اُسے کہا۔ "مجھے اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو اور مجھ سے الگ نہ ہونا۔" یہ کہہ کر اس نے چکر میں بھنور کے زد پر تیرتی کشتی سے دریا میں اس طرح چھلانگ لگائی کہ بھنور سے باہر پہنچ جائے۔

وہ زہرہ کے ساتھ پانی کے اندر چلا گیا اور جسم کی تمام تر قوتیں مرکوز کر کے اُبھر آیا۔ وہ بھنور کی زد سے نکل گیا لیکن یہ موڑ تھا اور دونوں طرف چٹانیں تھیں۔ پانی سکڑ گیا تھا اور موجیں زیادہ اونچی اور غضبناک ہو گئی تھیں۔ زہرہ تیرنا نہیں جانتی تھی۔ اس نے خدا سے مدد مانگنی شروع کر دی۔ حبیب القدوس اس کے بوجھ تلے سیلابی موجوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ اُسے چٹان کے ساتھ پٹختی تھیں اور وہ چٹان سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اپنا اور زہرہ کا منہ پانی سے باہر رکھے لیکن موجیں اُسے بار بار ڈبو کر اوپر سے گزر جاتی تھیں۔

پھر موجیں اُسے موڑ سے نکال لے گئیں اور دریا چوڑا ہو گیا۔ حبیب القدوس کے بازو اور ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ اس نے طاقت کے آخری ذرّے یکجا کیے اور اس تند رَو سے نکلنے کو زور لگایا۔ اس نے محسوس کیا کہ زہرہ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی ہے۔ اس نے زہرہ کو پکارا مگر وہ نہ بولی۔ اس کے بازو بالکل ڈھیلے ہو گئے.... حبیب القدوس سمجھ گیا کہ زہرہ کے منہ اور ناک کے راستے پانی اندر چلا گیا ہے۔ اُسے سنبھالنا اور تیرنا بہت مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا اور زور لگایا تو تند رَو سے نکل گیا۔ کنارا ابھی دُور تھا۔ اب تیرنا آسان تھا۔ اس نے مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔

اُس کا جسم اکڑ چکا تھا اور زہرہ گری جا رہی تھی کہ ایک کشتی اُس کے قریب آئی۔ اُسے آواز سنائی دی۔ "کون ہو؟" اُس نے آخری بار بازو مارے اور لپک کر کشتی کا کنارا پکڑ لیا۔ اُس نے کہا۔ "اسے میرے اُوپر

اٹھالو۔" زہرہ کو کشتی والوں نے اوپر گھسیٹ لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ کشتی میں اُس کی فوج کے سپاہی تھے۔ اُن کی چوکی یہیں تھی۔ وہ حبیب القدوس کی پکار پر اِدھر آئے تھے۔

چوکی میں جاکر اس نے بتایا کہ وہ نائب سالار حبیب القدوس ہے۔ چوکی کے کمانڈر نے اُسے پہچان لیا اور اور بہت حیران ہُوا۔ زہرہ بے ہوش پڑی تھی۔ حبیب القدوس نے اُسے پیٹ کے بل لٹا کر بیٹھے اور پہلوؤں پر اپنا وزن ڈالا تو اس کے منہ اور ناک سے بہت پانی نکلا۔ وہ ابھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔ حبیب القدوس نے کمانڈر سے کہا کہ دو بڑی کشتیوں میں دس دس سپاہی سوار کرو اور پہاڑی خطّے تک چلو۔ اس نے بتایا کہ پہاڑیوں کے اندر جو کھنڈر ہے اس میں دس بارہ صلیبی تخریب کار بے ہوش پڑے ہیں انہیں لانا ہے اور وہ سکتا ہے وہاں کچھ اور آدمی پہنچ چکے ہوں۔ مجھے خشکی کی طرف سے اندر جانے کے راستے کا علم نہیں۔

"میں ایک راستہ جانتا ہوں۔" کمانڈر نے کہا۔ "خشکی سے آسان رہے گا۔"

☆

بیس گھوڑ سواروں کے آگے حبیب القدوس اور چوکی کا کمانڈر تھا۔ صبح کی روشنی ابھی دُھندلی تھی جب وہ پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ خاموشی کی خاطر انہوں نے گھوڑے باہر ہی رہنے دیئے اور پیدل آگے گئے۔ حبیب القدوس کی جسمانی حالت کو دریا نے چوس لیا تھا۔ پھر بھی چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چوکی میں چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے لیے زیادہ ضروری تخریب کاروں کی گرفتاری تھی۔ وہ پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان بُھول بھلیوں جیسے راستوں سے گزرتے گئے۔ کچھ دیر بعد انہیں کھنڈر نظر آنے لگا۔

سب سے پہلے حبیب القدوس کو صلیبی نظر آیا۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سر ڈول رہا تھا۔ اُسے پکڑا گیا تو وہ کچھ بڑبڑایا۔ سات آٹھ آدمی وہیں بے ہوش پڑے تھے جہاں رات کو گرے تھے۔ کمرے میں مصری اور سوڈانی اور دونوں لڑکیاں برہنہ اور بے ہوش پڑی تھیں۔ ان سب کو سپاہیوں نے اٹھا لیا۔ اُن کا سامان بھی اٹھا لیا گیا اور ان سب کو گھوڑوں پر ڈال کر چوکی میں لے گئے۔ اُس وقت تک زہرہ ہوش میں آ چکی تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا جب یہ تخریب کار ہوش میں آنے لگے۔ اس وقت قاہرہ کے راستے میں تھے۔ وہ گھوڑوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بیس سپاہیوں کی حراست میں تھے۔ حبیب القدوس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ قافلہ چلتا رہا۔

آدھی رات کے بعد علی بن سفیان کے ملازم نے اُسے جگایا اور کہا کہ امیر بلاتے ہیں۔ وہ فوراً پہنچا۔ وہاں غیاث بلبیس بھی موجود تھا۔ علی بن سفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حبیب القدوس بھی بیٹھا تھا۔ اُس نے اُن تمام فوجی اور غیر فوجی حاکموں کے نام بتائے جو اُسے کھنڈر سے معلوم ہوئے تھے۔ یہ غدار تھے۔ انہیں بغاوت میں شامل ہونا اور کامیاب کرانا تھا۔ قائمقام امیر کے حکم سے اسی وقت اُن سب کے گھروں پر چھاپے مارے گئے اور سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُن کے گھروں سے جو زر و جواہرات برآمد ہوئے وہ اُن کے جرم کو ثابت کر رہے تھے۔

☆

اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی حلب کو محاصرے میں لینے کے لیے اس شہر کے قریب ایک مقام میدان الاخدر پر خیمہ زن تھا۔ اُس نے شام اور دوسرے مقامات سے اپنی فوج کے تھوڑے تھوڑے دستے بلا لیے تھے۔ حلب کے متعلق وہ اپنے سالاروں سے کہہ چکا تھا کہ اس شہر کے لوگ اسی طرح بے جگری سے لڑیں گے جس طرح وہ پہلے محاصرے میں لڑے تھے۔ گو اُس کے جاسوسوں نے جو حلب کے اندر تھے اُسے یہ اطلاع دی تھی کہ اب اتنے برسوں کی خانہ جنگی سے حلب کے لوگوں کے خیالات بدل گئے ہیں۔ خیالات بدلنے کے سلطان ایوبی نے بھی زمین و زر اہتمام کیا تھا۔ اب وہاں کا حکمران سلطان عماد الدین تھا جسے لوگ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی سلطان ایوبی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہُوا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے دستے میدان الاخدر جمع کر لیے۔

وہ اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دے رہا تھا کہ قاہرہ کا قاصد پہنچا۔ اُس نے جو پیغام دیا اُسے پڑھ کر اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "میرا دل کہہ رہا تھا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔ اللہ اسلام کی ہر بیٹی کو زہرہ کا جذبہ اور ایمان دے۔" علی بن سفیان نے اسے نائب سالار حبیب القدوس کی واپسی کی ساری روئیداد لکھی تھی جس میں اس کی بیوی زہرہ کا تفصیل ذکر تھا۔ اُس نے اسی وقت پیغام کا جواب لکھوایا جس میں ان غداروں کے لیے جو پکڑے گئے تھے یہ سزا لکھی کہ انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر گھوڑے شہر میں دوڑائے جائیں اور گھوڑے اس وقت روکے جائیں جب ان غداروں کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہو جائے۔

دو روز بعد سلطان ایوبی نے حلب پر چڑھائی کر دی جو محاصرہ نہیں بلکہ تھی۔ بڑی منجنیقوں سے شہر کے دروازوں پر پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں ماری گئیں۔ شہر کی دیواروں پر اور اندر بھی ہانڈیاں پھینک کر آتشیں تیروں کا مینہ برسا دیا گیا۔ دیواریں توڑنے والے جیش دیواریں توڑنے لگے لیکن شہر والوں اور فوج کی طرف سے مزاحمت میں اتنی شدت نہیں تھی۔ قاضی بہاؤ الدین شدّاد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ حلب کے حکمران عماد الدین کے امراء و وزراء اُس کی خامیوں سے آگاہ تھے۔ اس نے صلیبیوں سے جنگی امداد کے علاوہ سونے کی صورت میں رشوت بہت لی تھی۔ اس کے امراء و وزراء کی نظر اس پر تھی۔ انہوں نے ایسے مطالبات پیش کیے کہ عماد الدین جو پہلے ہی سلطان ایوبی کی طوفانی یلغار سے خوفزدہ تھا، ان مطالبات سے گھبرا گیا۔

اس نے حلب کے قلعہ دار (گورنر) حسام الدین کو سلطان ایوبی کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اسے موصل کا تھوڑا سا علاقہ دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اس کی یہ شرط مان لی۔ یہ خبر جب شہر کے لوگوں نے سنی تو وہ عماد الدین کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ عماد الدین نے اعلان کیا کہ یہ خبر صحیح ہے کہ وہ حلب سے دستبردار ہو کر جا رہا ہے اور لوگ اپنا کوئی نمائندہ سلطان ایوبی کے پاس بھیج کر اس کے ساتھ صلح کر لیں یا جو کارروائی وہ کرنا چاہتے ہیں کریں۔

شہر کے معززین نے عزالدین جردوک النوری اور زین الدین کو اپنی نمائندگی کے لیے سلطان ایوبی کے پاس بھیجا۔ جردوک النوری مملوک تھا۔ وہ ۱۱ جون ۱۱۸۲ء (۱۷ صفر ۵۷۹ ہجری) کے روز سلطان ایوبی کے پاس گئے اور اپنی تمام فوج کو شہر کے باہر بلا کر سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ فوج کے ساتھ حلب کے معززین اور امراء و وزراء

بھی آئے تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو بیش قیمت لباس پیش کیے۔

چھٹے روز جب سلطان ایوبی اس فتح سے مسرور تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ اس کا بھائی تاج الملوک جو اسی جنگ میں زخمی ہوگیا تھا چل بسا ہے۔ سلطان ایوبی کی مسرت گہرے غم میں بدل گئی۔ تاج الملوک کے جنازے میں عماد الدین بھی شامل ہُوا۔ اس کے بعد عماد الدین حلب سے نکل گیا۔ سلطان ایوبی نے حلب کی حکومت سنبھال لی۔ بہاؤالدین شدّاد کے بیان کے مطابق، اُس نے اپنی تمام فوج کو جو لمبے عرصے سے مسلسل لڑ رہی تھی، رخصت پر گھروں کو بھیج دیا اور خود حلب کے انتظامی امور میں مصروف ہوگیا۔ اُس کی منزل بیت المقدس تھی۔

☆

ایوبی نے قسم کھائی تھی

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر اس روز رونق تھی اور آنکھوں میں وہ چمک جسے اُس کی ہائی کمانڈ کے سالار اور اس کے قریب رہنے والے سول حکام بڑی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسی رونق اور آنکھوں میں ایسی چمک اُس وقت آیا کرتی تھی جب وہ کوئی تاریخی فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ محرم ۵۸۲ ہجری (مارچ ۱۱۸۶ء) کا مہینہ تھا۔ سلطان ایوبی دمشق میں تھا۔ وہ اُن تمام مسلمان اُمراء حکمرانوں اور قلعے داروں کو اپنا مطیع اور اتحادی بنا چکا تھا جو صلیبیوں کے دوست بن کر اس کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم حلب اور موصل کے والی عزالدین اور عمادالدین تھے۔ اُنہوں نے برسوں پر پھیلی ہوئی خانہ جنگی کے بعد سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ان کی فوجیں سلطان ایوبی کی مشترکہ کمان کے تحت آگئی تھیں۔

وہ دمشق اُس وقت گیا تھا جب اس نے یہ عہد پورا کر لیا تھا کہ فلسطین کی طرف پیش قدمی سے پہلے ایمان فروشوں کو گھٹنوں بٹھاؤں گا تاکہ ان میں سے کوئی بھی اس کے اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔ ان غداروں کو بزورِ شمشیر راہِ راست پر لا کر سلطان ایوبی نے اپنی زبان سے یہ نہیں کہا تھا کہ فاتح ہوں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسلام کی تاریخ کا یہ باب بڑا ہی شرمناک ہوگا جس میں یہ واقعات بیان کئے جائیں گے کہ صلاح الدین کا دور سیاہ دور تھا جب صلیبی بیت المقدس پر قابض تھے اور مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے۔ البتہ وہ یہ ضرور کہا کرتا تھا کہ غداروں کو اپنا اتحادی بنا کر ہم نے صلیبیوں کے عزائم تباہ کر دیئے ہیں۔

اُس روز دمشق میں اس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں، مشیروں اور فوج سے تعلق رکھنے والے غیر فوجی حکام کو کانفرنس کے لیے بلایا تو سب نے سلطان کے چہرے پر مخصوص رونق اور آنکھوں میں وہ چمک دیکھی جو کبھی کبھی دیکھنے میں آیا کرتی تھی۔ سب سمجھ گئے کہ ان کے سلطان نے اپنی منزل کو روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس میں کسی کو شک نہ تھا کہ اُس کی منزل بیت المقدس ہے۔ اب انہیں اس کی زبان سے یہ سننا تھا کہ کس روز اور کس وقت کُوچ ہوگا اور کُوچ کس ترتیب سے ہوگا اور راستہ کون سا ہوگا۔

"میرے دوستو! میرے رفیقو!"۔۔۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ہوئی آواز میں اُن سے مخاطب ہُوا۔۔۔ "آپ سب یقیناً میری تائید کریں گے کہ ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے لیے تیار ہیں۔ آج میں آپ سے جو باتیں کروں گا اور آپ اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے مجھ سے جو سوال پوچھیں گے اور جو اعتراض کریں گے وہ ہماری تاریخ ہوگی۔ ہمارے الفاظ اور ہمارے عہد تاریخ کی تحریر بنیں گے اور یہ تحریر ہماری آخری نسل تک جائے گی۔ یہ بھی نہ بھولنا کہ ہم اس دنیا میں یہ تحریر چھوڑ کر جائیں گے اور خدا کے حضور اپنے اعمال لے کر جائیں گے۔ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کے آگے اور خدائے ذوالجلال کے آگے شرمسار ہونا ہے یا سرخرو۔ فتح کی ضمانت ہم میں سے کوئی بھی نہیں

دے سکتا مگر ہم سب یہ عہد کر سکتے ہیں کہ ہم لڑیں گے، مریں گے، واپس نہیں آئیں گے۔"

سلطان ایوبی نے سب کو دیکھا۔ اس کی نگاہیں سب پر گھومیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے کہا

"میں تمہیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کروں گا لیکن آپ میں سے کسی کے دل میں یہ ڈر ہو کہ صلیبیوں کے پاس جتنی فوج ہے ہم اس سے آدھی فوج تیار کر سکے ہیں اور ہم اتنی دُور لڑنے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ تھوڑی سی کم نہیں بلکہ بہت کم تعداد سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فتح پائی ہے۔ جنگ تعداد سے نہیں جذبے اور عقل سے لڑی جاتی ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو بازو، تلواریں اور دل بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاس ایمان کی کمی نہیں، عقل کی بھی کمی نہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط رکھیں اور عقل کو استعمال کریں۔"

"ہم میں کوئی ایک بھی نہیں جو اپنی اور دشمن کی فوجی طاقت کا موازنہ کر رہا ہو"۔۔۔ چنانچہ لشکروں کے سالار صلاح مصری نے اٹھ کر کہا اور اپنے ساتھیوں پر نظریں دوڑائیں۔ ہر ایک نے اس کی تائید کی۔ صلاح مصری نے کہا۔

"البتہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم بیت المقدس تک کس طرف سے اور کس انداز سے پہنچیں گے۔ احتیاط لازمی ہے۔ ہم تکبر سے گریز اور حقیقت کو تسلیم کریں گے۔"

"میں نے آپ کو یہی بتلانے کے لیے بلایا ہے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "میں نے پیش قدمی اور جنگ کا منصوبہ آپ کے مشوروں سے تیار کیا ہے اور میں نے کئی راتوں کی سوچ کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ ہماری پہلی منزل حطین ہوگی۔ آپ سب حطین کی جنگی اہمیت سے آگاہ ہیں۔ وہاں مجھے وہ زمین مل جائے گی جہاں میں صلیبیوں کو لڑانا چاہتا ہوں۔ جنگ کا یہ اصول جو میں آپ کو پہلے بھی کئی بار بتا چکا ہوں اپنے ذہن پر نقش کر لو کہ جنگ میں آپ کی بہترین دوست وہ زمین ہے جس پر آپ دشمن کو لا کر لڑاتے ہیں۔ زمین ایسی منتخب کرو جو آپ کو فائدے اور دشمن کو نقصان دے۔ یہ زمین ہمیں حطین کے علاقے میں میسر آئے گی، بشرطیکہ آپ برق رفتاری، رازداری اور پھرتی کاری سے اس زمین تک پہنچ جائیں اور دشمن کو تمام فائدوں سے محروم کر دیں۔۔۔۔

"حطین کے علاقے میں بلندیاں بھی ہیں اور پانی بھی۔ آپ بلندیوں اور پانیوں پر قبضہ کر لیں تو سمجھ لیں کہ آپ آدھی جنگ جیت گئے لیکن دشمن کو ایسی زمین پر لانا آسان کام نہیں۔ اگر ہمارے منصوبے کی ایک بھی کڑی پر عمل نہ ہو سکا تو سارا منصوبہ تباہ ہو جائے گا اور تباہی ہمیں وہاں تک لے جائے گی جہاں سے واپسی ناممکن ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس ماہ کے وسط تک دمشق سے کوچ کر سکیں گے۔ میں نے حلب اور مصر قاصد بھیج دیئے ہیں۔ انہیں تیز رفتاری سے، کم سے کم پڑاؤ کر کے، فوجیں بھیجنی ہیں جو ہمیں راستے میں ملیں گی۔ ہمیں اپنی تمام فوجوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ باہر سے آنے والی فوج اور یہاں کی فوج کو ملا کر اور اُن کے سالاروں کو مکمل منصوبہ بتا کر فوجوں کی تقسیم کرنی ہے۔ ہماری پیش قدمی فوج کے مختلف حصوں کی پیش قدمی ہوگی۔ ہر حصے کا راستہ الگ ہوگا۔۔۔۔

"میں نے رازداری برقرار رکھنے کا انتظام حسب معمول کر دیا ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کو، کسی کمانڈر اور کسی سپاہی کو معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ ہمارے جاسوس دشمن کے علاقے میں موجود ہیں۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاعیں باقاعدگی سے بھیج رہے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ دشمن کے ان جاسوسوں کو اندھا، بہرہ اور

گونگا کر دیا جائے جو ہمارے علاقے میں موجود ہیں۔ حسن بن عبداللہ نے اس کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ ایک بات میں آپ کو ابھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ میرے ساتھ ہوگا جسے میں کرک لے جاؤں گا۔"

سلطان ایوبی اچانک خاموش ہو گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر کو جھٹکا دے کر اوپر کیا اور بولا۔

"چار سال گزرے میں نے ایک قسم کھائی تھی۔ مجھے یہ قسم پوری کرنی ہے۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کی یہ قسم ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس نے کانفرنس میں چار سال پہلے کا یہ واقعہ سب کو یاد دلایا۔ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ صلیبی حکمران اخلاق اور کردار سے ایسے عاری تھے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ یہ کام ان کی فوج کیا کرتی تھی۔ جن دنوں حاجیوں کے قافلے حجاز کو جاتے اور واپس آتے تھے ان دنوں صلیبی فوج کے دستے ان قافلوں کو لوٹنے کے لیے راستوں میں گھات لگاتے تھے۔ ایک صلیبی حکمران ارناط جو اُس وقت کرک پر قابض تھا یہ کام اپنے خاص دستوں سے کرایا کرتا تھا۔ اپنے اس جُرم پر وہ ناز بھی کیا کرتا اور حاجیوں کے قافلے کو لوٹ کر فخر سے اس کا ذکر کیا کرتا تھا جیسے اُس نے مسلمانوں پر بہت بڑی فتح حاصل کی ہو۔ اس کی اس رہزنی کا ذکر صرف مسلمان مؤرخوں نے ہی نہیں کیا۔ یورپی مؤرخوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ قافلوں کو لوٹنے کا انتظام کس طرح کیا کرتا تھا۔

۱۱۸۳-۸۴ء میں اُس کے ایک دستے نے حجاز سے مصر کو واپس جانے والے حاجیوں کے ایک قافلے پر حملہ کیا اور لُوٹ لیا تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی بیٹی بھی اس قافلے میں تھی۔ لیکن اور کسی مؤرخ یا اُس وقت کے وقائع نگار نے یہ نہیں لکھا کہ اس قافلے میں سلطان ایوبی کی بیٹی تھی۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی ڈائری مستند دستاویز ہے کیونکہ وہ ان واقعات کا عینی شاہد ہے۔ البتہ ایک اشارہ ایک وقائع نگار کی تحریر سے ملتا ہے جو اس طرح ہے کہ جب سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ ارناط کی فوج نے مصر کے ایک قافلے کو لُوٹ لیا ہے تو سلطان ایوبی کی غضبناک اور گرجدار آواز سنائی دی تھی۔۔۔ "وہ میری بیٹی تھی۔ میں اس کا انتقام لوں گا۔ وہ میری بیٹی تھی۔"

قافلے میں کوئی نوجوان لڑکی تھی جسے صلیبی اُٹھا لے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے اسی وقت قسم کھائی تھی۔۔۔

"ارناط کو میں آج سے اپنا ذاتی دشمن سمجھتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے اپنے ہاتھوں انتقام لوں گا۔"

سب جانتے ہیں کہ اُن کے سلطان نے اس انداز اور اس لب و لہجے میں کبھی بات نہیں کی۔ وہ بھڑک کر بات کرنے اور بڑبڑانے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی ہر بات فیصلہ ہوا کرتی تھی۔ اس نے جب انتقام کی قسم کھائی تو سب سمجھ گئے کہ یہ سلطان کا عزم اور فیصلہ ہے۔ یوں تو ہر صلیبی حکمران اسلام کا دشمن تھا لیکن ارناط اسلام کا اور رسولِ کریمؐ کی توہین کرتا رہتا تھا۔ مسلمان قیدیوں کو سامنے کھڑا کر کے رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دشنام طرازی کرتا اور کہا کرتا۔۔۔ "بلاؤ اپنے رب کعبہ کو تمہاری مدد کرے۔ پڑھو اپنے رسول کا کلمہ کہ تم آزاد ہو جاؤ"۔۔۔ اور وہ قہقہے لگایا کرتا تھا۔ اس کی اس عادت سے سلطان ایوبی بھی واقف تھا، اس لیے وہ ارناط کا جب نام لیتا تو نفرت کا بھرپور

اظہار کیا کرتا تھا۔

آج چار سال بعد سلطان ایوبی جب صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کی ہدایات اپنے سالاروں کو دے رہا تھا تو اس نے یہ سارا واقعہ یاد دلا کر کہا۔ "اس بدبخت کافر (ارناط) سے مجھے اپنے ہاتھوں سے انتقام لینا ہے۔ اللہ مجھے یہ موقعہ اور ہمت عطا فرمائے کہ میں اپنے رسولؐ کی ہتک کا انتقام لے سکوں"۔۔۔ اس نے سالاروں کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ ہم تین ماہ بعد اس موسم میں حطین کے علاقے میں پہنچیں گے جب سورج کے شعلے پانی کے قطروں کو ریت کے ذروں میں بدل دیتے ہیں، اور جب ریت کے یہ جلتے ہوئے ذرے انسانوں کو بھون ڈالتے ہیں اور جب ریگزار میں سراب اور آسمانوں کو اٹھنے والے ریت کے بگولوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں صلیبیوں کو اس وقت لڑاؤں گا جب سورج سر پر ہوگا۔ صلیبی لوہے کے خودوں اور زرہ بکتر میں جل جائیں گے۔ لوہے کا جو لباس وہ تیروں، تلواروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے پہنتے ہیں وہ ہر صلیبی کا اپنا اپنا جہنم بن جائے گا۔"

مؤرخوں اور جنگ کے یورپی ماہرین اور مبصروں نے سلطان ایوبی کے اس اقدام کی تعریف کی ہے کہ اس نے جنگ کے لیے جس موسم کا انتخاب کیا وہ جون جولائی کے دن تھے جب ریگزار بھٹی سے نکالی ہوئی سل کی طرح گرم ہوتا ہے۔ صلیبی فوجی آہنی چادروں کے لباس سے محفوظ ہوتے تھے۔ ان کے نائٹ (سردار) سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس ہوتے تھے۔ تیر اور تلوار کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا مگر سلطان ایوبی نے لوہے کا یہ لباس اُن کی بہت بڑی کمزوری بنا دیا تھا۔ ایک تو وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتا تھا تھوڑی سی نفری سے پہلوؤں پر برق رفتار حملے کرتا اور حملہ آور دستے ضرب لگا کر وہاں رکتے نہیں تھے۔ اس چال سے صلیبی فوج کو پھیلنا پڑتا اور رفتار تیز کرنی پڑتی لیکن زرہ بکتر کا وزن رفتار اتنی نہیں ہونے دیتا تھا جتنی سلطان ایوبی کے دستوں کی ہوتی تھی۔

سلطان ایوبی نے زرہ بکتر کا دوسرا توڑ یہ سوچا کہ وہ اُس وقت جنگ شروع کرتا تھا جب سورج سر پر اور ریگستان شعلہ بنا ہوتا تھا۔ زرہ بکتر تنور کی طرح تپ جاتی تھی۔ پیاس سے جسم خشک ہو جاتا تھا اور پانی پر سلطان ایوبی جنگ سے پہلے قبضہ کر لیتا تھا۔ ریگستان کی جھلسا دینے والی تپش اسلامی فوج کے لیے بھی دشواریاں پیدا کرتی تھی۔ لیکن اس کے لباس ہلکے پھلکے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطان ایوبی کی ٹریننگ بڑی سخت تھی۔ وہ گھوڑوں، اونٹوں اور تمام فوج کو لمبے عرصے کے لیے ریگستان میں رکھتا اور خود بھی ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے فوج کو بھوکا پیاسا رہنے کی ٹریننگ بھی دے رکھی تھی۔ رمضان کے مہینے میں وہ ٹریننگ اور جنگی مشقیں زیادہ کیا کرتا اور کہا کرتا تھا کہ اس مبارک مہینے میں خدائے ذوالجلال اپنے ہاتھوں ہماری تربیت کرتے ہیں۔

جسمانی ٹریننگ کے علاوہ اس نے سپاہیوں کی ذہنی بلکہ روحانی تربیت کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ سپاہیوں کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے سپاہی اور دینِ اسلام کے محافظ ہیں، کسی بادشاہ یا سلطان کی فوج کے ملازم نہیں۔ وہ مالِ غنیمت سپاہیوں میں تقسیم کرتا تھا لیکن انہیں تاثر یہ دیا جاتا تھا کہ جنگ مالِ غنیمت کے لیے نہیں لڑی جاتی اور مالِ غنیمت جہاد کا انعام بھی نہیں۔ انعام اللہ دیتا ہے۔ سب سے بڑی چیز غیرت تھی جو اُس نے ساری فوج

میں پیدا کر رکھی تھی۔ وہ سب سے زیادہ ذکر اُن مسلمان لڑکیوں کا کرتا تھا جنہیں صلیبی اٹھا لے جاتے تھے اور اُن خواتین کا بھی جو صلیبیوں کے مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی تھیں۔

"قوم کے شہیدوں کو اور قوم کی مظلوم بیٹیوں کو بھول جانے والی قوم کی قسمت میں کفار کی غلامی لکھ دی جاتی ہے"۔۔۔ یہ الفاظ سلطان ایوبی کی زبان پر رہتے تھے۔ وہ سپاہیوں میں گھومتا پھرتا رہتا تھا ان کی گپ شپ اور ان کی کھیل کود میں شامل ہو جایا کرتا تھا۔ ان سے وہ کہا کرتا تھا۔ "انتظام فوج لیا کرتی ہے۔ اگر فوج نے فرض ادا نہ کیا تو اس کے لیے اس دنیا میں بھی ذلت ہے اور اگلی دنیا میں بھی۔"

☆

سامنے صلیب الصلبوت رکھی تھی اور اس کے پاس اس صلیب کا محافظ، کٹڑا تھا جو عکرہ کا بڑا پادری تھا۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ وہ اصل صلیب تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس چوبی صلیب پر ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون کے نشان موجود ہیں۔ اسے صلیبِ اعظم بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے عکرہ کا پادری "محافظ صلیب اعظم" کہلاتا تھا اور اس کا حکم بادشاہوں کے حکم سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ بادشاہ بھی اس کے حکم کے پابند ہوتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودی لڑکیوں کو اسی کی اجازت سے مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی اور کردار کشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا جو لڑکی اس کام کی ٹریننگ مکمل کر کے باہر بھیجی جاتی اسے صلیب کا محافظِ اعظم اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا کرتا تھا۔

ان لڑکیوں سے صلیب الصلبوت پر ہاتھ رکھوا کر وفاداری کا اور صلیب کو دھوکہ نہ دینے کا حلف لیا جاتا تھا۔ ایسا ہی حلف صلیبی فوج کے ہر افسر اور ہر سپاہی سے بھی لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہی ایک چھوٹی سی صلیب اس کے گلے میں لٹکا دی جاتی تھی۔

ناصرہ کے مقام پر صلیبی حکمران جمع تھے۔ ان میں کاؤنٹ آف لوزینان، ریمانڈ آف تریپولی، گرینڈ ماسٹر گراڈ، ماؤنٹ فیرت، ہمفرے آف تورون، امالرک اور شہزادہ ارناط آف کرک قابلِ ذکر ہیں۔۔۔ اور وہاں عکرہ کا پادری "محافظ صلیبِ اعظم" بھی موجود تھا۔ ان کے لیے جو شامیانے اور قنانیں لگائی گئی تھیں وہ کپڑوں کا ایک خوشنما محل تھا۔ محل کی طرح اس کے کمرے، برآمدے اور غلام گردشیں تھیں۔ رنگا رنگ روشنی والے فانوسوں کی روشنی نے اسے مرمر اور خارا محلات سے زیادہ حسین بنا رکھا تھا۔ اس کے ارد گرد رہائشی شامیانوں اور قناتوں کے کمرے تھے اور ان کے ارد گرد صلیبی ناٹوں کے خیمے اور ان کی فوج کے منتخب دستے خیمہ زن تھے۔ شراب کے مشکوں کے ساتھ ان حسین اور دلکش لڑکیوں کی کچھ تعداد بھی موجود تھی جن کا طلسماتی حسن اور شوخیاں بھائی کو بھائی کا اور باپ کو بیٹے کا دشمن بنا دیتی تھیں۔

ایک شامیانے تلے جس پر سنہرا محل کے کمرے کا گمان ہوتا تھا، صلیب الصلبوت رکھی ہوئی تھی اور اس کے پاس عکرہ کا پادری کھڑا تھا۔ اس کے سامنے صلیبی حکمران اور ان کے جرنیل اور منتخب نائٹ بیٹھے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ یہ ایک تاریخی اجتماع ہے اور تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جانے لگا ہے۔ اس باب کا عنوان تھا "صلاح الدین کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دو۔"

"صلیب کے محافظو!" عکرہ کے پادری نے کہا۔ "یہ ہے وہ صلیب جس پر تم سب نے ہاتھ رکھ کر حلف اٹھایا تھا۔ آج یہ صلیب تمہارے سامنے اس لیے عکرہ سے لاکر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ تم نے جو عہد کیا تھا وہ تمہارے دلوں میں تازہ ہو جائے۔ اب تمہیں ایک خونریز اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہونا ہے۔ یہ جنگ تمہیں لڑنی ہے۔ تم سب جنگجو ہو، جرنیل ہو، تمہاری عمر میدان جنگ میں گزر گئی ہے۔ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ میں تمہارے مذہب کا پیشوا ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر دنیائے عرب پر صلیب کی حکمرانی قائم کرنی ہے۔ یروشلم تو ہے ہی ہمارا، یہ مت بھولو کہ مکہ اور مدینہ پر بھی قبضہ کرنا ہے اور اس مقدس مذہب کو مسلمانوں کے خانۂ کعبہ کے اوپر رکھنا اور اسے یسوع مسیح کی عبادت گاہ بنانا ہے....

"یاد رکھو کہ تم مدینہ سے تین میل دور تک پہنچ گئے تھے مگر مسلمانوں نے تمہیں اس سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ تمہیں بھی اسی جنون سے لڑنا ہے جس جنون سے مسلمان اپنے کعبے کے تحفظ کے لیے لڑے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کی نظریں یروشلم پر لگی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بیت المقدس ہے اور یہاں ان کا قبلۂ اوّل ہے۔ اگر اس سے یروشلم کو بچانا چاہتے ہو تو نظریں مکہ پر رکھو۔ ذہن میں یہ یاد رکھو کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ ہے۔ یہ دو مذہبوں کی، دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ جنگ ہم نہ جیت سکے تو ہماری اگلی نسل لڑے گی۔ وہ اسلام کا خاتمہ نہ کر سکی تو اس سے اگلی نسل لڑے گی، تا آنکہ دونوں میں سے ایک مذہب ختم ہو جائے گا۔ خاتمہ اسلام کا ہوگا اور ساری دنیا پر صلیب کی حکمرانی ہوگی....

"ہم نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے دوسرے طریقے بھی اختیار کئے ہیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم سب کو یاد ہوگا کہ ہم اس مہم میں کتنی لڑکیاں ضائع کر چکے ہیں۔ ہم بیشمار دولت اور اسلحہ بھی ضائع کر چکے ہیں جو مسلمان امراء کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف دیتے رہے ہیں۔ ہم نے ان لڑکیوں اور زر و جواہرات سے یہ حاصل کیا ہے کہ مسلمانوں میں شراب اور عیاشی کی عادت پیدا کر دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہم چھ سات سال انہیں آپس میں لڑاتے رہے ان کی اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ ضرور اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کی جنگی قوت خاصی حد تک ضائع کر دی ہے اور سلطان ایوبی کے بہترین اور تجربہ کار سپاہی اور ان کے کمانڈر خانہ جنگی میں مروا دیئے ہیں۔ اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ بھی اٹھایا ہے کہ سات آٹھ سال صلاح الدین ایوبی کو اس کے اپنے علاقوں سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ اس عرصے میں ہم نے جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور یروشلم کا دفاع اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے لیے ان راستوں تک پہنچنا جو یروشلم کو جاتے ہیں۔ ناممکن ہو گیا ہے.....

"مگر اس نے وہ کیفیت پھر حاصل کر لی ہے جو اُن کی خانہ جنگی سے پہلے تھی۔ حلب اور موصل کی فوجیں بھی اسے مل گئی ہیں۔ تمام مسلمان امراء اس کے حامی ہو گئے ہیں۔ مظفر الدین اور گکبوری جیسے سالار جو اس کے خلاف لڑے اور ہمارے دوست بن گئے تھے اس کے پاس چلے گئے ہیں۔ غداروں کو اس نے اتنا کمزور اور بے بس کر دیا ہے کہ وہ اب ہمارے کسی کام کے نہیں رہے۔ اب کوئی مسلمان حکمران ایسا نہیں رہا جو صلاح الدین ایوبی پر عقب سے حملہ کرے۔ ہم نے حشیشین کو بھی آزما دیکھا ہے۔ وہ چار پانچ قاتلانہ حملوں میں بھی اسے قتل نہیں کر سکے۔ اب اس کے

سوا کوئی چارۂ کار اور کوئی حل اور راستہ نہیں رہا کہ ہم مل کر سلطان صلاح الدین ایوبی پر یلغار کریں لیکن اپنے جرنیلوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ حملے میں پہل اُسے کرنے دیں۔ اس کی مجھے دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی فوجوں کو اتنی دور نہیں لے جانا چاہیئے کہ رسد کے راستے مسدود اور خطرناک ہو جائیں اور دوسری وجہ یہ کہ صلاح الدین ایوبی جس طریقے کی جنگ لڑتا ہے اس سے ہمیں اپنی فوج دور دور تک پھیلانی پڑتی ہے۔ اب جب کہ دشمن کے علاقے میں ہمارا کوئی حامی نہیں رہا، اس لیے ہمیں حملے کا خطرہ سوچ سمجھ کر مول لینا چاہیئے....

"ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلاح الدین ایوبی یروشلم کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ تمہیں دیکھنا ہے کہ اس کی پیش قدمی کا راستہ کون سا ہوگا اور وہ سیدھا یروشلم کی طرف آئے گا یا کیا کرے گا۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیئے کہ ہم اکیلے اکیلے اُس کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ اب تم متحد ہو گئے ہو۔ صلیب اعظم کو یہاں اٹھا لانے کا مقصد یہ ہے کہ تم سب ایک ہی بار صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاؤ کہ تم دشمن کے خلاف ایک جان ہو کر لڑو گے اور ذاتی رنجشوں اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کر کے متحدہ مفاد کے لیے لڑو گے اور یہ مفاد صلیب اعظم اور یسوع مسیح کے عقیدے کا ہوگا اور تم سب اسلام کے خاتمے کے لیے لڑو گے۔"

سب اٹھے۔ انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھے اور عکرہ کے پادری نے حلف کے جو الفاظ کہے وہ سب نے دہرائے۔

✡

دوسرے دن سب بہت دیر سے جاگے۔ رات جب پادری نے انہیں چھٹی دی تو وہ شراب اور رقص میں مگن ہو گئے۔ وہ اپنی اپنی پسند کی لڑکیاں ساتھ لائے تھے۔ ان کے حسن و جمال، نیم عریاں جسموں، کھلے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں، ناز و ادا اور شراب نے اس خطے کو جنتِ ارضی بنائے رکھا۔ دوسرے دن کا سورج طلوع ہو چکا تھا مگر صلیبیوں کے اس شاہانہ کیمپ میں نیند نے موت کا سکوت طاری کر رکھا تھا۔

شہزادہ ارناط کے خیمے سے ایک جواں سال لڑکی نکلی۔ بہت ہی خوبصورت اور لمبے قد کی لڑکی تھی۔ اس کا رنگ دلکش تھا اور اس کی آنکھوں میں سحر تھا لیکن یہ رنگ اور یہ آنکھیں صلیبی یا یہودی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ یہ سوڈان، مصر یا دمشق جیسے علاقوں کی پیداوار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے حسن کی یہی ضمانت کافی تھی کہ ارناط اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اسے دیکھ کر ایک بوڑھی خادمہ دوڑتی اس تک پہنچی۔ وہاں جو فوج ان حکمرانوں کے ساتھ گئی تھی اس کی اتنی نفری نہیں تھی جتنی تعداد نوکروں اور نوکرانیوں کی ساتھ تھی۔ اس لڑکی کو ارناط پرنسس بلی کہا کرتا تھا۔ وہ شکل و صورت اور قدوقامت سے شہزادی ہی لگتی تھی۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ صرف میرے لیے ناشتہ جلدی لاؤ اور بگھی تیار کرو، میں ذرا اس علاقے کی سیر کو جا رہی ہوں۔

ارناط گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہاں تو صرف پلدی صبح سویرے جاگا اور عبادت کر کے پھر سو گیا تھا۔ بلی کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ ناشتہ آنے تک وہ تیار ہو گئی اور جب ناشتہ کر چکی تھی تو بگھی آ چکی تھی۔ یہ دو گھوڑوں کی خوبصورت بگھی تھی۔ کرک سے ارناط کے ساتھ وہ اسی بگھی میں آئی تھی۔

نے قہقہہ لگایا۔ گمبھی بان نے اُسے شہ سست لینے کا طریقہ سمجھایا۔ اس نے کچھ تیر ادھر اُدھر پھینکے۔

"اور آگے چلو۔" بلی نے گمبھی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اُس جگہ چلو جہاں ہرن ہوں۔ میں ہرن کو مار دوں گی۔"

سیبل اُسے ڈیڑھ دو میل دُور لے گیا۔ ایک جگہ گمبھی روک کر اس نے کہا کہ تھوڑی دیر انتظار کریں۔ شاید کوئی ہرن یا خرگوش نظر آجائے۔ وہ خود ایک طرف کو چل پڑا۔ کوئی بیس قدم دُور ایک درخت تھا۔ سیبل اُس کے ساتھ کمان لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شہزادی بلی کے لیے ہرن یا خرگوش دیکھ رہا تھا۔ بلی کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔ بلی نے کمان میں تیر ڈالا اور سیبل کی پیٹھ کا نشانہ لیا۔ اُسے کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ بلی مذاق کر رہی ہے۔ اُس نے کمان کھینچی۔ اُس کے ہاتھوں میں کمان کانپ رہی تھی۔ ایک آنکھ بند کیے وہ سیبل کی پیٹھ کا نشانہ لیے ہوئے تھی۔

اس نے کمان اور زیادہ کھینچی اور تیر چلا دیا۔ تیر سیبل کے کندھے کے بالکل قریب درخت کے تنے میں لگا۔ سیبل گھبرا کر ہٹا اور مُڑا۔ اُس نے درخت میں اُترے ہوئے تیر کو پھر بلی کو دیکھا، مگر بلی ہنس نہیں رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر بھی اُس نے ہنس کر کہا۔ "آپ مجھ پر تیر اندازی کی مشق کر رہی ہیں؟" — اور وہ بلی کی طرف چل پڑا۔

بلی نے ترکش سے ایک اور تیر نکال کر کمان میں ڈال لیا اور بولی۔ "وہیں رک جاؤ اور ادھر اُدھر نہ ہونا۔"

سیبل رُک گیا اور بلی نے کمان سامنے کر کے ایک بار پھر کھینچی۔ سیبل نے چلا کر کہا۔ "شہزادی! آپ کیا کر رہی ہیں؟"

شہزادی کی کمان سے تیر نکلا۔ سیبل کی نظریں اُسی پر تھیں۔ وہ بیٹھ گیا اور تیر زناٹے سے اُس کے قریب سے گزر گیا۔ سیبل شہزادی کا احترام اور اپنی حیثیت کو بھول گیا۔ بلی ترکش سے ایک اور تیر نکال رہی تھی۔ سیبل بڑی ہی تیزی سے اس کی طرف دوڑا۔ بلی اتنی جلدی تیر نکال کر کمان میں نہ ڈال سکی۔ سیبل اس پر لپکا تو بلی دوڑ کر پرے ہو گئی، لیکن سیبل مرد تھا اور جوان بھی تھا۔ دوڑ کر بلی تک پہنچا اور اُسے پکڑ لیا۔ اُس سے کمان چھین لی اور اُس کے کندھوں سے ترکش بھی اُتار لی۔

"میں اُن غلاموں میں سے نہیں ہوں جن پر اُن کے آقا ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں۔" سیبل نے کہا اور ایک تیر کمان میں ڈال کر کمان بلی پر تانی۔ بولا۔ "کیا تم مجھ پر مشق کرنا چاہتی ہو؟ کیا میری خدمات اور فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے؟"

بلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہونٹ کانپے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیبل نے کمان پرے پھینک دی اور آہستہ آہستہ اُس کے قریب گیا۔

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے مجھ پر تیر کیوں چلائے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے ہیں؟" سیبل نے پوچھا۔

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟" بلی نے ایسے لہجے میں کہا جو کسی شہزادی کو نہیں ایک ڈری ہوئی لڑکی کا لہجہ تھا۔

"میں آپ کی خاطر جان تک دے سکتا ہوں۔" سیبل نے کہا۔ "کیسی مدد؟"

"انعام سے مالا مال کر دوں گی۔" بلی نے کہا۔ "مجھے انعام کے طور پر مانگ لیے تو یہ بھی قبول کروں گی۔ مجھے جیل کیلی

گمبھی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے گمبھی بان سے کہا۔ "یہ علاقہ بہت خوبصورت لگتا ہے۔ میں سیر کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ تم اس جگہ سے واقف تو نہیں ہو گے؟"

"اچھی طرح واقف ہوں شہزادی محترمہ!" گمبھی بان نے جواب دیا۔ "اگر آپ سیر کے لیے جانا چاہتی ہیں تو میں کمان اور ترکش لیے چلتا ہوں۔ آپ شکار بھی کھیل سکتی ہیں۔ یہاں ہرن زیادہ تو نہیں لیکن کہیں نظر آ جاتے ہیں، خرگوش عام ہیں۔ پرندے ہیں۔"

بلی نے مسکرا کر کہا۔ "کیا تم مجھے تیر انداز سمجھتے ہو؟ ... جاؤ۔ لے آؤ۔"

"کوئی خطرہ نہیں؟" گمبھی بان نے کہا۔ "آپ لڑائی پر تو نہیں جا رہیں۔ شکار پر چلایا ہوا تیر خطا گیا تو کیا ہو جائے گا؟"

وہ دوڑتا گیا اور کمان اور ترکش اٹھایا۔

گمبھی خیمہ گاہ سے بہت دُور چلی گئی۔ یہ خطہ سرسبز تھا۔ درخت بھی خاصے تھے اور اونچی نیچی ٹیکریاں تھیں۔ مارچ اپریل کے دن تھے۔ بہار کا موسم تھا۔ اس سے یہ خطہ اور زیادہ خوبصورت ہو گیا تھا۔ گمبھی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ ایک جھنڈ کے نیچے بلی کے کہنے پر گمبھی رُک گئی اور وہ اُتری۔ اُس کا گمبھی بان سیبل نام کا عیسائی تھا اور انہی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ اُس کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر ہو گی۔ خوبرو اور دراز قد جوان تھا۔ اسی لیے اُسے ارناط نے گمبھی کے لیے منتخب کیا تھا۔ بلی کو بھی یہ آدمی پسند تھا۔ زندہ دل اور فرمانبردار تھا۔ بلی جب ارناط کے پاس آئی، اس سے ایک سال بعد سیبل اُن کے پاس آیا تھا۔

"مسلمانوں کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟" بلی نے گمبھی سے اُتر کر پوچھا۔

"جہاں تک کسی کی فوج پہنچ کر ڈیرے ڈال دے وہ اُس کی سرحد بن جاتی ہے۔" گمبھی بان نے جواب دیا۔ "میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے آٹھ دس میل دُور سمندر کی طرح ایک وسیع جھیل ہے جس کا نام گیلیلی ہے۔ اس کے کنارے طبریہ نام کا ایک قصبہ ہے۔ اس سے کچھ اِدھر حطین نام کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ اس جھیل سے آگے سے مسلمانوں کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔"

"یعنی مسلمانوں کا علاقہ یہاں سے دُور نہیں۔" بلی نے کہا۔ "کیا ہم گمبھی پر جھیل تک جا سکتے ہیں؟"

"ہم کرک سے گمبھی پر آئے ہیں۔" سیبل نے کہا۔ "جھیل تو یہ قریب ہے۔ یہ دو گھوڑے بغیر تھکے وہاں تک پہنچا سکتے ہیں۔"

بلی نے بچوں کی طرح اُس سے راستہ پوچھنا شروع کر دیا اور گمبھی بان زمین پر لکیریں ڈال کر اُسے راستہ سمجھانے لگا۔

"دمشق کو بھی راستہ جاتا ہو گا؟" بلی نے پوچھا۔

گمبھی بان نے اُسے دمشق تک کا راستہ سمجھا دیا۔

☆

بلی نے ترکش سے تیر نکالا اور درختوں میں پرندے دیکھنے لگی۔ اُس نے ایک پرندے پر تیر چلایا جو خطا گیا۔ بلی

سے آگے مسلمانوں کے خیمے میں لے چلو..... دمشق تک چلو۔ وہاں یہ بگھی اور دونوں گھوڑے تمہارے ہوں گے۔
انعام الگ دلواؤں گی۔"

"مجھے شک ہے آپ کے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے۔" سیبل نے کہا۔ "چلئے۔ واپس چلیں۔"

"اگر میری بات نہیں مانو گے تو واپس جا کر شہزادہ ارناط سے کہوں گی کہ تم نے یہاں مجھ پر دست درازی کی تھی۔"

بلی نے اس کی سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا آپ نے بتا دیا۔" سیبل نے کہا۔ "اب آپ واپس نہیں جائیں گی، نہ میں واپس جا رہا ہوں۔ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر میں بگھی میں ڈال لوں گا اور کسی شہر میں جا کر آپ کو بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا.... مجھے بتاؤ مسلمانوں کے پاس کیوں جانا چاہتی ہو؟"

تب بلی کو احساس ہوا کہ وہ ایک جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں میں دے کر سسکنے لگی۔ سیبل اسے دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کے لیے اجنبی نہیں تھی لیکن اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کے بال، اس کی رنگت اور اُس کی ڈیل ڈول صلیبی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ صلیبیوں کے پاس مسلمانوں کی اغوا کی ہوئی لڑکیاں بھی ہیں۔ یہ بھی شاید منصوبہ ہو گی لیکن اُسے تو وہ تین سالوں سے خوش و خرم دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

"اگر مسلمان ہو تو بتا دو۔" سیبل نے کہا۔ "تمہیں شاید اغوا کیا گیا تھا۔"

"اور تم شہزادہ ارناط کو بتا کر انعام لو گے۔" بلی نے کہا۔ "اور اُسے بتاؤ گے کہ میں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔" اُسے سیبل کے گلے میں ایک ڈوری لٹکتی نظر آئی۔ اس نے یہ ڈوری کھینچی تو چھوٹی سی صلیب ڈوری سے بندھی ہوئی باہر آ گئی۔ بلی نے کہا۔ "اسے ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ کہ مجھے دھوکہ نہیں دو گے، ارناط کو نہیں بتاؤ گے کہ میں نے تم پر تیر کیوں چلائے تھے۔"

سیبل اُس کی اصلیت سمجھ گیا اور بولا۔ "صلیب پر کھائی ہوئی قسم جھوٹی ہو گی۔" اُس نے صلیب کی ڈوری گلے سے اتاری اور صلیب پرے پھینک دی۔ کہنے لگا۔ "مسلمان صلیب پر قسم نہیں کھایا کرتے۔"

بلی نے چونک کر سیبل کو دیکھا جیسے اُسے سیبل کے الفاظ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ اُس نے صلیب کو دیکھا جو پرے زمین پر پڑی تھی۔ کوئی صلیبی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو صلیب کی توہین نہیں کرتا۔ سیبل کو بہرحال یقین آ گیا تھا کہ بلی کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔

"میں نے تم پر اپنا راز فاش کر دیا ہے۔" سیبل نے کہا۔ "اب تم مجھے بتا دو کہ تمہیں کب اور کہاں سے اغوا کیا گیا تھا۔"

"میں حج کعبہ سے اپنے والدین کے ساتھ مصر کو واپس جا رہی تھی۔" بلی نے ڈرے ہوئے بچے کی طرح کہا۔ "بہت بڑا قافلہ تھا۔ اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال تھی۔ چار ساڑھے چار سال گزر گئے ہیں۔ کرک کے قریب اِن کافروں نے قافلے پر حملہ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ انہوں نے بہت کشت و خون کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والدین مارے گئے تھے یا زندہ ہیں۔ یہ کافر مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ شاید میری بدقسمتی تھی کہ میں اتنی خوبصورت تھی کہ والی کرک

شہزادہ ارناط نے مجھے پسند کر لیا اور اپنے لیے رکھ لیا۔ اگر میں اتنی خوبصورت نہ ہوتی تو معلوم نہیں کیسے درندوں کے ہاتھوں اب تک مر چکی ہوتی.....

"شہزادہ ارناط کے آگے میں بہت روئی مگر بیکار تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی بادشاہی چھوڑ دوں گا تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اُس نے مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ اُس نے میرے ساتھ شادی نہیں کی اور مجھے اپنا مذہب قبول کرنے کو بھی نہیں کہا۔ میں اس کی عیاشی کا ذریعہ بنی رہی۔ اس کے پاس کئی اور جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ میری دشمن بن گئیں لیکن ارناط صرف مجھے ساتھ رکھتا اور میری بات مانتا تھا۔ میں نے اپنی اس حالت کو قبول کر لیا۔ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ عورت کی قسمت یہی ہوتی ہے کہ جس کے قبضے میں آ جائے اسی کی ملکیت اور اسی کی غلام ہوتی ہے۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ سیبل کو غور سے دیکھ کر بولی۔ "کیا تم یہ ساری باتیں شہزادہ ارناط کو سناؤ گے؟ پھر وہ مجھے کیا سزا دے گا؟"

"اگر میں واقعی سیبل ہوتا تو یہی کرتا جو تمہیں ڈر ہے۔" بگھی بان نے کہا۔ "میں شامی مسلمان ہوں۔ میرا نام بکر بن محمد ہے۔"

"تم اُن جاسوسوں میں سے تو نہیں ہو جن کے متعلق ارناط کہا کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں چھپے ہوئے ہیں؟" لڑکی نے پوچھا اور بولی۔ "میرا نام کلثوم ہوا کرتا تھا۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں۔" بکر نے جواب دیا "مسلمان ہوں۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ایک اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکی کی ملاقات کسی ایسے مسلمان سے ہو گئی جو صلیبیوں کے پاس عیسائیوں کے بہروپ میں ملازم تھا۔ ایسے واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ یہاں تک بھی ہوا ہے کہ بھائی جاسوس بن کر صلیبیوں کے کسی شہر میں گیا تو وہاں اُس کی ملاقات اپنی اس بہن سے ہو گئی جو بہت عرصہ پہلے تمہاری طرح اغوا ہوئی تھی۔ حیران نہ ہو کلثوم! تم حج کعبہ سے واپس آ رہی تھیں۔ خدا نے تمہارا حج قبول کر لیا ہے۔ میں عالم فاضل نہیں کہ تمہیں بتاؤں کہ خدا نے تمہیں یہ سزا کیوں دی ہے۔ البتہ اب یوں نظر آتا ہے جیسے خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے اس جہنم میں پھینکا تھا.... تم صرف فرار ہونا چاہتی ہو یا فرار کا کوئی مقصد بھی ہے؟"

"بہت بڑا مقصد۔" کلثوم نے کہا۔ "تم شاید نہیں جانتے کہ عکرہ کے پادری نے اِن صلیبیوں کو یہاں کیوں بلایا ہے۔ رات ارناط جب اپنے خیمے میں آیا تو وہ نشے میں جھوم رہا تھا۔ اُس نے مجھے بازوؤں پر اُٹھا لیا اور بولا۔ 'تم بہت بڑے ملک کی ملکہ بننے والی ہو۔ صلاح الدین ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ وہ ہمارے جال میں آ رہا ہے۔ بہت جلدی آ رہا ہے۔' میں نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ اُن کا منصوبہ کیا ہے۔ اُس نے مجھے پوری تفصیل سے بتا دیا کہ یہاں جتنے صلیبی حکمران آئے ہیں انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر اتحاد اور ایک دوسرے سے وفاداری کا حلف اُٹھایا ہے۔"

"کیا یہ صلاح الدین ایوبی کے کسی علاقے پر حملہ کریں گے؟"

"میرے فرار کا مقصد یہی ہے کہ سلطان ایوبی تک یہ خبر پہنچاؤں کہ صلیبیوں کے ارادے اور منصوبے کیا ہیں

اور انہوں نے کتنی فوج جمع کر لی ہے اور اسے کہاں کہاں تقسیم کر کے پھیلایا ہے۔ ارناط نے مجھے بتایا ہے کہ یہ لوگ حملہ کرنے نہیں جائیں گے بلکہ سلطان ایوبی کو حملے کا موقعہ دیں گے تاکہ وہ اپنے مستقر سے دُور آ جائے اور اس کی رسد کے راستے لمبے ہو جائیں۔ ان کا ارادہ یہ بھی ہے کہ اگر سلطان ایوبی نے کچھ عرصے تک حملہ نہ کیا تو یہ لوگ تین اطراف سے پیشقدمی اور یلغار کریں گے۔"

"تمہیں اچانک یہ خیال کیوں آیا ہے کہ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچنی چاہیئے؟" بکر بن محمد نے پوچھا اور کہا۔ "کلثوم! میں اسی میدان کا مجاہد ہوں۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ تم ارناط کے کہنے پر سلطان ایوبی کو غلط خبر دینے جا رہی ہو تاکہ وہ گمراہ ہو جائے تو اس کا کیا جواب دو گی؟"

"یہ کہ تم کم عقل آدمی ہو۔" کلثوم نے جواب دیا۔ "اگر تم سلطان ایوبی کے جاسوس ہو تو تم بیوقوف جاسوس ہو۔ تم اپنی فوجوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں مروا دو گے۔ اگر ارناط سلطان ایوبی کو گمراہ کرنے کی سوچتا تو وہ کوئی اور ذریعہ اختیار نہیں کر سکتا تھا؟ اگر وہ یہ کام مجھ سے ہی کرانا چاہتا تو مجھے رات کو بگھی پر بٹھا کر مسلمانوں کے علاقوں کے قریب نہ چھوڑ آتا؟... سنو بکر! غور سے سنو۔ میں نے تم پر پہلا جو تیر چلایا تھا اس کا ارادہ اچانک بجلی کی طرح میرے دماغ میں آیا تھا۔ میں تو صرف سیر کے لیے نکلی تھی۔ یہ تم تھے جس نے کہا تھا کہ تیر و کمان ساتھ لے چلیں، یہاں شکار ہو گا۔

"یہاں اگر میں نے تم سے مسلمانوں کی سرحد اور دمشق کے جو راستے پوچھے وہ یہ معلوم کرنے کے لیے پوچھے تھے کہ میں اس سرحد سے کتنی دُور ہوں اور کیا میں آسانی سے وہاں تک پہنچ سکتی ہوں؟ تم نے جب بتایا کہ وہ علاقہ چند میل دور ہے تو میں سوچنے لگی کہ تمہیں کوئی لالچ دے کر ساتھ لے چلوں لیکن تمہیں میں عیسائی سمجھتی رہی اور بالکل اُمید نہیں رکھتی تھی کہ تم میری مدد کرو گے بلکہ امید یہ تھی کہ تم ارناط سے انعام لینے کے لیے اسے بتا دو گے کہ یہ لڑکی مسلمانوں کی جاسوس ہے۔ میرے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ تم مجھ سے تھوڑی دُور درخت کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تو میں نے درخت پر ایک پرندے پر تیر چلانے کے لیے تیر کمان میں ڈالا۔ اس وقت میری نظریں تمہاری پیٹھ پر جم گئیں....

"تب مجھے اچانک خیال آیا کہ تم اتنے قریب ہو کر تیر تمہاری پیٹھ میں گہرا اتر جائے گا اور مجھے دوسرا تیر چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم مر جاؤ گے تو میں بگھی بھگا کر اس راستے پر ہو لوں گی جو تم نے مجھے سمجھا دیا تھا۔ میں نے کوئی اور خطرہ سوچا ہی نہیں تھا۔ شاید مجھ میں عقل کم اور جذبات زیادہ تھے اور ان جذبات میں انتقام کا جذبہ زیادہ تھا۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے تیر چلا دیا۔ مجھ میں یہ اتنی سی بھی عقل نہ رہی کہ تمہیں کہہ دیتی کہ تیر غلطی سے نکل گیا ہے۔ تم فوراً مان لیتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں نے کبھی کمان ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ میں نے یہی راہ نجات دیکھی کہ تمہیں مار ہی ڈالوں اور مسلمانوں کے علاقے کی طرف بھاگ جاؤں مگر میں کامیاب نہ ہو سکی۔"

"اس سے پہلے تمہیں کبھی بھاگ جانے کا خیال نہیں آیا تھا؟" بکر نے پوچھا۔

"ابتدا میں بھاگ جانے کا ہی خیال میرے دماغ پر سوار رہا مگر مجھے حقیقت کو قبول کرنا پڑا کہ میں بھاگ نہیں سکتی۔" اُس نے جواب دیا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ ارناط نے مجھے صحیح معنوں میں شہزادی بنا دیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے کسی لڑکی سے کبھی ایسی نسبت نہیں ہوئی تھی جیسی تم سے ہوئی ہے۔ میں اُس کے ساتھ شراب بھی پیتی رہی۔ اس سے میں بچ نہیں

سکتی تھی۔ جسمانی طور پر میں اس زندگی میں تحلیل ہو چکی تھی۔ ایسی شاہانہ زندگی تو میں کبھی خواب میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن تنہائی میں میرا دل مسلمان ہو جاتا تھا اور یہ خیال مجھے تڑپا دیتا تھا کہ میں کہاں سے آئی ہوں۔ کبھی کبھی میں خدا سے گلے شکوے بھی کیا کرتی تھی اور اکثر یوں ہوتا کہ میں خدا کو بھول جاتی تھی....

"اسی دوران سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ کیا اور آتشیں گولے پھینک کر شہر کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا تھا۔ میں تیار ہو گئی تھی کہ اپنی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی اور میں ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گی مگر ہوا یوں کہ ایک ماہ بعد سلطان ایوبی نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلا گیا۔ ارناط قہقہے لگاتا میرے پاس آیا اور بولا۔ 'میں نے اُسے پھر بیوقوف بنا لیا ہے۔ میں نے اُس کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے کہ آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اور میں نے اس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا بھی معاہدہ کر لیا ہے'....

"میرے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ سلطان ایوبی کو واپس نہیں جانا چاہیئے تھا۔ مجھے رہا کرائے بغیر اسے محاصرہ نہیں اٹھانا چاہیئے تھا۔"

"سلطان ایوبی کے سامنے اس سے زیادہ بڑی مہم ہے۔" بکر نے کہا۔ "اُسے بلکہ ہمیں بیت المقدس آزاد کرانا ہے جہاں ہمارا قبلۂ اوّل ہے۔ ہمیں ارضِ فلسطین کو آزاد کرانا ہے جو ہمارے نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے۔ اگر سلطان ایوبی ایک ایک مسلمان لڑکی کو آزاد کرانے نکل کھڑا ہوا تو وہ اپنی مقدس منزل سے دُور بھٹکتا اور لڑتا ختم ہو جائے گا۔ تو میں اتنے مقدس مقصد کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیا کرتی ہیں۔"

"ارناط کی ایک بُری عادت نے مجھے یہ فراموش نہ کرنے دیا کہ میں مسلمان ہوں۔" کلثوم نے کہا۔ "وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا رہتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سلطان ایوبی اپنے قبلۂ اوّل تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور ہم اُس کے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور اپنی عبادت گاہ بنانے کے لیے جا رہے ہیں۔"

صلیبیوں کے ان عزائم کا تذکرہ یورپی مؤرخوں نے بھی کیا ہے کہ صلیبیوں نے خانہ کعبہ اور رسولِ مقبول صلعم کا روضۂ مبارک مسمار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا اور ایک بار وہ مدینہ منورہ سے تین میل دُور تک پہنچ بھی گئے تھے۔ کرک کا جو محاصرہ سلطان ایوبی نے کیا اور ایک ماہ بعد اٹھا لیا تھا یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ محاصرہ اٹھانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ارناط نے جنگ نہ کرنے اور آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر حملے نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ وہ تو سلطان ایوبی کا معمول تھا کہ صلیبی معاہدے توڑنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ محاصرہ اٹھانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ بیت المقدس کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ارناط نے اس معاہدے کے دو ہی سال بعد حاجیوں کے ایک اور قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اس معاہدے کی میعاد ۱۱۸۸ء تک تھی۔ سلطان ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں جلیلن کی طرف پیشقدمی کی تھی اور اس عہد کے ساتھ وہ دمشق سے نکلا تھا کہ ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔

☆

کلثوم بکر کو بتا رہی تھی۔ "ارناط کے ساتھ میں خوش بھی رہی اور میرے دل میں انتقام بھی موجود رہا۔ وہ کبھی کبھی مجھے بتایا کرتا تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بھیس بدل کر آ جاتے ہیں اور یہاں کے راز لے جاتے ہیں۔ اُس

نے یہ بھی بتایا تھا کہ بڑی ہی حسین صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمانوں کے علاقوں میں مسلمانوں کی طرح کے ناموں سے اور بچے کُھچے رُتبوں اور عہدوں والے حاکموں کو جال میں پھانس لیتی اور انہیں صلیب کے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ارناط مجھے ان لڑکیوں کی کہانیاں سُنایا کرتا تھا۔ یہ سُن کر مجھے کئی بار خیال آیا کہ یہ لڑکیاں اپنے مذہب کے لیے اپنی آبرو قربان کر دیتی ہیں۔ عصمت ہی وہ موتی ہے جس کے تحفظ کے لیے عورت جان پر کھیل جاتی ہے لیکن یہ لڑکیاں اتنی بڑی قربانیاں دے ڈالتی ہیں....

"میری آبرو تو لُٹ ہی چکی تھی۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنے مذہب کے لیے قربانی دوں گی مگر مجھے موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب یہاں آکر ارناط نے مجھے ایسا راز دے دیا ہے جو سلطان تک پہنچنا چاہیئے۔ شاید خدا نے مجھے اسی نیکی کے لیے اس جہنم میں بھیجا تھا! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس خبر سے سلطان ایوبی کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟"

"بہت زیادہ۔" بکر نے کہا۔ "لیکن یہ خبر تم نے کرک نہیں جانے دینی۔ اگر تم یا ہم دونوں یہاں سے غائب ہو گئے تو شہر کا ہر آدمی فوراً سمجھ لے گا کہ ہم دونوں جاسوس تھے۔ اس طرح یہ اپنے منصوبوں میں ردّوبدل کر دیں گے اور ہم سلطان ایوبی تک جو خبر پہنچائیں گے وہ اس کی شکست کا باعث بن سکتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنی اہم خبر سلطان ایوبی تک نہیں پہنچ سکتی۔" کلثوم نے کہا۔

"پہنچ سکتی ہے اور پہنچائی جائے گی۔" بکر نے کہا۔ "لیکن کرک والیں جا کر یہ انتظام ہو گا۔"

"تم جاؤ گے؟" کلثوم نے پوچھا۔ "میں یہاں سے بھاگنا بھی چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" بکر نے کہا۔ "تم بھی نہیں جاؤ گی۔ کرک میں میرے ساتھی موجود ہیں۔ خبریں لے جانے کا کام اُن کی ذمہ داری ہے۔ میرا کام خبریں حاصل کرنا ہے۔ اب یہ کام تم کرو گی۔ تمہارا کام ختم نہیں ہُوا، ابھی شروع ہُوا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ سلطان کو کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے۔ یہ معلومات تم مجھے دو گی اور میں انہیں دمشق تک پہنچاؤں گا۔"

"تو مجھے اس جہنم میں ہی رہنا پڑے گا؟" کلثوم نے اُداس سا ہو کے پوچھا۔

"ہاں۔" بکر نے جواب دیا۔ "تمہیں اس جہنم میں ابد تک موت کے منہ میں موجود رہنا پڑے گا.... کلثوم! تمہیں یہ قربانی دینی پڑے گی۔ سلطان کہا کرتے ہیں کہ ایک جاسوس یا ایک چھاپہ مار اپنی پوری فوج کی فتح یا شکست کا باعث بن سکتا ہے لیکن جاسوس ہر لمحہ موت کے منہ میں کھڑا رہتا ہے۔ جاسوس جب دشمن کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو فوراً قتل نہیں کر دیا جاتا۔ اسے اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اس کی کھال آہستہ آہستہ اتاری جاتی ہے۔ اُسے مرنے نہیں دیا جاتا، اُسے جینے بھی نہیں دیا جاتا، لیکن اپنے مذہب اور اپنے وطن کے لیے کسی نہ کسی کو اپنی زندہ کھال اتروانی ہی پڑتی ہے۔ قوموں کا نام و نشان اس وقت مٹنا شروع ہوتا ہے جب ان میں قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے.... تم نے جہاں چار سال گزار دیئے ہیں وہاں چار مہینے اور گزار دو۔ تم اب ارناط کو اپنا آقا نہ سمجھو۔ اُس کے ساتھ پہلے سے زیادہ محبت کا اظہار کرو لیکن دل میں یہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسے زہریلے ناگ پر قبضہ کر رکھا ہے جو تمہارے ہاتھ سے آزاد ہو گیا تو عالمِ اسلام کو ڈس لے گا۔"

"مجھے بتاؤ۔" کلثوم نے بے تاب ہو کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے بتاتے رہو کہ میں اپنے خدا کے حضور کس طرح سرخرو ہو سکتی ہوں۔"

بکر نے اُسے بتانا شروع کر دیا۔ اُسے مکمل ہدایات دیں اور کہا۔ "سب کے سامنے یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ میرا اور تمہارا کوئی اور تعلق بھی ہے۔ یہاں ہمارے جاسوسوں کا سراغ لگانے والے صلیبی جاسوس بھیس بدل کر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ صرف ہم دونوں جاسوس نہیں، ہمارے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں۔ وہ اس شہر میں موجود ہیں جہاں صلیبی حکمران اور جرنیل موجود ہیں۔ ان میں ایک سے ایک بہادر اور عقل مند ہے۔ دل میں یہ خوش فہمی نہ رکھنا کہ ہم دونوں کوئی بہت بڑا کارنامہ کر رہے ہیں۔ خدا پر احسان نہ کرنا۔ یہ ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے خواہ ہمیں کیسی ہی اذیت میں کیوں نہ ڈال دیا جائے۔"

کلثوم جب خیمہ گاہ میں اپنے خیمے کے سامنے بگھی سے اُتری اُس وقت وہ شہزادی لگتی تھی اور بکر بن محمد سہیل تھا۔ کلثوم جب بگھی سے اُتر رہی تھی اس وقت سہیل بگھی کے پاس کھڑا غلاموں کی طرح جھکا ہُوا تھا۔ خیمے میں گئی تو ارناط ایک نقشے پر جھکا ہُوا تھا۔ کلثوم نے اُسے کہا کہ وہ سیر کے لیے نکل گئی اور شکار بھی کھیلا تھا۔

"کیا مارا؟" ارناط نے نقشے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" کلثوم نے جواب دیا۔ "سب تیر خطا گئے لیکن بلدی ہی شکار مارنے کے قابل ہو جاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ بھی نقشے پر جھک گئی۔ اس نے پوچھا۔ "پیشقدمی کا نقشہ ہے یا دفاع کا؟"

"پیشقدمی صلاح الدین ایوبی کرے گا۔" ارناط نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔ "اور دفاع بھی اسی کو کرنا پڑے گا کیونکہ ہم اُسے جال میں لا رہے ہیں۔ اس کا دم ختم کر کے ہم پیشقدمی کریں گے۔ ہمیں روکنے والا کوئی نہ ہو گا۔ تم اپنے خیمے میں جاؤ بلدی! مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ آج رات ہماری جو کانفرنس ہو گی اس میں جنگ کا منصوبہ اور نقشہ بنایا جائے گا۔ مجھے جو مشورے دینے ہیں ان میں کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیئے۔"

☆

"اس کا نام کلثوم ہے اور بکر بن محمد اس کے ساتھ ہے۔ وہ ارناط کا بگھی بان ہے۔" سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا نائب سربراہ حسن بن عبداللہ اُسے کرک کے جاسوسوں کی بھیجی ہوئی پوری خبر سنا چکا تھا۔

سلطان کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اس نے کہا۔ "کون بتا سکتا ہے کہ ہماری کتنی بیٹیاں ان کفار کے قبضے میں ہیں اور ان کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ میں ارناط کو نہیں بخشوں گا۔ خیال رکھنا حسن! اس لڑکی کو وہاں سے نکالنا ہے لیکن ابھی نہیں۔"

"کرک میں ہمارے جو آدمی ہیں وہ اسے موزوں وقت پر نکال لائیں گے۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔

عکرہ کا پادری اور یہ صلیبی استخباراتی نامزد میں تین روز رہے اور انہوں نے پلان اور نقشہ تیار کر لیا تھا۔ کلثوم نے ارناط سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا اور بکر کو بتا دیا۔ صلیبیوں کو بھی سلطان ایوبی کے کئی راز معلوم ہو گئے تھے۔ اُن کے جاسوس موصل، حلب، دمشق، قاہرہ اور ہر جگہ موجود تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کو صحیح اطلاعیں بھیجی تھیں۔ صلیبیوں کو یہ بھی

پتہ چل گیا تھا کہ مصر سے بھی فوج آرہی ہے۔ صلیبیوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی بہت جلدی پیش قدمی کرنے والا ہے، لہٰذا انہوں نے دفاع میں بڑھنے پر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کا پلان تیار کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں پر فوج خیمہ زن کر دی تھی۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ سلطان ایوبی کدھر سے آئے گا اور میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ اپنے اندازے کے مطابق انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کی نفری، پیادہ اور سوار کا حساب لگا لیا تھا۔

حسن بن عبداللہ نے کرک سے آئے ہوئے اپنے آدمی سے تفصیلی رپورٹ لی۔ اس جاسوس نے کلثوم اور لبکہ کے متعلق بھی بتایا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ رپورٹ سلطان ایوبی کو دی۔

"یہ اطلاع اُن تمام اطلاعوں کی تصدیق کرتی ہے جو ہمیں دوسری جگہوں کے جاسوسوں نے بھیجی ہیں"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ صلیبی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اب کرک کی اطلاع نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ اس میں نئی بات یہ ہے کہ چند ایک صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے اور مجھے اُن کی متحدہ فوج سے لڑنا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ اطلاع نئی ہے کہ جنگی طاقت کتنی ہے۔ ان کے ساتھ دو ہزار دو سو نائٹ ہوں گے۔ یہ بڑا شہ بہت بڑی طاقت ہے۔ نائٹ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس اور محفوظ ہوتا ہے۔ ناسٹوں کے گھوڑے عام جنگی گھوڑوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور پھرتیلے ہوتے ہیں۔ میں انہیں گرمیوں کے عروج میں لڑاؤں گا۔"

"اور ان زرہ پوش نائٹوں کے ساتھ آٹھ ہزار سوار ہوں گے"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "پیادہ فوج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے۔"

"میرے لیے یہ خبر نئی ہے کہ شاہ آرمینیا کی فوج بھی صلیبیوں کے پاس آرہی ہے"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ صلیبیوں کی تیس بتیس ہزار فوج کے علاوہ ہوگی۔ یہ ملا کر دشمن کی نفری چالیس ہزار ہو جائے گی۔ کرک کی اطلاع اور دوسری جگہوں سے آنے والی اطلاعوں سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبی دفاعی جنگ لڑیں گے اور مجھے گھیرے میں لے لیں گے۔ اس کے مطابق میرا یہ فیصلہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ میں حطین کے میدانات میں لڑوں گا۔ اس علاقے سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔"

☆

"میرے رفیقو! اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس فرض کی ادائیگی کے لیے نکل کھڑے ہوں جو خدائے ذوالجلال نے ہمیں سونپا ہے"۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق میں اپنے بڑے کمرے میں سالاروں اور نائب سالاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اقتدار کے لیے آپس میں لڑنے اور مرنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ ہم نے آپس میں بہت کشت و خون کر لیا ہے۔ اس دوران دشمن نے ارضِ فلسطین میں اپنے پنجے گہرے گاڑ لیے ہیں۔ قوم نے ہمارے ہاتھ میں تلوار دی ہے اور اس اعتماد کے ساتھ دی ہے کہ ہم دشمنانِ دین کا خاتمہ کریں گے اور عرب کی مقدس سرزمین کو کفر کے ناپاک وجود سے پاک کریں گے۔۔۔۔

"آپ کئی برسوں سے مسلسل لڑ رہے ہیں لیکن اصل جنگ اب شروع ہو رہی ہے۔ اپنے ذہنوں میں اس جنگ کے مقصد کو تازہ کر لو۔ یہ فیصلہ کر لو کہ ہمیں ایک آزاد اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور ہمیں اپنے خدا کے عظیم مذہب کو کفر کے گھناؤنے سائے سے آزاد رکھنا ہے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ کو وہاں تک لے جانا ہے، جہاں تک محمد بن قاسم لے گیا تھا اور جہاں تک طارق بن زیاد لے گیا تھا۔ اُن کے بعد آنے والوں کا فرض یہ تھا کہ اللہ کا پیغام وہاں سے بھی آگے لے جاتے جہاں تک قوم کے یہ بیٹے گئے تھے مگر اللہ کی سلطنت اتنی سکڑی کہ ہمارے دین کے دشمن ہمارے گھر میں آن بیٹھے ہیں اور وہ خانۂ کعبہ اور روضۂ رسول کو مسمار کرنے کے منصوبے بنانے ہوئے ہیں۔ کیوں؟۔۔۔ یہ کیوں کر ممکن ہوا؟۔۔۔ جہاں بادشاہی کا جنون دماغوں پر قابض ہوتا ہے وہاں سرحدیں سکڑتی ہیں اور تختِ وتاج کی خاطر امراء اپنے مذہب اور اپنی غیرت کو بھی ترک کر دیا کرتے ہیں۔۔۔۔

"ہمارے زوال کا باعث تختِ وتاج کا نشہ اور زر و جواہرات کی محبت ہے۔ کہاں وہ وقت کہ ہم دنیا پر چھا گئے تھے اور کہاں یہ وقت کہ دنیا ہم پر چھا گئی ہے اور ہم آخرت کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ہم میں دوست اور دشمن کی پہچان نہیں رہی۔ عسکری جذبے پر فانی دنیا کی جھوٹی لذتوں کا جادو چل گیا ہے۔ یاد رکھو میرے رفیقو! میں تمہیں کوئی نئی بات نہیں بتا رہا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ قوم کی قسمت تلوار کی نوک سے لکھی جاتی ہے اور یہ تحریر ان مجاہدوں کی ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ جب سالار تخت پر بیٹھ کر سر پر تاج رکھ لیتے ہیں تو اُن کے ہاتھوں میں طاقت نہیں رہتی کہ تلوار نیام سے باہر کھینچ سکیں۔ ان کے دلوں میں اپنے عقیدے اور اپنی قوم کے وقار کے تحفظ کا جذبہ نہیں رہتا، پھر مذہب کا استعمال یہی رہ جاتا ہے کہ اپنی رعایا کو مذہب کے نام پر دھوکے دو اور دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر لو تاکہ آرام سے اللہ کے نیک اور سادہ لوح بندوں پر حکومت کر سکو۔۔۔۔

"ہم آج اسلام کی عظمت کی خاطر صرف اس لیے گھروں کو خیرباد کہنے اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے قابل ہوئے ہیں کہ ہم نے اقتدار کے پجاریوں کو ختم کر دیا ہے۔ ہم نے آستین کے سانپوں کا سر کچل ڈالا ہے۔ اگر ہم ہار گئے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہماری نیت میں فتور تھا۔"

سلطان ایوبی ایسی جذباتی اور لمبی تقریر کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن جس مہم کے لیے وہ نکل رہا تھا اس کے لیے سب کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرنا ضروری تھا۔ یہ اس کے وفادار اور قابلِ اعتماد سالار اور نائب سالار تھے۔ ان میں مظفر الدین جیسا قابل اور دلیر سالار بھی تھا جو کسی وقت اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے مخالف کیمپ میں چلا گیا اور اس کے خلاف لڑا بھی تھا۔ اس کے ساتھ تقی الدین اور افضل الدین، فرخ شاہ اور ملک العادل جیسے سالار بھی تھے جو اس کے اپنے خاندان اور اپنے خون کے رشتے کے تھے۔ سالار گمشتری اس کا دستِ راست تھا۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو فنی، تکنیکی اور جذباتی لحاظ سے کمتر ہوتا، لیکن سلطان ایوبی پہلی بار ارضِ فلسطین میں حملے کے لیے جا رہا تھا اور اس کی منزل بیت المقدس تھی۔

یہ مہم آسان نہیں تھی۔ صلیبیوں کی جنگی قوت زیادہ بھی تھی اور برتر بھی۔ صلیبیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ انہیں دفاع میں اپنی زمین پر لڑنا تھا جہاں انہیں رسد کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا اور وہ اپنے مستقر کے قریب تھے

سلطان ایوبی اپنے مستقر سے دُور جا رہا تھا جہاں تک رسد کے راستے مخدوش تھے۔ جنگی فنون کے مطابق زیادہ دشواریاں حملہ آور کو پیش آتی ہیں اور حملہ آور کی نفری دشمن سے اگر سوا گنا نہیں تو دوگنی ضرور ہونی چاہیئے۔ مگر سلطان ایوبی کی نفری کم تھی۔ اسے یہی یقین تھا کہ یہ جنگ بہت طول پکڑے گی اور گھروں کو واپس آنا ممکن نہیں ہوگا، اس لیے اس نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے سالاروں کو بتا دے کہ وہ طارق بن زیاد کی اس کامیابی کو ذہن میں رکھیں جس میں اُس نے بحیرۂ روم پار کر کے کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ واپسی کا خیال ہی ذہن سے نکل جائے۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں بعنوان "سلطان (صلاح الدین) پر کیا اتنا پڑی" میں لکھا ہے —

"سلطان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے کفار کے خلاف لڑنے کا جو حکم دیا ہے یہ اُس کا فرضِ اولین ہے جسے دنیا کے ہر کام اور ہر فرض پر فوقیت حاصل ہے۔ کفار سے لڑنا اور اللہ کی حکمرانی قائم کرنا اس کا ایسا فرض ہے جو خدا کے حکم سے اسے سونپا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملکوں کو اللہ کی سلطنت میں شامل کرنا اور بنی نوع انسان کو اطاعت الٰہی کی طرف لانا... اس نے تمام فوجوں کو، جہاں جہاں وہ تھیں، الشترا کے مقام پر جمع ہونے کا جو حکم بھیجا اس میں اللہ کے حکم کے الفاظ بھی لکھے۔"

☆

سلطان ایوبی کی نظریں مستقبل کی تاریکیوں میں جھانک رہی تھیں۔ اس نے حطین کے مقام کو میدانِ جنگ بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ حطین فلسطین کا ایک گمنام سا گاؤں تھا لیکن سلطان ایوبی نے اُسے وہ عظمت بخشی کہ عیسائی دنیا کے جنگی مبصر آج بھی تجزیے کرتے نظر آتے ہیں کہ صلیبی جنگوں کے اس ہیرو نے کس قسم کی چالوں اور سٹریٹیجی سے اتنے طاقتور اور برتر اسلحہ والے دشمن کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ صلیبیوں کے ایک کے سوا باقی تمام حکمران جنگی قیدی ہو گئے تھے۔

جنگی علوم کی باریکیاں سمجھنے والے مبصروں اور مؤرخوں نے سلطان ایوبی کی دیگر خوبیوں کے علاوہ اس کے انٹیلی جنس اور کاؤنٹر انٹیلی جنس اور کمانڈو آپریشن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یہ بھی حقیقت کہ بکربن محمد جیسے جاسوس اپنی جانیں موت کے منہ میں رکھ کر اہم معلومات حاصل کر رہے تھے اور سلطان ایوبی تک پہنچا رہے تھے۔ کلثوم جیسی مظلوم لڑکیاں شاہانہ زندگی، عیش و عشرت کو ٹھکرا کر اپنے طور پر اسلامی فوج کی مدد کر رہی تھیں۔ تاریخ ان گمنام غازیوں اور شہیدوں کے نام بتانے سے قاصر ہے جنہوں نے پسِ پردہ اور نرس دوز جہاد کیا اور حطین کو تاریخِ اسلام کی عظمت کا نشان بنا دیا۔

سلطان ایوبی ہمیشہ جمعہ کے مبارک دن لڑائی کے لیے کوچ کیا کرتا تھا کہ یہ فتوحات کا دن ہے۔ اس مبارک روز ہر مسلمان خدا کے حضور جھکا ہوا ہوتا ہے اور جب سپاہی اپنی قوم کو عبادت میں مصروف چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلتا ہے تو ساری قوم کی دعائیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ حطین کو کوچ کرنے کے لیے بھی اس نے جمعہ کا دن منتخب کیا۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کا دن تھا۔ اس نے فوج کا صرف ایک حصہ ساتھ لیا اور کرک کے قریب جا خیمہ زن ہوا۔

صلیبی جاسوسوں نے فوراً اپنی اتحادی فوج کو خبر پہنچا دی کہ سلطان ایوبی کرک کے قریب خیمہ زن ہو گیا ہے۔ اس سے یہ مطلب لیا گیا کہ وہ کرک کا محاصرہ کرے گا لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ مصر اور شام کے قافلے حج کعبہ سے واپس آ رہے

تھے۔ ان پر کرک کے قریب ہی حملے ہوا کرتے تھے۔ والیٔ کرک شہزادہ ارناط اس معاملے میں بڑا ہی بدطینت تھا۔ سلطان ایوبی ان قافلوں کو خیریت سے وہاں سے گزارنے کے لیے اس علاقے میں چلا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صلیبیوں کو دھوکہ دے اور وہ اپنا دفاع پھیلا دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اس نے اپنے سالاروں کو بتا رکھا تھا کہ قافلے گزار کر وہ کہاں جائے گا۔

☆

کرک کے محل میں تو جیسے زلزلہ آ گیا تھا۔ شہزادہ ارناط کو نصف شب کے بعد جگا کر بتایا گیا کہ کوئی بہت بڑی فوج شہر سے کچھ دُور خیمے گاڑ رہی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ یہ سلطان ایوبی کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ کلثوم اس کی خواب گاہ میں تھی۔ ارناط کے ساتھ دو ڈھائی شہر کے بڑے دروازے کی اوپر والی دیوار پر گئی۔ وہاں سے سینکڑوں مشعلیں نظر آ رہی تھیں۔ زیادہ تر مشعلیں متحرک تھیں۔ خیمے گاڑے جا رہے تھے۔ رات کی خاموشی میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ارناط نے اپنی فوج کو محاصرے میں لڑنے کے لیے دیواروں پر مورچہ بند کر دیا۔ دروازوں پر دفاعی انتظامات مضبوط کر دیئے گئے۔ ارناط بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اسے کلثوم کا کوئی خیال نہیں تھا۔ کلثوم واپس گئی تو ارناط کا محافظ دستہ بیدار ہو کر حکم کا منتظر کھڑا تھا اور ایک جگہ وہ شاہی بگھی کھڑی تھی جس پر کلثوم لائی گئی تھی۔ اس کے پاس بکربن محمد چاک و چوبند کھڑا تھا۔ وہاں ہر آدمی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔

کلثوم نے حکم کے لہجے میں بکر سے کہا — "سہیل! بگھی ادھر لاؤ۔"

بکر بگھی لایا تو کلثوم اس میں بیٹھ گئی اور اسے کسی طرف لے گئی۔ ارناط کے حرم کی عورتیں بھی جاگ کر باہر آ گئی تھیں۔ انہوں نے کلثوم کو جو اُن کے لیے پرنسس بلی تھی، بگھی بان کو حکم دیتے اور بگھی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تو اُن میں سے ایک نے دانت پیس کر کہا — "یہ بدبخت کسی سلطان کی اولاد اپنے آپ کو ملکہ سمجھنے لگی ہے۔ اُسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔"

"وقت آ گیا ہے۔" دوسری نے کہا — "صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ بہت خوفناک ہوتا ہے۔ وہ آگ پھینکے گا، منجنیقوں سے پتھر پھینکے گا۔ اندر بھگدڑ اور تباہی مچے گی اور یہ وقت ہوگا جب ہم اس منہ چڑھی ڈائن کو ٹھکانے لگا دیں گی۔"

"تمہارا چاہنے والا وہ جرنیل بھی تو کچھ نہیں کر سکا۔" تیسری نے کہا۔

"اور بہت سی کچھ کرنے والے۔" اس نے جواب دیا۔ "کل شام تک شہر کی حالت دیکھنا۔ پھر شہزادہ ارناط کسی اور شہزادی بلی کو تلاش کرے گا۔"

اُس وقت کلثوم نے بگھی ایک اندھیری جگہ روکوا رکھی تھی۔ بکر بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ کلثوم اس سے پوچھ رہی تھی — "ہمارے آدمی اندر سے کوئی دروازہ کھولنے کا انتظام کر سکیں گے؟"

کوشش کی جائے گی۔" بکر نے کہا — "اگر یہ فوج ہماری ہے تو میں حیران ہوں کہ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔ سلطان ایوبی ایسی غلطی نہیں کیا کرتے۔ مجھے کچھ شک ہے۔ یہ صبح پتہ چلے گا یہ کس کی فوج ہے۔"

"کیا ہم یہاں سے فرار ہو سکیں گے؟" کلثوم نے پوچھا۔

"سالات پر منحصر ہے۔"

"میں اس ارناط کو آسانی سے قتل کر سکتی ہوں۔"

"ایسی حرکت نہ کرنا۔" بکتمر نے کہا۔ "فوج شہر میں داخل ہو گئی تو ہم فکر رکھیں گے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے.... کوئی نئی خبر؟"

"ارناط سلطان ایوبی کو دیکھ رہا تھا کہ کس طرف پیشقدمی کرتا ہے۔" کلثوم نے کہا۔ "اب حالات کچھ اور ہو گئے ہیں۔ پہلے کہتا تھا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ جبل گیلیلی کو جا رہا ہے۔"

"زیادہ دیر نہ رکو۔" بکتمر نے کہا۔ "چلو واپس چلیں۔"

☆

صبح طلوع ہوئی تو کرک کی دیواروں پر دور دور کمانوں والے تیر انداز مستعد کھڑے تھے۔ پتھر اور آگ کی ہانڈیاں پھینکنے والی منجنیقیں نصب ہو چکی تھیں۔ فوج تیاری کی حالت میں کھڑی تھی اور شہزادہ ارناط دیوار پر کھڑا سلطان ایوبی کی فوج کو دیکھ رہا تھا۔ یہ یقین ہو گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سلطان خود بھی ساتھ ہے، مگر اس فوج میں حملے والی کوئی حرکت اور سرگرمی نہیں تھی۔ خیمے لگے ہوئے تھے اور سپاہی روزمرہ معمول میں لگے ہوئے تھے۔

یہ دن گزر گیا، پھر پانچ چھ دن گزر گئے۔ ارناط پر انتظار اور اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ اسے جو نظر نہیں آ رہا تھا وہ یہ تھا کہ رات کو سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑ سوار چھاپہ مار اس راستے پر دور تک پھیلا دیئے تھے جس پر حجاج کے قافلوں کو گزرنا تھا۔ چند دنوں بعد پہلا قافلہ آتا نظر آیا۔ یہ مصر کا قافلہ تھا۔ گھوڑ سوار اس کے ساتھ ہو گئے۔ قافلہ سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کے قریب پہنچا تو سلطان دوڑ کر آگے بڑھا اور حجاج سے معانقہ کیا۔ اس نے عقیدت و احترام سے سب کے ہاتھ چومے اور اپنی خیمہ گاہ میں انہیں آرام اور کھانے کے لیے روکا اور اس کے چھاپہ مار دور تک حجاج کے ساتھ گئے۔ ایک ہی روز بعد شامی حجاج کا قافلہ بھی آ گیا۔ اس کا بھی سلطان ایوبی نے استقبال کیا، کھانا کھلایا اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اسے رخصت کیا۔

اٹھ دن کرک کے گرد صلیبی فوج تیاری کی حالت میں رہی اور شہر پر خوف طاری رہا۔ سلطان ایوبی کے جاسوس اپنی سرگرمیوں کی معروف رہے۔ ایک صبح ارناط کو اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی کی فوج جا رہی ہے۔ ارناط اس کے سوا کچھ بھی نہ دیکھ سکا کہ حجاج کے دونوں قافلے سلطان ایوبی کی فوج کی حفاظت میں گزر گئے ہیں۔ سلطان ایوبی کے مخبر جاسوسوں کو معلوم تھا کہ اصل قصہ کیا تھا۔ اس نے کوچ سے پہلے انہیں اطلاع بھجوا دی تھی کہ فوج کہیں اور جا رہی ہے اور وہ (جاسوس) ارناط کی نقل و حرکت کی اطلاعیں دیتے رہیں۔

۲۰ مئی ۱۱۸۷ء (۱۶ ربیع الاول) کے روز سلطان ایوبی کے عقب پر حطین کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں مصر اور شام کی فوجیں اس سے جا ملیں۔ اُس کا سب سے بڑا بیٹا الملک الافضل جس کی عمر سولہ سال تھی ایک مشہور سالار مظفر الدین کے ساتھ جا ملا۔ اس طرح اس کی ساری فوج جمع ہو گئی۔ اس نے تمام سالاروں، نائب سالاروں کو آخری ہدایات

کے لیے جمع کیا اور کہا۔ "میرے رفیقو! اللہ تمہارا مددگار ہو۔ دلوں سے اپنے عزیزوں اور اپنے گھروں کا خیال نکال دو اور دلوں میں قبلۂ اوّل کو بسا لو اور دلوں میں خدائے ذوالجلال کا اسم مبارک نقش کر لو جس نے ہمیں یہ سعادت بخشی ہے کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرائیں اور اپنی بیٹیوں کی بے عزتی کا انتقام لیں جو کفار کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں....

"اب ہم جو حرکت کریں گے وہ حقیقت کی کریں گے۔ ہماری تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہے اور آپ کا مقابلہ سات صلیبی بادشاہوں کی متحدہ فوج کے ساتھ ہے جس میں دو ہزار دو سو سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے نائٹ ہیں۔ ان کی دوسری فوج نیم زرہ پوش ہے۔ اس فوج کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اپنے مستقر کے قریب ہے اور یہ سارا علاقہ اس کا اپنا ہے جہاں اُسے رسد کی کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ ہمیں دو جنگیں لڑنی ہیں۔ ایک براہِ راست دشمن کے خلاف اور دوسری اِن دشواریوں کے خلاف جو ہمیں درپیش ہیں۔ یہ دشواریاں دشمن کی طرف منتقل کرنی ہیں۔"

اُس نے نقشہ پھیلا کر اپنی تلوار کی نوک سے سب کو بتایا کہ اس کا میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ جو سالار اس جگہ سے واقف تھے انہوں نے چونک کر سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ سلطان ایوبی ان کے استعجاب کو سمجھ گیا اور مسکرایا۔

"یہ حطین کے مضافات کا میدان ہے۔" اس نے کہا۔ "آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ زمین سوکھے ہوئے درخت کی کھال کی طرح خشک، اونچی نیچی اور موسم کی بے رحمی سے کٹی پھٹی ہے اور یہ زمین اتنی پیاسی ہے کہ انسانوں اور ہمارے گھوڑوں کا خون پی جائے گی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے اردگرد اونچی نیچی ٹیکریاں ہیں۔ ہاں، یہ سب بے آب و گیاہ اور پیاسی ہیں۔ یہ لوہے کی طرح تپ رہی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں جو سوال ہے وہ میں سمجھتا ہوں۔ وہ کون سی فوج ہے جو اس جہنم نما علاقے میں لڑے گی؟ — وہ ہماری فوج ہوگی۔ آپ کے ہلکے پھلکے سواروں کے دستے (ہوٹ کیولری) یہاں تتلیوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور وہ لوہے کے لباس میں طمبوس نائٹوں اور نیم زرہ پوش صلیبی سواروں کو نچاتے پھریں گے۔ دشمن کے یہ سوار اور پیادے لوہے کی تپش سے بہت جلدی پیاس سے بے حال ہو جائیں گے اور لوہے کا وزن انہیں اتنی پھرتی سے حرکت نہیں کرنے دے گا جس تیزی سے ہلکے سوار بھاگیں دوڑیں گے....

"آپ جانتے ہیں کہ میں ہر کارروائی جمعہ کے مبارک روز کیا کرتا ہوں۔ میں اس وقت آگے بڑھوں گا جب مسجدوں میں قوم خطبہ سن رہی ہوگی۔ یہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ میں نے ہر قصبے اور ہر گاؤں میں اطلاع بھجوا دی تھی کہ جمعہ کے روز دعاؤں میں اپنے ان مجاہدین کو شامل رکھا کریں جو جمعہ کی نماز سے محروم ہو کر میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر گرتے ہیں۔ اٹھتے ہیں اور جمعہ نہ پڑھ سکنے کا خراج لہو کے نذرانوں سے ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ ہوگا جب سورج سر پر ہوگا اور لوہے کو بھٹی کی طرح گرم کر دے گا....

"اور یہ دیکھو۔ یہ گیلیلی کی جھیل ہے اور یہ دریا ہے۔" اس نے تلوار کو چھڑی کی طرح نقشے پر مار کر کہا۔ "اور یہ وسیع تالاب ہے جس میں پانی ہے۔ باقی تمام تالاب خشک ہو گئے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جسے صلیب کے پجاری

جون کہا کرتے ہیں۔ میں پانی اور دشمن کے درمیان آ سکتا ہے۔ میں الفاظ میں دشمن کو پانی سے محروم کر چکا ہوں، اُس کو عملی طور پر پیاسا مارنا آپ کا کام ہے۔ دشمن حطین کے میدان میں لڑنے سے گریز کرے گا، میں اُسے وہیں لڑاؤں گا۔ فوج کو میں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مظفر الدین اور میرا بیٹا الافضل ہم میں نہیں ہیں۔ وہ ایک حصے کو ساتھ لے کر دریائے اردن جسیل گیلیلی کے جنوب سے پار کر گئے ہیں۔ یہ دستے لبنون (جبل طور) تک پہنچیں گے، شاید پہنچ چکے ہوں گے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جو میں دشمن کو دے رہا ہوں۔"

اس نے فوج کے باقی تین حصوں کی تفصیلات اور اُن کے مشن بتلائے۔ ان تین میں سے ایک حصہ (یزدانسلی) اپنی کمان میں رکھا۔ مؤرخین کے مطابق یہی حصہ ریزرو اور ٹاسک فورس کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ یہ فیصلہ کن کارروائی کے لیے تھا۔ ان حصوں کو مختلف مقامات سے دریا پار کرایا گیا۔ صلیبی اپنے مخبروں اور دیکھ بھال کے دستوں کے ذریعے یہ نقل و حرکت دیکھ رہے تھے لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان ایوبی کا پلان کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے جسیل گیلیلی کے مغربی کنارے پر فبریہ کے مقام پر ایک پہاڑی پر ہاڈیرے ڈالے۔

☆

صلیبیوں کو ایک اور دھوکہ بھی ہوا۔ سلطان ایوبی اکثر چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑا کرتا تھا جس میں زیادہ مارنا تھا۔ کم سے کم نفری سے دشمن کی زیادہ تعداد پر "مارو لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر حملے کرتا اور دشمن کو پھیلا دیتا تھا۔ صلیبی اس کی اسی جنگ کے لیے تیار تھے۔ اس کی فوج کا جو حصہ مظفر الدین اور الافضل کی زیرِ کمان دریا پار کر گیا تھا اس نے صلیبیوں کی فوج کی چوکیوں (آؤٹ پوسٹوں) پر شبخون مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اس سے صلیبیوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ سلطان ایوبی اپنے مخصوص انداز سے لڑے گا، لیکن اب اس نے کوئی اور ہی انداز سوچ رکھا تھا۔ چھاپہ ماروں کو اُس نے حسبِ معمول وہی مشن دیئے جو ہر جنگ میں دیا کرتا تھا۔

صلیبی فوج تکیہ بندیوں میں تھی اور باہر بھی تھی۔ سلطان ایوبی نے تیز رفتاری سے فوج کو اس طرح ڈسپلائے کیا کہ جسیل تبریہ اور جو ایک دوسرے کے قریب تھے وہ اس کے قبضے میں آ گئے۔ صلیبیوں کی فوج کے ایک حصے (ٹمپلروں) نے سیفوریہ کے مقام پر اجتماع کیا لیکن سلطان ایوبی آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کی بجائے طبریہ کے مقام پر رُکا رہا۔ وہ صلیبیوں کو حطین کے قریب لانا چاہتا تھا۔ صلیبی آگے آتے نظر نہ آئے تو اُس نے پیادہ دستے ذرا سا آگے بڑھا دیئے اور خود ہلکا رسالہ (لائٹ کیولری) لے کر طبریہ پر حملہ کر دیا اور حکم دیا کہ طبریہ کو تباہ و برباد کر کے شہر کو آگ لگا دی جائے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔

طبریہ کا قلعہ خالی کرا لیا گیا تھا۔ فوج قلعہ میں تھی۔ شہر کو بچانے کے لیے فوج قلعے سے نکل کر شہر کو روانہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے اس کا راستہ روک لیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے دوسرے حصے مختلف سمتوں کو روانہ کر دیئے تھے۔ صلیبیوں کی فوج جو قلعے سے آئی تھی اس کی کمان شاہ ریمانڈ کے ہاتھ میں تھی۔ طبریہ کی ٹیکریوں پر اس کی اور سلطان ایوبی کی آمنے سامنے کی لڑائی ہوئی۔ قاضی بہاء الدین شداد اس لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "دونوں فوجوں کے سواروں نے ایک دوسرے پر ہلہ بولا۔ ہراول کے سوار تیر چلاتے آ رہے تھے۔ پھر پیادہ دستوں کو بھی میدان میں لا دیا گیا۔ صلیبیوں کو موت نظر آنے لگی تھی اور مسلمانوں کو پیچھے دریا اور سامنے دشمن نظر

آ رہا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے لیے ان کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی، اس لیے دونوں فوجیں اتنے تہرے نقصان کی متحمل تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔"

سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات مسلمان چھاپہ ماروں نے دشمن کو پریشان رکھا۔ دشمن کی فوج تو گھوڑے پیاسے تھے لیکن پانی پر مسلمان قابض تھے۔ چھاپہ مار دشمن کو پانی کی تلاش میں جانے بھی نہیں دیتے تھے۔ کئی صلیبیوں نے ٹیکریوں پر چڑھ کر لڑائی لڑی۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے مگر صلیبی للہندیوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مسلمانوں کا رسالہ چونکہ ہلکا تھا اس لیے انہوں نے ٹیکریوں کا گھیرا کر کے اوپر چڑھنا شروع کیا پیادہ تیر اندازوں نے اُن کے سروں کے اوپر سے تیر برسائے۔ اتنے میں صلیبیوں نے دیکھا کہ ان کے کمانڈر کا جھنڈا نظر نہیں آ رہا۔ یہ فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ ان کا بادشاہ ریمانڈ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے۔ حالانکہ اس نے صلیبِ اعظم پر ہاتھ رکھ کر اپنے اتحادیوں کا وفادار رہنے اور پیٹھ نہ دکھانے کا حلف اٹھایا تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ صلیبِ اعظم حطین کی اس جنگ میں ساتھ لائی گئی تھی۔

صلیبیوں کے بھاگنے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ اب دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ للہندیاں اُن کی مدد کر رہی تھیں۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ مسلمان فوج نے بے انداز خشک گھاس اور لکڑیاں جمع کر کے صلیبیوں کے ارد گرد آگ لگا دی۔ رات کو سلطان ایوبی کی فوج گھاس اور لکڑیاں جمع کرتی اور آگ تیز کرتی رہی۔ دن بھر کے پیاسے اور تھکے ہوئے صلیبی ٹیکریوں پر تھلنے لگے۔ ان میں سے ایک دستے نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیا۔ دوسرے دن صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور جرنیلوں سمیت سلطان ایوبی کی قید میں آ گئی۔

☆

سلطان ایوبی کی فوج کے دوسرے تین حصے مختلف جگہوں پر اس قسم کی جنگ لڑ رہے تھے کہ کبھی صلیبیوں کے پہلو پر حملہ کرتے اور نکل جاتے اور کبھی عقب پر حملہ کر کے اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ ایک دو پیادہ دستے اس انداز سے دشمن کے سامنے رہے کہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ اس طرح دشمن حطین کے میدان میں آ گیا مگر اُس وقت تک وہ اور اس کے گھوڑے پیاس سے ادھ موئے ہو چکے تھے۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی اس کڑی پر کارروائی شروع کی جو اُس نے حطین کے لیے بنایا تھا۔ یہ بھی جمعہ کا مبارک دن تھا۔ اسے پہلے جاسوسوں نے جن میں للہندیاں اور بکر تابل ذکر ہیں یہ بتا دیا تھا کہ سات صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے، لہٰذا سلطان ایوبی کی جنگی طاقت جو تھی سو تھی، اس نے اپنی پوری فوج کی تقسیم، چھاپہ ماروں کے استعمال، دیکھ بھال کے انتظام اور میدانِ جنگ میں برق رفتار نقل و حرکت کے انداز میں تبدیل اور کارگر طریقے اور داؤ سوچ لیے تھے۔ دشمن کو وہ بڑی خوبی سے حطین میں لے آیا تھا۔ اردگرد کی تکیہ بندیاں اور آبادیوں پر وہ قابض ہو چکا تھا۔ پانی اس کے قبضے میں تھا اور اب موسم کا قہر اُس کے حق میں تھا۔

دشمن جب حطین میں آیا تو وہ جان نہ سکا کہ وہ سلطان ایوبی کی نہایت خوبی سے تقسیم اور ڈسپلائے کی ہوئی

فوج کے نرغے میں آگیا ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے دشمن کی دیکھ بھال کی چوکیوں اور گشتی ٹیموں، آؤٹ پوسٹوں اور رسد کے لیے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ رات کو وہ دشمن کو نہ آرام کرنے دیتے تھے نہ جرنیلوں کو سوچنے کی مہلت دیتے تھے۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی کی فوج کے درمیانی حصے نے آگے سامنے حملہ کیا۔ ٹیکریوں کی وجہ سے میدانِ جنگ تنگ تھا۔ صلیبی ادھر اُدھر سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو مسلمانوں کا لائٹ رسالہ حرکت میں آجاتا۔ تیر انداز بلندیوں پر تھے جہاں سے وہ صلیبیوں پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ سلطان ایوبی کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی اوپر جاتا کبھی نیچے آتا اور اُس کے سوار فاصد پیغام لا اور لے جا رہے تھے۔ صلیبی ناشتوں کو زرہ بکتر بلا رہی تھی۔ سان کے گھوڑے پیاسے تھے۔ پانی سامنے نظر آرہا تھا جو پیاس کو بڑھا رہا تھا۔

صلیبیوں نے کک سٹوا کر ایک جوابی حملہ کیا جو اُن کی آخری اُمید تھی جہاں انہوں نے حملہ کیا وہاں کی کمان تقی الدین کے ہاتھ تھی۔ اُس نے حملہ روکنے کے لیے اپنے دستوں کو نیم دائرے کی شکل میں کر دیا۔ دشمن سیدھا اندر گھس آیا۔ تقی الدین نے نیم دائرے کے سرے بند کر دیئے اور صلیبی گھیرے میں آگئے۔ مسلمان سواروں نے انہیں کاٹ اور کچل ڈالا۔

اب جنگ کی یہ صورت تھی کہ صلیبی حطین کے میدان میں دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ حطین سے دُور ان کا اگر کوئی دستہ رہ گیا تھا تو اُسے مسلمانوں نے وہیں بیکار کر دیا جہاں وہ تھا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ عکرہ کا پادری "حاملِ صلیبِ اعظم" صلیب الصلبوت کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا یعنی جس صلیب پر صلیبیوں نے اسلام کو ختم کرنے کے حلف اٹھائے تھے وہ صلیب میدانِ جنگ میں لائی گئی تھی مگر صلیبی بادشاہوں نے پیٹھ دکھانی شروع کر دی۔ گائی آف لوزینان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ اُسے مسلمان سواروں نے دیکھ لیا اور انہیں زندہ پکڑ لیا۔

عکرہ کا پادری مارا گیا اور صلیب اعظم مسلمانوں کے قبضے میں آگئی۔ مشہور مؤرخوں اس صلیب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے صلیب وہاں کے عیسائیوں کو احترام سے لوٹا دی تھی۔

شام تک جنگِ حطین کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ صلیبیوں کے جانی نقصان کا کوئی شمار نہ تھا۔ باقی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کے سامنے جو قیدی لائے گئے ان میں ریمانڈ کے سوا باقی چھ استحکامی تھے اور اُن میں کرک کا شہزادہ ارناط بھی تھا جسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم سلطان ایوبی نے کھائی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں۔ اور اس کا تفصیلی ذکر قاضی بہاؤالدین شداد نے کیا ہے) کہ سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ جیفرے کو شربت پیش کیا۔ جیفرے نے آدھا شربت پی کر گلاس ارناط کو دے دیا۔

ارناط شربت پینے لگا تو سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے گرج کر کہا — "اُسے (ارناط سے) کہو کہ اسے میں نے نہیں اپنے بادشاہ نے شربت دیا ہے۔ عربی بیزنطی صرف اس دشمن کو شربت پیش کرتے ہیں جس کی وہ جان بخش کر دیتے ہیں۔ میں نے ارناط کو شربت پیش نہیں کیا۔" بہاؤالدین شداد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

سلطان نے ملازموں سے کہا کہ ان سب کو کھانے پر بٹھاؤ۔ جب سب کھانے والے خیمے میں جا کر کھانا کھا چکے تو سلطان نے پھر جیفرے اور ارناط کو اپنے خیمے میں بلایا۔ اس نے ارناط سے کہا کہ تم ہمیشہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرتے رہے ہو۔ تمہاری نجات اس میں ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ ارناط نے انکار کر دیا۔ سلطان ایوبی کو یہی توقع تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی اور ایک ہی وار سے ارناط کا ایک بازو جسم سے الگ کر دیا اور چلا کر کہا — "مردود! تو نے میرے رسول کی توہین کی۔ اگر یہ گالیاں مجھ دیتا تو آج تو زندہ نہ ہوتا۔" مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کے خیمے میں اس کے چند تین سالار تھے۔ انہوں نے تلواروں سے ارناط کو ختم کر دیا۔ سلطان نے نفرت کے لہجے میں حکم دیا — "اس ناپاک لاش کو باہر پھینک دو۔"

قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے — "سلطان ایوبی نے اس کی لاش خیمے سے باہر اور اس کی روح جہنم کے اندر پھینک دی۔"

بادشاہ جیفرے نے اپنے اتحادی کا یہ انجام دیکھا تو اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اُس کی باری ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور تحمل سے کہا — "بادشاہ بادشاہوں کو قتل نہیں کیا کرتے لیکن اس کے گناہ ایسے تھے کہ مجھے اسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم کھانی پڑی۔ آپ نہ ڈریں۔"

قیدی بادشاہوں کو قیدیوں کے خیموں میں بھیج دیا گیا اور سلطان ایوبی سجدے میں گر پڑا۔

☆

کرک کے محل میں رات خاموش تھی۔ وہاں ارناط بھی نہیں تھا اور اس کے جرنیل اور درباری بھی نہیں تھے۔ وہاں اس کے حرم کی عورتیں تھیں، کلثوم تھی اور ان کے نوکر اور نوکرانیاں تھیں اور قلعے میں مختصر سی فوج تھی۔ وہاں ابھی ارناط کی موت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ اس وقت تک کلثوم سو جاتی تھی۔

ایک عورت دبے پاؤں کلثوم کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ کلثوم کے پلنگ تک پہنچی۔ کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی۔ عورت نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور پوری طاقت سے خنجر کا وار کیا لیکن اسے کوئی چیخ نہ سنائی دی۔ خنجر پلنگ میں اتر گیا تھا۔ اس نے بستر پر ہاتھ پھیرا۔ وہاں کلثوم نہیں تھی۔ عورت یہ سمجھ کر کہ کلثوم کہیں نکل گئی ہوگی۔ پلنگ کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گئی۔

ذرا سی دیر بعد کمرے میں دبے پاؤں کسی کی آہٹ سنائی دی جو پلنگ تک گئی۔ عورت نے اُٹھ کر اس پر خنجر کا وار کیا۔ فوراً بعد اس کے اپنے پیٹ میں خنجر اُتر گیا۔ پھر دونوں طرف سے خنجروں کے وار ہوئے، دونوں باہر کو دوڑیں اور باہر جا کر گر پڑیں۔ حرم کی دوسری عورتوں نے دیکھا کہ ان میں کلثوم نہیں تھی۔ یہ دونوں حرم کی عورتیں تھیں جو کلثوم کو قتل کرنے گئی تھیں۔ اسی رات دونوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مگر یہ غلط فہمی رہی کہ قتل

کرنے کون جائے گی۔ اندھیرے کمرے میں دونوں نے ایک دوسری کو کلثوم سمجھا۔

اُس وقت کلثوم محل سے ہی نہیں کرک سے ہی نکل گئی تھی۔ اسی روز بکر کو اپنے جاسوس ساتھیوں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ حطین میں صلیبیوں کو بہت بُری شکست ہو رہی ہے۔ کرک کے جاسوسوں نے ہی بکر کو مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ کلثوم کو لے کر نکل جائے۔ کلثوم کے لیے رات قلعے کا دروازہ کھلوانا مشکل نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شہزادہ ارناط کی چہیتی ہے۔ بکر نے محمد سیبل کے روپ میں اس کے ساتھ اور اُسے شاہی بگھی میں لے جا رہا تھا۔ حرم کی کوئی عورت کلثوم کو جاتے نہیں دیکھ سکی تھی۔

شہر سے دُور جا کر انہیں وہ دو گھوڑے مل گئے جو جاسوسوں کے انتظام کے تحت وہاں انتظار میں کھڑے تھے۔ بگھی وہیں چھوڑ دی گئی۔ کلثوم اور بکر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور غائب ہو گئے۔ دوسرے دن راستے میں انہیں اپنی فوج کے ایک قاصد نے بتایا کہ صلیبیوں کو شکست ہو چکی ہے، ارناط مارا جا چکا ہے اور سلطان ایوبی ابھی حطین اور ناصرہ کے علاقے میں ہے۔ کلثوم سلطان کے پاس جانا چاہتی تھی۔

وہ جھیل گیلیلی پہنچ گئے ــــ اور جب کلثوم کو سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا تو وہ سلطان کے پاؤں پر گر پڑی۔

"میری بیٹی!" ــــ سلطان ایوبی نے اُسے اُٹھا کر شفقت سے گلے لگایا اور کہا ــــ "میری اس فتح میں تم جیسی نہ جانے کتنی بیٹیوں کا ہاتھ ہے۔"

"میں اُس کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں" ــــ کلثوم نے کہا۔

"سب کی لاشیں دریا میں پھینک دی گئی ہیں" ــــ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "اُسے میں نے اپنے ہاتھوں سزا دی ہے... تمہیں کل تلہو بھجوا دیا جائے گا۔ مجھے ابھی بہت دُور جانا ہے۔ جہاں بھی رہو بیٹی! میرے لیے دُعا کرتی رہنا کہ میں آگے ہی آگے دُور ہی دُور جاتا رہوں اور جہاں شام کو سورج ڈوب جاتا ہے وہاں تک اللہ اور اُس کے رسولؐ کا پیغام پہنچا دوں۔"

حطین کی فتح اس لیے بہت اہم تھی کہ اس سے سلطان ایوبی نے ارضِ فلسطین کا دروازہ توڑ لیا اور اُس میں داخل ہو گیا تھا۔ اتنا وسیع علاقہ لے کر اس کے لیے بیت المقدس کی فتح آسان ہو گئی تھی۔ اس نے اس علاقے کو فوجی مستقر بنا لیا اور بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تیاری اور اسلحہ اور رسد ذخیرہ کرنے لگا۔

☆

فصلِ صلیبی جس نے کاٹی کشتی

حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو فتح حاصل کی تھی وہ معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ سات صلیبی حکمران متحد ہو کر سلطان ایوبی کی جنگی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے اور اس کے بعد مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے آئے تھے لیکن وہ اپنی جنگی قوت کا یہ حشر کرا بیٹھے جیسے صحرا کا ٹیلہ آندھی سے ریت کے ذرّوں کی صورت میں صحرا میں بکھر جاتا ہے۔ چار شہزادے اور خاتون حکمران جنگی قیدی بنے جن میں یروشلم (بیت المقدس) کا حکمران گائی آف لوزینان قابلِ ذکر ہے۔ صلیبی فوج کا مورال ٹوٹ گیا اور سلطان ایوبی کی فوج کا مورال بلند ہو گیا۔

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ چھاپہ ماروں کی جنگ جاری تھی۔ وہ بھاگنے والے صلیبی سپاہیوں کو پکڑ رہے تھے۔ صلیبیوں کے حوصلے اس حد تک پست ہو چکے تھے کہ قاضی بہاؤالدین شداد کے الفاظ میں "ایک شخص نے جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ سچ بولتا ہے، مجھے بتایا کہ اس نے اپنی فوج کے سپاہی کو دیکھا جو تیس صلیبی سپاہیوں کو خیمے کی ایک ہی رسّی سے باندھے ہوئے لا رہا تھا۔" ایسے مناظر تو کئی ایک دیکھنے میں آئے کہ ایک ایک مسلمان سپاہی کئی کئی صلیبی سپاہیوں کو نہتہ کر کے ہانک کر لا رہا ہے۔ بعض یورپی مؤرخوں نے صلیبیوں کی اس شکست کے اسی قسم کے کئی واقعات لکھے ہیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی اہلیت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بحیرۂ روم کے ساحل پر اسرائیل کے شمال میں عکرہ ایک مشہور شہر تھا جسے بعض نے عکہ بھی لکھا ہے۔

اس شہر کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں صلیبِ اعظم کا محافظ پادری رہتا تھا۔ پہلی قسط میں سنایا جا چکا ہے کہ وہ صلیب عکرہ کے بڑے گرجے میں رکھی تھی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو اسی پر مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے صلیب الصلبوت کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے والے بلکہ دنیائے عرب پر قبضہ کرنے کے لیے لڑنے والے عیسائی اسی صلیب پر حلف اٹھاتے تھے۔ اسی لیے انہیں صلیبی کہا گیا تھا۔ حلف اٹھانے والے ہر صلیبی کے گلے میں لکڑی کی چھوٹی سی صلیب تعویذ کی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ لہٰذا جتنے صلیبی فوجی جنگ میں گرتے تھے اتنی ہی صلیبیں گرتی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کو فصلِ صلیبی کہا ہے۔

حطین اور اس کے گرد و نواح کے میل ہا میل علاقے میں اور اس سے بھی دُور دُور جہاں جہاں جنگ لڑی گئی تھی صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ مرنے والے تڑپ تڑپ کر مرے تھے۔ معمولی طور پر زخمی ہونے والے بھی مر گئے تھے جس کی وجہ زخم نہیں پیاس تھی۔ آہن پوش نائٹوں کے لیے زرہ بکتر تنور بن گئی اور ان کی موت کا باعث بنی تھی۔ زخمیوں کو پانی پلانے والا کوئی نہ تھا، نہ کوئی ان کی مرہم پٹی کرنے والا تھا۔ ان میں مسلمان زخمی اور شہید بھی

تھے۔ انہیں رات مشعلوں کی روشنی میں اُٹھایا گیا تھا۔

آج کے دور کا ایک مؤرخ انتونی ولیسٹ اُس دور کے مؤرخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ حطین کے میدانِ جنگ میں لاشوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر تھی۔ لاشیں اٹھانے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ اُن کے جو ساتھی زندہ رہے وہ جنگی قیدی ہو گئے یا تتر بتر ہو کر بھاگ گئے تھے۔ انتونی ولیسٹ نے لکھا ہے کہ ان لاشوں کو مردار خور پرندوں اور درندوں نے کھایا۔ مردار خور اتنے نہیں تھے جتنی لاشیں تھیں۔ بہت سی لاشیں چند دنوں میں ہڈیوں کے سالم ڈھانچوں میں بدل گئیں۔ بلندی سے دیکھنے والوں کو حدِ نگاہ تک زمین ہڈیوں کی وجہ سے سفید نظر آتی تھی۔ ان ہڈیوں میں ہزاروں چھوٹی چھوٹی صلیبیں بکھری ہوئی تھیں جیسے پکے ہوئے پھل سے پھل گر کر خشک ہو گیا ہو۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ فصل کاٹ ڈالی تھی۔ اسے اس علاقے کو لاشوں سے صاف کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اُسے وہاں رُکنا نہیں تھا۔ اس کی منزل بیت المقدس تھی لیکن وہ باتیں عکرہ کی کر رہا تھا۔ عکرہ کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ صلیبہ الصلبوت کی بدولت اسے وہی مقام حاصل ہو گیا تھا جو ہمارے لیے مکہ معظمہ کا ہے۔ تمام صلیبی حکمران عکرہ جا کر صلیب کے محافظِ اعظم سے دُعا لیتے اور صلیبِ اعظم کو چُوم کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔ لیکن اب یہ صلیب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے باہر پڑی تھی۔ اُس کا محافظِ اعظم پادری مارا جا چکا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ صلیبی دل چھوڑ بیٹھے تھے۔

☆

"ہمیں اب سیدھا عکرہ پر یلغار کرنی ہے۔" سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور نائب سالاروں سے کہا۔ "اللہ کا شکر ادا کرو کہ ہمیں پورا محاصرہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔" اس نے سب پر نگاہیں دوڑائیں اور مسکرا کر کہا۔ "یہ نہ سمجھو کہ مجھے آپ کی اور آپ کے دوستوں کی تھکن کا احساس نہیں۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ تمہارا حج مسجدِ اقصیٰ میں ہو گا۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے بیٹھ گئے تو صلیبی کہیں جمع ہو کر تازہ دم ہو جائیں گے۔ ہمیں انہیں خیمہ لگانے کی بھی مہلت نہیں دینا چاہیے۔"

سالار حیران ہوتے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ سلطان ایوبی بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا حکم دے گا مگر اس نے عکرہ پر حملے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس کے پیچھے صلیب الصلبوت رکھی تھی۔ اُس نے صلیب کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔ حاضرین پر خاموشی طاری رہی۔ اس نے اچانک تیزی سے سالاروں کی طرف گھوم کر کہا۔ "میرے رفیقو! یہ دو تہذیبوں کی جنگ ہے۔ یہ حق اور باطل کا تصادم ہے۔ اس صلیب پر جما ہوا خون دیکھو۔ یہ خون حضرت عیسیٰؑ کا نہیں۔ یہ خون اس پادری کا نہیں جسے عیسائی دنیا اس صلیب کا محافظ مانتی تھی اور یہ خون ان راہبوں کا بھی نہیں جنہوں نے یہ آخری صلیبی صلیبی جنگ میں اُٹھا رکھی تھی۔ وہ سب اللہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں لیکن یہ خون اُن میں سے کسی کا بھی نہیں۔ یہ باطل کا خون ہے، یہ بے بنیاد عقیدے کا اور یہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظریے کا خون ہے۔"

سلطان ایوبی کی آواز میں جذبات کا جوش پیدا ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ "میں ہر جنگی مہم جمعہ کے روز شروع کرتا ہوں۔

پیش قدمی جمعہ کے روز کرتا ہوں۔ جمعہ مبارک دن ہے۔ میں ہر مہم کی ابتدا جمعہ کے خطبے کے وقت کیلئے تاکہ یہ وقت قبولیت ایزدی کا ہوتا ہے اور جب تم دشمن سے لڑ رہے ہوتے ہو تم پر تیروں کا مینہ برس رہا ہوتا ہے، دشمن کی منجنیقیں تم پر آگ اور پتھر برسا رہی ہوتی ہیں اُس وقت قوم کے ہر فرد و بشر کے ہاتھ اللہ کے حضور قبولیت اور فتح کے لیے اٹھے ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے ٹوبی جمعہ کے روز فتح کی تھی؟ اور تم فاتح ہو۔ تمہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے۔ یہ ہمارے عظیم عقیدے اور نظریے کی فتح ہے۔ یہ چاند ستارے اور چوبی صلیب کا معرکہ تھا جو چاند ستارے نے جیت لیا..... میں تم سے یہ باتیں کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس لیے کہ تم میں سے کسی کے دل میں اپنے عقیدے کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ رفع ہو جائے اور تم اللہ کی رسی کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو....

"تم شاید حیران ہو رہے ہو کہ میں نے عکرہ پر حملے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ صلیبیوں نے ایک بار مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ شہزادہ ارناط کا وہ حشر دیکھ کر ہی مکہ معظمہ سے صرف دو کوس دور رہ گیا تھا۔ میں نے ارناط سے مکہ معظمہ کو بُری نظر سے دیکھنے کا انتقام لے لیا۔ اب مجھے صلیبیوں کے حکمرانوں اور ناشتوں سے انتقام لینا ہے۔ عکرہ ان کا مکہ ہے۔ میں اُسے تہ تیغ کروں گا۔ جسمانی تشنگی کی جو بے حرمتی ہو رہی ہے میں اس کا انتقام لوں گا..... اور جنگی لحاظ سے بیت المقدس سے پہلے عکرہ پر قبضہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے صلیبیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔"

سلطان ایوبی نے بہت بڑا نقشہ جو اُس نے اپنے ہاتھ سے بنا رکھا تھا، کھول کر سب کے آگے پھیلایا اور حطین پر انگلی رکھ کر کہا۔ "تم اس وقت یہاں ہو"۔ وہ اپنی انگلی اس طرح عکرہ تک تیزی سے لے گیا جیسے اُس نے کچھ کاٹنے کے لیے خنجر کی نوک چلائی ہو۔ کہنے لگا۔ "میں صلیبیوں کی حکمرانی کو دو حصوں میں کاٹ کر ان حصوں کے دو ٹکڑے آباؤں گا۔ عکرہ پر قبضہ کر کے میں ٹائر، بیروت، حیفہ، عسقلان اور چھوٹے بڑے تمام ساحلی شہروں اور قصبوں کو تباہ و برباد کروں گا۔ کسی بھی صلیبی کو خواہ وہ فوجی ہے یا غیر فوجی ان علاقوں میں نہیں رہنے دوں گا۔ ساحلی علاقوں پر قبضہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یورپ کی کچھ اور بادشاہیاں اپنے صلیبی بھائیوں کی مدد کے لیے اپنی فوجیں، مال و دولت اور جنگی سامان بھیجیں گی۔ ساحل تمہارا ہو گا تو دشمن کا کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب نہیں آ سکے گا۔ یہاں سے ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں جنگ جاری رکھنی چاہیے۔"

اگر آپ فلسطین (موجودہ اسرائیل) اور لبنان کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو جھیل گلیلی کے کنارے پر حطین اور اس کے بالمقابل سمندر کے کنارے عکرہ نظر آئیں گے۔ جنوب میں یروشلم (بیت المقدس) ہے۔ حطین سے عکرہ پچیس میل اور حطین سے بیت المقدس ستر میل ہے۔ آج کے لبنان اور فلسطین پر صلیبی قابض تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پلان بنا لیا تھا کہ حطین سے عکرہ تک اس طرح پیشقدمی کرے گا کہ راستے میں آنے والے علاقوں پر قبضہ کرتا جائے گا، اور وہاں کے صرف مسلمان باشندوں کو وہاں رہنے دے گا اور صلیبیوں کو وہاں سے نکال دے گا۔ جنگی علوم کے ماہرین نے اسے نہایت عمدہ پلان کہا ہے۔ سلطان ایوبی نے یہ پلان صلیبیوں کی جنگی قوت کو دو حصوں میں کاٹنے

کے لیے ہی بنایا تھا۔ اس کی فوج صلیبیوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے اتنے زیادہ جانی نقصان کے باوجود کم تھی، لیکن اُس کی جنگی چالیں صلیبیوں سے برتر اور نقل و حرکت کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆

"عکرہ کا دفاع بہت مضبوط ہے"۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہاں جوان اور تندرست مسلمان باشندے قید میں پڑے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی قید میں ہیں۔ وہاں کے عیسائی شہری شہر کے دفاع میں جان کی بازی لگا کر لڑیں گے۔ چونکہ مسلمان قید میں ہیں اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ میں لمبا محاصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری یلغار طوفانی ہونی چاہیے۔ عکرہ تک ہماری پیشقدمی کی حفاظت چھاپہ مار کریں گے۔ پیشقدمی پھیل کر ہو گی۔ راستے میں کوئی بستی آباد نہ رہے مگر سپاہی مالِ غنیمت کے لیے رُکیں نہیں۔ اس کام کے لیے الگ جیش مقرر کر دیئے گئے ہیں۔"

عکرہ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی بوڑھا یا اپاہج مسلمان آزاد نہ ہو گا۔ باقی سب دہشت زدگی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بہاؤالدین شداد نے ان مسلمانوں کی تعداد جو قید میں تھے چار ہزار سے زائد لکھی ہے۔ شداد کے علاوہ اُس دور کے دو وقائع نگاروں نے پانچ اور چھ ہزار کے درمیان لکھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ کل عکرہ مسلمانوں کے لیے قید خانہ تھا۔ کسی مسلمان کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ صلیبیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان چلتی پھرتی لاشیں بن کے رہ جائیں اور اُن کے بچوں میں مذہب اور قومیت کا احساس ہی پیدا نہ ہو۔ وہاں کی مسجدیں ویران ہو گئی تھیں۔

۴ جولائی ۱۱۹۱ء کے بعد وہاں کے مسلمانوں پر صلیبیوں نے ظلم و تشدد کا اضافہ کر دیا۔ گھروں میں جو مسلمان تھے، انہیں بھی ہانک کر کھلے قید خانے میں لے گئے۔ یہ ایک طرح کا بیگار کیمپ تھا۔ وہاں مسلمانوں سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ۵ جولائی ۱۱۹۱ء کے بعد انہیں کام کے لیے باہر نہ نکالا گیا اور اُن پر پہرہ اور سخت کر دیا گیا۔ اس سے ان بدنصیبوں نے اندازہ لگا لیا کہ صلیبیوں کو کہیں شکست ہوئی ہے یا اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ عورتیں خدا کے حضور گڑگڑانے لگیں۔ سجدوں پہ سجدے کرنے لگیں۔ قید خانے میں سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ ماؤں نے ننھے ننھے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر دعا کے لیے اُٹھائے اور کہا۔ "بیٹا! کہو اللہ۔ اسلام کو فتح دے۔ کہو، میرے اللہ، باہر کے مسلمانوں کو ہمت دے کہ ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے جائیں۔"

سینکڑوں بچے اور سینکڑوں عورتیں اللہ کے حضور دست بدعا تھیں۔ بچے اپنی ماؤں کو سسکتا دیکھ کر رونے لگے تھے۔ انہیں آہ و بکا سنائی دی اور اس کے ساتھ کوڑوں کے زناٹے بھی سنائی دینے لگے۔ سب سہم گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی لائے جا رہے تھے۔ یہ شہر کے وہ باشندے تھے جو گھروں میں تھے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے آئے تھے۔ اُن پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔

۶/۷ جولائی کی درمیانی رات آدھی گزر گئی تھی جب شہر میں ہڑبونگ بپا ہو گئی اور آگ کے شعلے کہیں کہیں سے بلند ہونے لگے۔ تیراس کھلے قید خانوں میں بھی گرنے لگے۔ ان قیدیوں کے اردگرد خشک خاردار جھاڑیوں کی گھنی باڑ بھی ہوئی تھی اور رسّوں کے جال بھی تنے ہوئے تھے۔ رات کو قید خانے کے اردگرد جگہ جگہ مشعلیں جلا کر رکھ دی گئیں تاکہ قیدیوں پر نظر رکھی جا سکے۔ کسی قیدی نے باہر سے آیا ہوا ایک تیر اُٹھا کر مشعل کی روشنی میں معاونین کو چلا کر کہا۔ "میں اس تیر کو پہچانتا ہوں۔ یہ اسلامی فوج کا تیر ہے۔"

رسّوں کے جال میں سے ایک تیر سنسناتا آیا جو اس قیدی کے سینے میں اُتر گیا۔ کسی صلیبی سنتری نے قیدیوں کو خاموش کرنے کے لیے چلایا تھا۔ شہر جاگ اُٹھا۔ شہر اور قلعے کی دیواروں پر بھاگ دوڑ اور شور میں دفاعی انتظامات کا اعلان کیا جا رہا تھا۔ کمانوں سے تیر نکلنے کی آوازیں برستی جا رہی تھیں۔ باہر اللہ اکبر کے نعرے گونج رہے تھے۔ دمک دھماکے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ یہ بڑے بڑے پتھر تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی منجنیقیں دیوار کے کسی ایک مقام پر پھینک رہی تھیں۔

☆

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ تھا جو محاصرہ کم اور یلغار زیادہ تھی۔ شہر میں آگ پھینکنے والی منجنیقوں کے علاوہ دروازوں اور دیوار پر وزنی پتھر پھینکنے والی بڑی منجنیقیں بھی استعمال کی جا رہی تھیں۔ بلند مچانیں ساتھ لائی گئی تھیں۔ ہر ایک مچان میں دس اور بیس تک سپاہی کھڑے ہو سکتے تھے۔ ان کے نیچے پہیے تھے۔ انہیں گھوڑے یا اونٹ کھینچتے تھے۔ یہ متحرک مچانیں دیوار تک لے جائی جاتی تھیں مگر صلیبی شہر کے دفاع میں بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ شہری بھی اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی متحرک مچانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مار کر مسلمان جانبازوں کو ختم کر دیتے تھے۔ بعض مچانیں جو دیوار کے قریب چلی گئی تھیں، ان پر صلیبیوں نے جلتی ہوئی مشعلیں پھینکیں اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر انہیں جلا ڈالا۔

اندر قیدی کیمپ میں اب یہ کیفیت تھی کہ ہزارہا قیدی ایک ہی آواز میں لا الٰہ الا اللہ کا بلند ورد کر رہے تھے۔ عورتوں نے جھولیاں پھیلا رکھی تھیں اور بہتے آنسوؤں سے مردوں کے ساتھ آواز ملا کر کلمۂ شہادت کا ورد کر رہی تھیں۔ پھر کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "نصر من اللہ و فتح قریب"۔ تو اس کے تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کی آوازیں ایک آواز بن گئی جو جنگ کے شور و غل سے زیادہ بلند تھیں اور سارے شہر میں سنائی دے رہی تھی۔

دو تین سنتری اندر آ گئے۔ وہ قیدیوں کو خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ تین چار جوشیلے جوان اُٹھے اور سنتریوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہنگامہ بپا تھا۔ باقی قیدی باہر کو دوڑے مگر تیروں کی بوچھاڑ نے آگے والوں کو گرا دیا، پھر گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ قیدی اندر کو بھاگے اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ سواروں کی برچھیوں سے شہید ہو گئے۔ فرار کا میلاب نہ ہو سکا۔ عورتیں اور بچے اللہ کے حضور سجدے کرنے لگے اور بھی سب ایک ہی آواز میں کلام پاک کا ورد کرنے لگے۔

رات بھر سلطان ایوبی کے جانباز جیش دیوار تک پہنچنے اور شگاف ڈالنے یا سرنگ کھودنے کے لیے آگے بڑھتے رہے اور اوپر سے صلیبی ان پر تیر، پتھر اور آگ پھینکتے رہے۔ سلطان ایوبی بے دریغ قربانی دے رہا تھا۔ شہر کی دیوار کے ایک مقام پر بڑی منجنیقوں سے وزنی پتھر برسائے جا رہے تھے۔ صبح طلوع ہوئی تو دیوار پر ہر طرف عکرہ کے شہری اور فوجی

کمیوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ وہ تیر برسا رہے تھے۔ یہ بھی نظر آیا کہ دیوار ایک جگہ سے پھٹ رہی تھی۔ سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار فوج کے پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ جہاں سے دیوار پھٹ رہی ہے، اس کے اوپر اور دائیں بائیں سے دشمن پر تیروں کا مینہ برسا دو۔ اس نے دوسری طرف سے بھی تیر انداز بلا کر اسی مقام پر مرکوز کر دیئے۔ اُس نے سُرنگیں کھودنے والے حبشیوں سے کہا کہ دوڑ کر دیوار تک پہنچیں۔

جانبازوں کا حبشی پہنچ گئے۔ دیوار کے اوپر اتنے زیادہ اور اتنے تیز تیر برسائے جا رہے تھے کہ اوپر والوں کے لیے سر اٹھانا محال ہو گیا۔ جانبازوں نے دیوار میں اتنا شگاف ڈال لیا جس میں سے دو آدمی بیک وقت گزر سکتے تھے۔ سپاہیوں میں اس قدر جوش و خروش تھا کہ وہ حکم کے بغیر شگاف کی طرف اُٹھ دوڑے اور ایک دوسرے کے پیچھے اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے دیوار کے اوپر سے نیچے آتے اتنا وقت لگا دیا کہ بہت سے مسلمان سپاہی اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا مگر ان مسلمان عورتوں اور معصوم بچوں کی دعائیں جو اندر قید میں پڑے کفر کا ظلم و ستم سہ رہے تھے، عرش تک پہنچ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کی دراصل قوت تو یہ تھی۔

☆

شہر کے اندر بھگدڑ بپا ہو گئی۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ صلیب العلبوت مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ اس کا محافظِ اعظم مارا گیا ہے۔ حطین کی جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی سپاہی بھی اس شہر میں آئے تھے۔ کچھ زخمی بھی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست اور پسپائی کو برحق ثابت کرنے کے لیے بڑی دہشت ناک افواہیں پھیلائی تھیں۔ اُن کے اثرات اس وقت سامنے آئے جب سلطان ایوبی کے جانبازوں نے دیوار توڑ ڈالی اور رُکے ہوئے سیلاب کی طرح اندر جا گھسے۔ صلیبیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن شہریوں میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ وہ شہر سے بھاگنے کے لیے دروازوں پر ٹوٹ پڑے اور سپاہیوں کے روکنے کے باوجود دو تین دروازے کھول دیئے۔

شہریوں کا ہجوم دروازوں میں پھنس گیا۔ مسلمان سواروں نے اپنے کمانداروں کے حکم سے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑے شہریوں کو کچلتے ہوئے اندر چلے گئے۔ پھر مجاہدین کے سیلاب کو کوئی نہ روک سکا۔ تمام دروازے کھل گئے اور صلیبی ہتھیار ڈالنے لگے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے کرک کا مستحکم قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبی فوج کے جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کو اکٹھا کر دیا اور اُس جگہ پہنچا گیا جہاں مسلمانوں کے پورے پورے کنبے قید میں پڑے تھے۔ اُن کے سنتری بھاگ گئے تھے اور قیدی پھاٹک اور رسّوں کا جال توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سلطان ایوبی ان سے دُور ہی رُک گیا۔ یہ تو انسانی لاشیں تھیں۔ اُس نے عورتوں اور بچوں کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"جاؤ۔ رسّے کاٹ دو۔ انہیں آزاد کر دو۔" سلطان ایوبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور انہیں یہ نہ بتانا کہ میں یہاں شہر میں موجود ہوں۔ میں اُن کا سامنا نہیں کر سکتا۔"

سلطان ایوبی کے حکم پر چند ایک سوار سرپٹ گھوڑے دوڑا کر پہنچے۔ انہوں نے لکڑی کا پھاٹک توڑ دیا کئی

جگہوں سے رسّوں کا جال کاٹ کر تعاریاں ہٹا دیں۔ قیدیوں کا ہجوم بھاگ کر ان سے نکل رہا تھا۔ مجاہدوں نے اُن پر قابو پانے کے لیے چلا چلا کر کہا۔ "آرام سے نکلو۔ اب تمہیں پکڑنے کوئی نہیں آئے گا۔ وہ دیکھو۔ قلعے پر تمہارا جھنڈا لہرا رہا ہے۔"

"انہوں نے ہمارے گناہوں کی سزا بھگتی ہے۔" سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا۔ "یہ خانہ بدوش کے گناہ تھے جن کی سزا ان معصوموں کو ملی۔ اپنے دین کے دشمنوں کو دوست سمجھنے والوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ قوم کا کیا حشر ہو گا۔ اگر میرا راستہ تخت و تاج کے شیدائی اور خانہ بدوش روک لیتے تو ہمارے ان ہزاروں بچوں اور بیٹیوں کی یہ حالت نہ ہوتی... حضرت عیسیٰؑ نے محبت اور امن کا سبق دیا تھا لیکن صلیب کے پجاریوں میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت بھری ہوئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے فرمان کی بھی پروا نہیں کرتے۔ دنیا میں صرف دو مذہب باقی رہیں گے۔ اسلام اور عیسائیت۔ اگر ہم نے دل سے دنیا کی چھوٹی اقلیتوں کو نہ نکالا تو عیسائیت ہمارے اس کھوکھلے پن سے اسلام کا خاتمہ کر دے گی۔"

سلطان ایوبی اُس جگہ گیا جہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر الگ کھڑے تھے۔ اُس نے کہا۔ "ان سب کو ساحل پر لے جاؤ اور سب کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دو۔ دوسرے جنگی قیدیوں میں سے چھانٹ کر لو جنہیں زندہ رکھنا چاہتے ہو انہیں دمشق بھیج دو اور باقی سب کو ختم کر دو۔ کسی زخمی شہری پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ ان میں سے جو شہر سے جانا چاہتے ہیں انہیں مت روکو، جو یہاں رہنا چاہتے ہیں انہیں عزت سے رہنے دو۔"

۸ جولائی ۱۱۸۷ء کو عکرہ پر قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔

رات جب سلطان ایوبی کھانے سے فارغ ہوا تو اسے اطلاع دی گئی کہ ایک نہایت اہم قیدی اُس کے سامنے لایا جا رہا ہے۔

"کون ہے وہ؟"

"ہرمن۔" سلطان کو بتایا گیا۔ "صلیبیوں کا علی بن سفیان۔"

قارئین نے اس سلسلے کی پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا نام کئی بار پڑھا ہو گا۔ یہ علی بن سفیان کی طرح صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا اور کردار کشی کا ماہر۔ جو صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جاسوسی اور کردار کشی کے لیے بھیجی جاتی تھیں انہیں ٹریننگ دینے والا ہرمن تھا۔ وہ اپنی بہت سی لڑکیوں کے ساتھ عکرہ میں تھا اور پکڑا گیا۔ وہ شہر سے نکل رہا تھا لیکن ایوبی کا ایک جاسوس اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے ہرمن کو اس کے بہروپ میں بھی پہچان لیا۔ وہ لڑکیوں کو کسان عورتوں جیسا لباس پہنا کر ساتھ لے جا رہا تھا۔ جاسوس نے ایک کمانڈر کو بتایا۔

کمانڈر نے دو تین سپاہیوں کے ساتھ ہرمن اور اُس کے زنانہ قافلے کو گھیر لیا۔ ہرمن لڑکیوں کے علاوہ اپنے ساتھ سونا بھی لے جا رہا تھا۔ اس نے لڑکیاں کمانڈر اور اس کے سپاہیوں کے سامنے کھڑی کر دیں اور سونا اُن کے آگے رکھ دیا۔ بولا۔ "جسے جو لڑکی پسند ہے لے لے اور یہ سونا بھی آپس میں بانٹ لو۔"

"مجھے تمام لڑکیاں پسند ہیں۔" کمانڈر نے کہا۔ "اور میں سارا سونا لے لوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

وہ ان سب کو ساتھ لے آیا اور ان سب کو سونے سمیت سلطان ایوبی کے ذاتی عملے کے حوالے کر دیا۔

ہرمن سلطان ایوبی کے لیے اہم اور قیمتی قیدی تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے کمرے میں داخل کر دیا گیا۔

"تم میری زبان جانتے ہو ہرمن!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اس لیے میری زبان میں بات کرو۔ میں تمہارے فن اور تمہاری دانشمندی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تمہاری قدر جتنی میں کر سکتا ہوں اتنی تمہارے حکمران نہیں کر سکے۔ میں تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ مجھ سے باتیں کیے بغیر میرے قتل کا حکم دے دیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔" ہرمن نے کہا۔ "اگر مجھے عکرہ کی فوج کے جرنیلوں اور کمانڈروں کی طرح قتل ہونا اور میری لاش کو مچھلیوں کی خوراک بننا ہے تو باتیں کرنے سے کیا حاصل؟"

"تم قتل نہیں ہو گے ہرمن!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں جسے قتل کرایا کرتا ہوں اس کی صرف صورت دیکھا کرتا ہوں، اُس سے کبھی بات نہیں کی۔"

سلطان نے دربان کو بلایا اور اُسے کہا کہ ہرمن کو شربت پیش کرے۔ ہرمن کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ عرب کے اس رواج سے واقف تھا کہ عربی میزبان دشمن کو پانی یا شربت پیش کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے دل سے دشمنی نکال دی ہے اور اُس نے جان بخشی کر دی ہے۔ دربان نے شربت پیش کیا جو ہرمن نے پی لیا۔

"آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کون کون سے علاقے میں ہماری کتنی کتنی فوج ہے۔" ہرمن نے کہا۔

"اور آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ اُن کی لڑنے کی اہلیت کیسی ہے؟"

"نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارے کس علاقے میں کتنی فوج ہے۔ میرے جاسوس تمہارے سینے کے اندر بیٹھے رہے ہیں.... اور اب مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کہاں کتنی فوج ہے۔ حطین میں تمہاری فوج تھوڑی نہیں تھی۔ تھوڑی فوج میری تھی۔ اب اور تھوڑی رہ گئی ہے۔ ارضِ مقدس سے اب مجھے کوئی فوج نہیں نکال سکتی۔ تم یہ خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی مر گیا ہے، پسپا نہیں ہوا۔"

"اگر آپ کے تمام کمانڈر اس کمانڈر کے کردار کے ہیں جو مجھے پکڑ کر لایا ہے تو میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو بڑی سے بڑی فوج بھی یہاں سے نہیں نکال سکتی۔" ہرمن نے کہا۔ "میں نے اسے جو لڑکیاں پیش کی تھیں انہوں نے آپ کے پتھروں جیسے سالاروں اور قلعہ داروں کو موم کیا اور صلیب کے سائے میں ڈھالا ہے اور سونا ایسی چیز ہے جس کی چمک آنکھوں کو نہیں عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں سونے کو شیطان کی پیداوار کہا کرتا ہوں۔ آپ کے کمانڈر نے سونے کی طرف دیکھا تک نہیں۔ میری فکر انسانی فطرت کی کمزوریوں پر رہتی ہے۔ لذت اور ذہنی عیاشی ایمان کو کھا جاتی ہے۔ میں نے آپ کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کیا ہے۔ جب یہ کمزوریاں کسی جرنیل میں پیدا ہو جاتی ہیں یا پیدا کر دی جاتی ہیں تو شکست اس کے ماتھے پر لکھ دی جاتی ہے۔ میں نے آپ کے ہاں جتنے غدار پیدا کیے ہیں ان میں پہلے یہی کمزوریاں پیدا کی تھیں۔ حکومت کرنے کا

نشہ انسانوں کو لے ڈوبتا ہے۔"

"میری فوج کے کردار کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"اگر آپ کی فوج کا کردار ویسا ہی ہوتا جیسا میں بنانے کی کوشش کر رہا تھا تو آج آپ کی فوج یہاں نہ ہوتی۔" ہرمن نے کہا۔ "اگر آپ کے کردار حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور سالاروں کو ختم نہ کر چکے ہوتے تو وہ آپ کو کبھی کے ہماری قید میں ڈال چکے ہوتے۔ میں آپ کی تعریف کروں گا کہ آپ نے دل میں ملامت کی خواہش نہیں رکھی۔"

"ہرمن!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے تمہاری جان بخشی کی ہے۔ تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں اپنی فوج کے کردار کو کس طرح مضبوط اور بلند رکھ سکتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد یہ کردار کس طرح مضبوط رہ سکتا ہے۔"

"محترم سلطان!" ہرمن نے کہا۔ "میں آپ کو جاسوسی اور سراغرسانی کا استاد سمجھتا ہوں۔ آپ صحیح مقام پر ضرب لگاتے ہیں۔ آپ کا جاسوسی کا نظام نہایت کارگر ہے۔ علی بن سفیان، حسن بن عبداللہ اور بلبیس جیسے جاسوسی کے ماہرین کی موجودگی میں آپ ناکام نہیں ہو سکتے، مگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ دین آپ کی زندگی تک ہے۔ ہم نے آپ کے ہاں جو بیج بو دیا ہے وہ ضائع نہیں ہوگا۔ آپ چونکہ ایمان والے ہیں اس لیے آپ نے بے دین عناصر کو دبا لیا ہے۔ خانہ جنگی کس نے کرائی تھی؟ .... ہم نے۔ ہم نے آپ کے امراء کے دلوں میں حکومت، دولت، لذت اور عورت کا نشہ بھر دیا ہے۔ آپ کے جانشین اس نشے کو اتار نہیں سکیں گے۔ میرے جانشین اس نشے کو تیز کرتے رہیں گے....

"محترم سلطان! یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں یہ میری اور آپ کی، یا ہمارے بادشاہوں کی اور آپ کی جنگ نہیں۔ یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ ہم میدانِ جنگ میں نہیں لڑیں گے۔ ہم کوئی ملک فتح نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا محاصرہ کریں گے۔ ہماری یہ لڑکیاں، ہماری دولت اور ہماری تہذیب کی کشش جسے آپ بے حیائی کہتے ہیں، اسلام کی دیواروں میں شگاف ڈالیں گی۔ پھر مسلمان اپنی تہذیب سے نفرت اور یورپ کے طور طریقوں سے محبت کریں گے۔ وہ وقت آپ نہیں دیکھیں گے، میں نہیں دیکھوں گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی۔"

سلطان ایوبی جرمن نژاد ہرمن کی باتیں بڑی غور سے سن رہا تھا۔ ہرمن کہہ رہا تھا۔ "ہم نے فارس، افغانستان یا ہندوستان پر جا قبضہ کیوں نہیں جمایا؟ ہم نے عرب کو کیوں میدانِ جنگ بنایا ہے؟.... صرف اس لیے کہ ساری دنیا کے مسلمان اسی خطے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور یہاں مسلمانوں کا کعبہ ہے۔ ہم مسلمانوں کے اس مرکز کو ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ آپ کے رسولؐ مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر گئے تھے۔ ہم نے اس کی منڈیر پر صلیب رکھ دی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ اُن کے رسولؐ کبھی یہاں آئے اور یہاں سے معراج کو گئے تھے۔"

"ہرمن!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہارے نظریے اور عزائم کی تعریف کرتا ہوں۔ اپنے مذہب کے ساتھ ہر کسی کو اسی طرح وفادار ہونا چاہیے جیسے تم ہو۔ زندہ وہی قوم رہتی ہے جو اپنے مذہب اور اپنی معاشرتی اقدار کی پاسبانی کرے اور اُن کے گرد ایسا حصار کھینچے کہ کوئی باطل نظریہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں جانتا ہوں کہ یہودی ہمارے ہاں نظریاتی تخریب کاری کر رہے ہیں اور وہ تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں بیت المقدس جا رہا ہوں اور اسی غرض سے جا رہا ہوں جس غرض سے تم یہاں آئے ہو۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز ہے۔ میرے رسولؐ کو راستہ نقدای نے یہاں سے معراج کی سعادت بخشی تھی۔ میں اسے صلیب کے تبضے سے چھڑاؤں گا۔"

"پھر کیا ہوگا؟" ہرمن نے کہا۔ "پھر آپ اس دنیا سے اُٹھ جائیں گے۔ مسجد اقصیٰ پھر ہماری عبادت گاہ بن جائے گی۔ میں جو پیشین گوئی کر رہا ہوں یہ اپنی اور آپ کی قوم کی فطرت کو بڑی غور سے دیکھ کر کر رہا ہوں۔ ہم آپ کی قوم کو ریاستوں اور ملکوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گے اور فلسطین کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ یہودیوں نے آپ کی قوم کے لڑکوں اور لڑکیوں میں لذت پرستی کا بیج بونا شروع کر دیا ہے۔ ان میں سے اب کوئی نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی پیدا نہیں ہوگا۔"

سلطان ایوبی کا ذہن زائغ نہیں تھا۔ اس نے ہرمن سے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور کہا۔ "تمہاری باتیں بہت قیمتی ہیں۔ میں تمہیں دمشق بھیج رہا ہوں۔ وہاں تمہیں معزز قیدیوں میں رکھا جائے گا۔"

"اور یہ لڑکیاں جو میرے ساتھ ہیں؟"

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ "میں عورتوں کو جنگی قیدی نہیں بنایا کرتا۔ انہیں قتل کر کے سند میں پھینک سکتا ہوں۔"

"محترم سلطان! یہ بہت ہی خوبصورت لڑکیاں ہیں۔" ہرمن نے کہا۔ "آپ انہیں ایک نظر دیکھیں تو آپ انہیں قتل نہیں کریں گے، قید میں بھی نہیں ڈالیں گے۔ آپ کے مذہب میں لونڈی کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ لونڈیوں کو حرم میں رکھا جا سکتا ہے۔"

"میرے مذہب نے ایسی عیاشی کی اجازت کبھی نہیں دی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اپنے گھر میں یا کسی بھی مسلمان کے گھر سانپ نہیں پال سکتا۔"

"مگر اُن کا کوئی قصور نہیں۔" ہرمن نے کہا۔ "انہیں اس کام کے لیے بچپن سے تیار کیا گیا تھا۔"

"اسی لیے میں ان کے قتل کا حکم نہیں دے رہا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں انہیں چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں تمہاری اس سوچ کی تعریف کرتا ہوں کہ تم یہ شیریں زہر میری قوم میں پھیلانا چاہتے ہو، لیکن میں بھی تمہاری عمر سوچ سکتا ہوں۔ انہیں کہہ دو کہ عکرہ سے نکل جائیں۔ ان میں کوئی بھی یہاں کہیں یا جہاں کہیں میں گیا نظر آ گئی، اُسے قتل کر دیا جائے گا۔"

☆

سلطان ایوبی نے دو تین دنوں میں عکرہ میں اپنی حکومت قائم کر دی۔ مسجدوں کو صاف کرایا۔ جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا اس میں سے خاصا حصہ اپنی فوج میں تقسیم کیا۔ کچھ اُن مسلمان گھرانوں کو دیا جو قید میں پڑے رہتے تھے۔ اس کی دلچسپیوں کا مرکز فلسطین کا نقشہ تھا۔ اُس کی انگلی آج کے لبنان اور اسرائیل کے ساحل کے ساتھ ساتھ نقشے پر چل رہی تھی اور اس کے دل و دماغ پر بیت المقدس غالب تھا۔ اُسے اِدھر اُدھر کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ اس کا کون سا دستہ کہاں ہے۔ چھاپہ مار دستوں کی تقسیم نہایت اچھی تھی۔ اُن کا دوسرے دستوں کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تھا۔

"سلطان عالی مقام!" سلطان ایوبی کو حسن بن عبداللہ کی آواز سنائی دی۔

"حسن!" سلطان نے نقشے سے آنکھیں ہٹائے بغیر کہا۔ "جو کہنا ہوتا ہے فوراً کہہ دیا کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہر بات سرکاری طور طریقوں سے کریں۔ میرا مقام اُس روز خالی ہوگا جس روز میں فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوں گا۔"

"تریپولی سے اطلاع آئی ہے کہ ریمانڈ مر گیا ہے۔"

"زخمی تھا؟"

"نہیں سلطان!" حسن بن عبداللہ نے جواب دیا۔ "وہ صحیح و سلامت تریپولی پہنچا تھا۔ دوسرے دن اپنے کمرے میں مرا ہوا پایا گیا۔ ہو سکتا ہے اُس نے خودکشی کی ہو۔"

"وہ اتنا خوددار اور غیور نہیں تھا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ پہلے بھی کئی بار شکست کھا کر میدان سے بھاگ چکا ہے۔ بہرحال مجھے اُس کے مرنے کا افسوس ہے۔ اس نے مجھے قتل کرانے کے لیے حشیشین سے تین حملے کرائے تھے۔"

مؤرخین نے ریمانڈ آف تریپولی (موجودہ لبنان) کی موت کی مختلف وجوہات لکھی ہیں۔ تاہم ہاؤاتین شداد نے پھیپھڑوں کی بیماری لکھی ہے لیکن زیادہ تر نے لکھا ہے کہ اُسے حشیشین نے زہر دے دیا تھا۔ ریمانڈ دوغلے کردار کا اور سازشی ذہن کا صلیبی حکمران تھا۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ صلیبی حکمرانوں میں منافرت پھیلانے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ اُس کا یارانہ حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی پر اُس نے ایک دو قاتلانہ حملے کرائے تھے۔ اُس نے ایک دو صلیبی حکمرانوں کو بھی فدائی حشیشین سے قتل کرانے کی کوشش کی تھی مگر نہ صرف ناکام رہا بلکہ جنہیں وہ قتل کرانا چاہتا تھا انہیں اس کے منصوبے کا علم بھی ہو گیا تھا۔ اُس دور کے کاتبوں اور وقائع نگاروں کی شیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ ریمانڈ اتحادیوں کے ساتھ صلیب الصلبوت پر حلف اُٹھا کر حطین کے میدان میں گیا تھا لیکن بھاگ آیا۔ تریپولی پہنچا تو اگلے ہی روز اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ زندگی کی آخری رات حشیشین کا سردار شیخ سنان اُس کے پاس گیا تھا۔

اس سے پہلے ایک اور مشہور صلیبی حکمران بالڈوِن مر گیا تھا۔ یہ فرنگیوں (فرینکس) کا جنگجو بادشاہ تھا۔ آپ نے اس کا ذکر ان کہانیوں میں کئی بار پڑھا ہوگا۔ بیت المقدس اس کی عملداری میں تھا۔ بالڈوِن جنگی امور کا ماہر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی بیت المقدس کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ بالڈوِن نے بیت المقدس کو بچانے کا

اہتمام کیے رکھا کہ اپنی فوجیں مسلمان علاقوں میں گھماتا پھراتا اور لڑتا رہا اور یہ اس کی قابلیت کا ثبوت ہے کہ اس نے مزالدین، سیف الدین اور گشتگین کو متحد کرکے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا کر دیا تھا اور اس محاذ کو وہ جنگی سازوسامان، شراب، زر و جواہرات اور حسین لڑکیوں سے مستحکم کرتا رہتا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ جنگِ حطین سے چند روز پہلے مر گیا۔ اس کی جگہ گائی آف لوزینان نے بیت المقدس کی حکومت سنبھال لی تھی۔

☆

تاریخ آج تک کمانڈو اور گوریلا آپریشن کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکی جیسی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستوں نے کی تھی۔ چھاپہ مار دشمن کے ہاں تباہی بپا کر سکتے ہیں لیکن کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ فوج کیا کرتی ہے بشرطیکہ وہ فوج تیز ہو اور چھاپہ ماروں کی بپا کی ہوئی افراتفری اور تباہی کے فوراً بعد حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں اور فوج کو مشن دے دیا تھا جو مختصراً یوں تھا کہ بیت المقدس کے اردگرد، دُور دُور تک کے علاقوں سے صلیبی فوج کو بے دخل اور تباہ کرنا، ساحلی علاقوں کی قلعہ بندیوں پر قبضہ کرنا اور دشمن کا جس قدر اسلحہ اور رسد ہاتھ آئے اُسے محفوظ مقامات پر ذخیرہ کرنا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو واضح مقصد دے رکھا تھا۔ یہی اُس کی اصل قوت تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہہ رکھا تھا کہ جس شہر اور قصبے پر قبضہ کرو وہاں کے مسلمانوں کی حالت اپنے سپاہیوں کو دکھاؤ۔ انہیں وہ مسجدیں دکھاؤ جنہیں صلیبیوں نے ویران کیا اور بے حرمتی کی تھی۔ انہیں وہ مسلمان خواتین دکھاؤ جو صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوتی رہیں۔ انہیں اچھی طرح دکھاؤ کہ ہمارا دشمن کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کا چھوٹے سے چھوٹا دستہ بڑے سے بڑے دستے پر قہر بن کر ٹوٹا۔ سپاہیوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو سلطان ایوبی انہیں دکھانا چاہتا تھا۔ یہ دیوانگی کی کیفیت تھی۔ ایک جنون تھا۔ سلطان ایوبی کے کانوں میں ایک ہی آواز پڑتی تھی ــــ "فلاں قصبے پر قبضہ کر لیا گیا ہے.... فلاں مورچے سے صلیبی پسپا ہو گئے ہیں" ــــ سپاہی آرام کے بغیر مسلسل لڑا اور بڑھ رہے تھے مگر ایک روز سلطان ایوبی سر سے پاؤں تک ہل گیا۔

وہ اپنے کمرے میں نقشے پر جھکا ہوا اپنی بائیں کمان کے سالاروں اور مشیروں سے اگلا پلان تیار کر رہا تھا۔ باہر شور اٹھا۔ "میں تمہارے سلطان کو بھی قتل کر دوں گا۔ تم صلیب کے پجاری ہو۔ چھوڑ دو مجھے.... نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر" ــــ یہ ایک ہی آدمی کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ کئی اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں ــــ "یہاں سے لے جاؤ اُسے.... سلطان خفا ہوں گے.... مار دو۔ جان سے مار دو اسے.... اس کے منہ پر پانی پھینکو.... پاگل ہو گیا ہے"۔

سلطان ایوبی دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اُسے توقع تھی کہ کوئی صلیبی سپاہی ہوگا مگر وہ اس کی اپنی فوج کا ایک کمانڈر تھا جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سے اوپر تھے اور اُس کے کپڑوں پر خون ہی خون تھا۔ اُس کی آنکھیں خون کی طرح گہری لال

تھیں اور اُس کے ہونٹوں کے کونوں سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ اُسے چار آدمیوں نے بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا وہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"چھوڑ دو اُسے" سلطان ایوبی نے گرج کر کہا۔

"سلطان!" اس کمانڈر نے قہر بھری آواز میں کہا۔ "یہاں آ کر تمہاری سب فوج بے غیرت ہو گئی ہے۔ کفار کیوں زندہ نکل رہے ہیں۔ تم ہمارے سلطان بنے پھرتے ہو، تم نے ان مسلمان عورتوں اور بچوں کو دیکھا تھا۔ جو قید میں پڑے تھے؟"

سلطان کے محافظ دستے کے کمانڈو نے لپک کر اس کمانڈر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کمانڈر نے اس کمانڈو کے بازو کو پکڑ کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ کمانڈو اس کے کندھوں کے اوپر سے ہوتا سلطان ایوبی کے سامنے جا پڑا۔

"مت روکو اسے بولنے سے" ــــ سلطان ایوبی نے ایک بار پھر گرج کر کہا۔ "آگے آؤ دوست! مجھے بتاؤ انہوں نے تمہیں کیوں پکڑ لیا ہے؟"

بات یہ کھلی کہ وہ ایک حبش کا کمانڈر تھا۔ اسے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ جو مسلمان کنبے قید میں پڑے رہے تھے ان کے گھروں میں اناج وغیرہ پہنچائے اور ان میں جو بیمار ہیں انہیں فوج کے طبیبوں کے پاس بھیجے۔ اس کام کے لیے سو سو سپاہیوں کے دو حبش مقرر کیے گئے تھے۔ یہ کمانڈر مظلوم مسلمانوں کے گھروں میں جا رہا تھا۔ ان سے اُسے معلوم ہوتا رہا کہ عیسائیوں نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ یہ تفصیلات بڑی ہی دردناک اور بڑی ہی شرمناک تھیں۔ اس کمانڈر نے اپنی فوج کے سپاہیوں کو مسجدیں صاف کرتے دیکھا۔ ایک مسجد میں دو عورتوں کی برہنہ لاشیں نکلیں جو گل سڑ رہی تھیں۔ یہ اس کمانڈر نے دیکھ لیں۔

لاشیں نکالنے اور مسجد کو صاف کرنے والے سپاہیوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ "ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی یہ حالت ہوتی رہی اور ہمارے سلطان نے کفار کو اجازت دے دی ہے کہ جو یہاں سے جانا چاہے اپنے کنبے کو لے کر چلا جائے"۔

اس کمانڈر کا خون کھول اٹھا۔ وہ آگے گیا تو پندرہ بیس لڑکیاں اُسے جاتی نظر آئیں۔ ان کے ساتھ اس کا ایک ساتھی کمانڈر چند ایک سپاہیوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں۔ کمانڈر نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کون ہیں اور اُن کے ساتھ سپاہی کیوں جا رہے ہیں؟

"یہ وہ لڑکیاں ہیں جنہوں نے مصر اور شام میں غدار پیدا کیے تھے" ــــ کمانڈر نے اُسے بتایا۔ وہ اس قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کے ساتھی نے اُسے سنایا۔ "اُن کی کارستانیاں تم سنتے رہے ہو۔ ان کا سردار (ہرمن) پکڑا گیا ہے۔ یہ سب صلیبی ہیں۔ سلطان نے ان کے سردار کو قید میں ڈال دیا ہے اور لڑکیوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ انہیں شہر سے دُور لے جا کر اُن عیسائیوں کے حوالے کر دو جو عکرہ سے جا رہے ہیں"۔

"اور تم انہیں زندہ چھوڑ آؤ گے؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"ہاں، حکم یہی ملا ہے"

"کیا یہ ہماری اُن بہنوں سے زیادہ پاک اور مقدس ہیں جن کی برہنہ لاشیں مسجدوں سے نکل رہی ہیں اور جنہیں قید میں رکھ کر بے آبرو کیا جا رہا ہے؟"

اس کے ساتھی نے آہ بھر کر کہا۔ "میں حکم کا پابند ہوں۔"

کماندار رُک گیا اور اس تماشے کو جاتے دیکھتا رہا۔ اچانک اُس نے تلوار نکال لی اور اُن کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس نے نعرہ لگایا۔ "میں کسی کا پابند نہیں۔" اس نے تلوار اس قدر تیز چلائی کہ پلک جھپکتے تین بالغ لڑکیوں کے سر کاٹ ڈالے۔ ان کا محافظ کماندار اُسے پکڑنے کو دوڑا۔ لڑکیاں چیختی چلاتی اِدھر اُدھر بھاگیں۔ کماندار ایک ایک لڑکی کے پیچھے گیا اور مزید تین بالغ لڑکیوں کو ختم کر دیا۔ ایک سپاہی اُسے پکڑنے کے لیے قریب گیا تو اُس نے اس سپاہی کے پیٹ میں تلوار برچھی کی طرح گھونپ دی۔ پھر اُس کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا۔ اُس نے باقی لڑکیوں کو دیکھا جو اِدھر اُدھر بھاگ گئی تھیں۔

اس طرح وہ شہر سے باہر نکل گئے۔ اُسے کچھ عیسائی شہر سے جاتے نظر آئے۔ کماندار نے ان پر حملہ کر دیا۔ اُس کے سامنے جو آیا اُسے اُس نے قتل کیا اور یہی نعرہ لگاتا رہا۔ "میں بے غیرت نہیں ہوں۔ اللہ اکبر۔"

اُس کے ساتھی کماندار کے راستے پر کئی ایک سپاہی اکٹھے ہو گئے جنہوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اُسے گھسیٹ کر لا رہے تھے کہ اُس عمارت کے قریب سے گزرے جہاں سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ کسی نے کہا کہ اسے سلطان کے عملے کے حوالے کر دو۔ وہ ڈرتے تھے کہ سلطان کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ اٹھانے کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ یہ کماندار چلّا رہا تھا۔ اُس کا شور سُن کر سلطان ایوبی باہر نکل آیا۔

سلطان ایوبی نے یہ واردات سُنی اور کماندار کی لعن طعن بھی سُنی۔ سب ڈر رہے تھے کہ سلطان اسے قید میں ڈال دے گا لیکن سلطان نے اُسے گلے لگا لیا اور اندر لے گیا۔ اُسے شربت پلایا اور اُسے ذہن نشین کرایا کہ اُن کا مقصد صلیبیوں کا قتل نہیں بلکہ اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کرکے اس تمام سرزمینِ عرب سے صلیبیوں کو نکالنا ہے۔ کماندار کی ذہنی حالت ٹھکانے نہیں تھی۔ اُسے سلطان ایوبی نے اپنے طبیب کے حوالے کر دیا۔

"فوج کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیئے۔" سلطان ایوبی نے سالاروں اور مشیروں سے کہا۔ "لیکن ایمان دیوانگی کی حد تک ہی پختہ ہونا چاہیئے۔ ہمارا یہ کماندار ہوش اور عقل کھو بیٹھا ہے۔ اگر مسلمان اپنے دین کے دشمن کو دیکھ کر دیوانے ہو جائیں تو اسلام کا پرچم وہاں تک پہنچ جائے جہاں یہ زمین ختم ہو جاتی ہے۔"

ہرمن کی جو لڑکیاں اس کماندار سے بچ کر بھاگ گئی تھیں ان میں سے دو سمندر کے کنارے جا پہنچیں۔ سمندر دُور نہیں تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھیں اور پناہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئیں۔ فوراً بعد ایک کشتی کنارے آ لگی۔ اس میں دو ملاح تھے اور تیسرا کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی بحریہ کا ایک افسر تھا جس کا نام الفارس بَیدین لکھا گیا ہے۔ بحریہ کا سب سے بڑا کمانڈر عبدالمحسن تھا جو رئیس البحرین (دو سمندروں، بحیرۂ روم، بحیرۂ احمر) کا "ہائی ایڈمرل" کہلاتا تھا۔ اس کے نیچے امیر البحر حسام الدین لولو تھا۔

سلطان ایوبی کے حکم سے بحری بیڑہ جس کا ہیڈ کوارٹر سکندریہ میں تھا، بحیرۂ روم میں گشت کرتا تھا کہ یورپ سے صلیبیوں کے لیے کمک اور سامان وغیرہ آئے تو اُن کے جہازوں کو راستے میں ہی روکا جا سکے۔ حسام الدین لولو بحیرۂ احمر میں تھا۔ سلطان ایوبی چونکہ ساحلی علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اس لیے مصری بیڑے کو حکم بھیجا تھا کہ چھ بحری جہاز ساحل کے ساتھ بھیج دیئے جائیں۔ یہ جنگی جہاز تھے جن میں منجنیقوں کے علاوہ دُور مار تیر انداز اور لڑاکا دستے بھی تھے۔

رئیس البحرین نے الفارس بیدین کی کمانڈ میں چھ جہاز بھیجے تھے اور الفارس اپنے بحری جہاز سے کشتی میں آیا تھا۔ وہ احکام لینے کے لیے سلطان ایوبی کے پاس جا رہا تھا۔ ساحل پر اُسے یہ دو لمبی لڑکیاں نظر آئیں جو کسانوں کے لباس میں تھیں۔ الفارس اُن کے قریب چلا گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ خانہ بدوش قبیلے کی ہیں جو جنگ کی زد میں آ گیا تھا۔ ان کے بہت سے مرد مارے گئے اور باقی اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہیں۔

"..... اور ہم چھپتی پھر رہی ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "عیسائیوں سے ہم اس لیے ڈرتی ہیں کہ وہ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمان ہمیں عیسائی سمجھتے ہیں۔"

"تم مسلمان ہو یا عیسائی؟"

"ہمارا مذہب وہی ہے جو ہمارے مالک کا ہوگا۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "ہمیں کسی نہ کسی کے ہاتھ فروخت ہی ہونا ہے۔"

الفارس بیدین بحری لڑائی کا ماہر اور غیر معمولی طور پر دلیر کمانڈر تھا۔ ان خوبیوں کے علاوہ اُسے اس لیے بھی پسند کیا جاتا ہے کہ وہ شگفتہ طبیعت کا زندہ مزاج آدمی تھا۔ اُس دور میں اس کی حیثیت کے آدمی بیک وقت دو دو تین تین بیویاں رکھتے تھے لیکن اُس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ وہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا۔ بحریہ کو کئی کئی مہینے سمندر میں رہنا پڑتا اور خشکی دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ ہر بحری جہاز کا کپتان اپنی بیوی یا بیویوں کو ساتھ رکھتا تھا۔

الفارس کو ان لڑکیوں کے حُسن نے ایسا متاثر کیا کہ اُس کے اندر یہ احساس بیدار ہو گیا کہ وہ تین مہینوں سے زیادہ عرصے سے سمندر میں گھوم پھر رہا ہے۔ اُس نے لڑکیوں سے پوچھا کہ وہ اس کے ساتھ رہنا پسند کریں تو انہیں اپنے جہاز میں رکھے گا۔

"ہم بے بس اور کمزور لڑکیاں ہیں۔ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

"میں تمہیں فروخت نہیں کروں گا۔" الفارس نے کہا۔ "میں بیاہ کروں گا اور دونوں کے ساتھ شادی کروں گا۔"

لڑکیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کیا اور الفارس کے ساتھ چلنے کی رضامندی ظاہر کر دی۔ الفارس نے اپنی کشتی کے ملاحوں سے کہا۔ "انہیں میرے جہاز میں لے جاؤ۔ انہیں میرے

کرے میں کھانا دو اور انہیں وہیں چھوڑ کر واپس یہیں آجاؤ اور میرا انتظار کرو۔"

لڑکیوں کو کشتی میں بٹھا کر الفارس رومانی گیت گنگناتا عکرہ کو چل دیا۔

☆

"الفارس!" سلطان ایوبی نے اُسے کہا۔ "میں تمہارے نام سے واقف ہوں۔ تمہارے دو تین بحری بیڑے بھی سنے ہیں، لیکن اب صورتِ حال کچھ اور ہے۔ پہلے تم اکا دکا معرکہ لڑتے رہے ہو۔ اب بڑے پیمانے کی بڑی جنگ کا امکان ہے۔ میں بیت المقدس فتح کرنے آیا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمام بڑی بڑی بندرگاہوں پر قبضہ کرنا اور شمال سے جنوب تک کے ساحلی علاقوں کو اپنی تحویل میں لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان ساحلی شہروں میں بیروت، ٹائر اور عسقلان بہت اہم ہیں۔ تمہارے ساتھ میرا رابطہ قاصدوں سے ہوگا۔ تمہاری دو تین کشتیاں ساحل کے ساتھ موجود رہنی چاہئیں۔ میں خشکی پر جدھر جاؤں گا تمہیں اللاع دیتا رہوں گا۔ تمہارے جہاز سمندر میں گشت کرتے رہیں گے۔۔۔ تمہارے جہازوں میں اسلحہ اور رسد کی کمی تو نہیں؟"

"ہم ہر لحاظ سے تیار ہو کر آئے ہیں۔" الفارس بیدبن نے جواب دیا۔

"بڑے پیمانے کی جنگ کا بھی امکان ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "صلیبیوں نے حطین میں جو شکست کھائی ہے اور جس بُرے طریقے سے یہ بھاگے ہیں یہ دنیائے صلیب کے لیے معمولی سا واقعہ نہیں۔ ان کے چار حکمران میری قید میں ہیں۔ ایک کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ ریمانڈ مر گیا ہے۔ اُن کا بڑا ہی قابل اور دلیر بادشاہ بالڈوِن بھی مر گیا ہے۔ اُس کے فرنگی بہت بڑی طاقت ہیں۔ مجھے قاہرہ سے علی بن سفیان نے اطلاع دی ہے کہ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک ارضِ فلسطین پر صلیب کی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اپنی فوجوں اور بحری بیڑے کے ساتھ آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ آئے تو میں فیصلہ کر سکوں گا کہ انہیں خشکی پر آنے دوں یا سمندر میں ہی روکنے کی کوشش کروں۔ انگلستان کے بحری بیڑے کے متعلق سنا ہے کہ زیادہ طاقت ور ہے۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے بارود تیار کیا ہے اور ایسی نلکیوں میں بھرا ہے جنہیں آگ لگاؤ تو نلکیاں اُڑتی ہوئی آتی اور جہازوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔ میں ایسی نلکیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہم خود بنا لیں گے.... بہرحال تم ساحل کے ساتھ اپنے جہازوں کو رکھنا۔ رئیس البحر بن المحسن کھلے سمندر میں رہے گا۔"

الفارس نے مزید احکامات لیے اور چلا گیا۔ کشتی اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اپنے بحری جہاز میں جا کر اُس نے دوسرے جہازوں کے کپتانوں کو بلایا، انہیں ہدایات اور احکامات دے کر رخصت کر دیا اور اپنے کیبن میں چلا گیا جہاں دو لڑکیاں اُس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ وہ بھولی بھالی بنی رہیں اور اس سے پوچھتی رہیں کہ وہ سمندر میں کیا کرتا ہے۔ الفارس لمبے عرصے سے سمندر میں تھا۔ اس پر ہنسنے کھیلنے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ان لڑکیوں کو مردوں کی اس کیفیت میں لانے اور انہیں اپنے رنگ میں استعمال کرنے کی مہارت حاصل تھی۔

۲۰ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان صلاح الدین ایوبی عکرہ سے نکلا۔ اُس کے ہراول دستوں نے اُس کے لیے راستہ صاف کر رکھا تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ اُس نے کئی ایک قلعے اور قصبے فتح کر لیے۔ ۲۰ جولائی ۱۱۸۷ء

کے روز اُس نے بیروت کا محاصرہ کیا۔ صلیبیوں نے اس اہم شہر کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن سلطان ایوبی نے بے دریغ قربانی دے کر بیروت لے لیا۔ وہاں بھی مسلمانوں کی وہی حالت تھی جو عکرہ میں تھی۔

۲۹ جولائی تک بیروت کو اپنی عملداری میں لے کر سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر ٹائر کا رُخ کیا۔ وہ جاسوسوں اور دیکھ بھال کے جیشوں سے رپورٹیں لیتا رہتا تھا۔ ان رپورٹوں سے بے خبر نہیں تھا کہ کیا کرتا چلا آیا ہے۔ بتایا گیا کہ اپنی فوج بہت زیادہ علاقے میں پھیل گئی ہے اور ادھر اُدھر سے بھاگے ہوئے صلیبی ٹائر میں جمع ہو کر منظم ہو رہے ہیں۔ تمام فرنگی بھی ساحلی علاقے سے پسپا ہو کر ٹائر چلے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے ٹائر پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بیت المقدس کے لیے فوج بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اس دوران الفارس بیدبن کے بحری جہاز ساحل سے دُور گشت اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ مدتوں بعد اُس کے جہاز میں بدی آ گئی تھیں لیکن اُس نے اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کی۔ جب کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا تھا، چھوٹی چھوٹی کشتیاں اس کے اردگرد گھومنے لگتی تھیں۔ یہ غریب دیہاتیوں کی کشتیاں تھیں جو پھل، انڈے اور مکھن وغیرہ ملاحوں اور فوجی دستوں کے پاس بیچتے تھے۔ جہازوں کے کپتان اُن میں سے کسی کو رسہ پھینک کر جہاز میں اُٹھا لیتے اور اُس سے خشکی کی دنیا کی خبریں سنتے تھے۔

ایک روز الفارس کا جہاز ساحل پر چلا گیا۔ اُسے وہاں سے بحری فوج کے کسی کمانڈر سے کچھ پوچھنا تھا۔ دو لڑکیاں جہاز کے عرشے پر جنگلے کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی تین چار کشتیاں آ گئیں۔ ان میں پھل وغیرہ تھا۔ ان کے ملاح جہاز والوں کی منتیں کرنے لگے کہ وہ ان سے کچھ لے لیں۔ ایک کشتی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا، جس کے جسم پر تہمند کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ بہت غریب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے دونوں لڑکیوں کو جہاز میں کھڑے دیکھا تو کشتی قریب لے گیا۔

"کچھ لے لو شہزادی!" اس نے کہا۔ "بہت غریب آدمی ہوں۔"

لڑکیوں نے اُسے لمحہ بھر کو دیکھا تو اُس نے بائیں آنکھ سے خفیف سا اشارہ کر دیا۔ دونوں نے حیران سا ہو کے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ اس آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سینے پر انگلی اوپر نیچے اور پھر دائیں بائیں چلا کر صلیب کا نشان بنایا۔ ایک لڑکی نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھ کر کراس بنایا۔ آدمی مسکرایا۔ ایک لڑکی نے جہاز کے ملاح سے کہا کہ اس آدمی کو اوپر لاؤ۔

ملاحوں کو معلوم تھا کہ یہ لڑکیاں ان کے جہاز کے کپتان کی ہیں جو تمام جہازوں کا کمانڈر ہے۔ انہوں نے فوراً رسّوں کی سیڑھی پھینکی۔ وہ آدمی لوکری میں مختلف چیزیں رکھ کر اوپر لے آیا اور لوکری لڑکیوں کے آگے رکھ دی۔ لڑکیاں چیزیں دیکھنے لگیں۔ کسی اور کو اُن کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئی ہو؟" کشتی کے ملاح نے پوچھا۔

"اتفاق کی بات ہے۔" ایک لڑکی نے جواب دیا۔ "ہرن پکڑا گیا ہے۔" اُس نے اس آدمی کو مختصر واقعہ سنا دیا اور الفارس کے متعلق بتایا کہ وہ انہیں خانہ بدوش سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

"کچھ سوچا ہے کیا کرو گی؟" ملاح نے پوچھا۔ "جاؤ گی کہاں؟"

"ابھی تو صرف جان بچانے کا بندوبست کیا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "کمانڈر الفارس کی رگوں پر ہم نے قبضہ کر لیا ہے۔ کہیں موقعہ ملا تو بھاگنے کی کوشش کریں گی۔ اگر تم رہنمائی کرو تو یہیں رہ کر کچھ اور کریں گی۔"

یہ غریب سا ماہی گیر ملاح صلیبیوں کا جاسوس تھا اور وہ ان لڑکیوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بھی اسے جانتی تھیں۔ اس نے کہا۔ "ساحل پر اُتر کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ بہت بُری موت مرو گی۔ بیروت تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہماری صلیبی فوج ہر جگہ سے پسپا ہو رہی ہے۔ اب ٹائر ایک جگہ رہ گئی ہے جہاں تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔ ابھی اسی جہاز میں رہو۔ میں تمہیں بچا کر لے جاؤں گا۔ ہمارے لیے حالات بہت ہی خطرناک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف مسلمان سپاہی دندناتے پھر رہے ہیں۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"صلیب پر ہاتھ رکھ کر جو حلف اٹھایا تھا وہ پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "ان چھ جہازوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا ہوں۔ انہیں تباہ کرانے کا انتظام کروں گا۔"

"اپنے جہاز کہاں ہیں؟"

"ٹائر کے قریب۔" اُس نے بتایا۔ "یہ جہاز اُدھر گئے تو اپنے جہازوں کو پہلے سے اطلاع کر دوں گا۔ اب اتفاق سے تم کمانڈر کے جہاز میں آ گئی ہو۔ تم میری مدد کر سکو گی اور میں تمہیں اس جہاز سے نکال کر ٹائر پہنچا سکوں گا۔ مجھے اب جانا چاہیئے۔ اشارے مقرر کر لو۔ میں ان جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہوں۔ یہ جہاز کہیں بھی ساحل کے قریب لنگر ڈالے گا، وہاں اسی بھیس میں موجود ہوں گا۔"

انہوں نے اشارے مقرر کر لیے۔ لڑکیوں نے اُس کی ٹوکری میں سے کچھ چیزیں اٹھا لیں۔ اُسے پیسے دیئے اور وہ رسّوں کی سیڑھی سے اپنی کشتی میں اُتر گیا۔

☆

۱۲ ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر عسقلان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں بھی وہ فنی پتھر پھینکنے والی منجنیقیں اور سیڑھیوں پر چلنے والی مچانیں استعمال کی گئیں۔ سرنگیں کھودنے والے جیش رات کو دیوار توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ قریب ہی ایک بلندی تھی۔ وہاں سے منجنیقوں سے شہر کے اندر پتھر اور آتشیں گولے پھینکے گئے۔ دوسرے دن محصورین نے گھبرا کر شہر کے دروازے کھول دیئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔

اس شہر پر فرینکس نے ۱۹ ستمبر ۱۱۵۲ء میں قبضہ کیا تھا۔ پورے چونتیس برس بعد یہ شہر آزاد کرایا گیا۔

عسقلان سے بیت المقدس چالیس میل مشرق کی سمت واقع ہے۔ سلطان ایوبی کے تیز رفتار دستوں کے لیے یہ دو دن کا سفر تھا۔ اُس کے بعض دستے اور چھاپہ مار جیش پہلے ہی بیت المقدس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کی بیرونی چوکیاں تباہ کر دی تھیں۔ بچے کھچے صلیبی بیت المقدس پہنچ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے اپنے بکھرے ہوئے دستوں کو عسقلان میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور بیت المقدس پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔

سلطان ایوبی کی فتوحات اور طوفانی پیشقدمی کی خبریں دمشق، بغداد، حلب، موصل اور اُدھر قاہرہ تک پہنچ چکی تھیں۔ آخری خبر یہ پہنچی کہ سلطان عسقلان میں ہے اور بیت المقدس پر حملہ کرنے والا ہے۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد جو اس حملے میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل فتوحات کی بدولت تھکن کے احساس سے بیگانہ تھی۔ وہ جوں جوں اِن مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی حالت دیکھتی گئی قہر بنتی گئی جو بیت المقدس پر ٹوٹنے کو بے تاب تھا۔ یہ تو سلطان ایوبی کی جنگی قوت تھی۔ قاضی شدّاد لکھتا ہے کہ عسقلان میں سلطان ایوبی کے پاس روحانی قوت بھی پہنچے گی۔ یہ دمشق، بغداد اور دیگر بڑے شہروں کے علماء درویش اور صوفی منش لوگ تھے۔ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہونے آئے تھے۔ انہوں نے آ کر سلطان ایوبی کو دعائیں دیں اور اُس کی فوج کو بیت المقدس کی اہمیت اور تقدس بتایا اور سپاہیوں کو آگ بگولا کر دیا۔ سلطان ایوبی علماء اور درویشوں کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دیکھ کر اُس کی تھکن ختم ہو گئی اور اس نے جوش و جذبات سے کہا۔ "اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے شکست نہیں دے سکتی۔"

عسقلان سے کوچ سے دو چار روز پہلے سلطان ایوبی کے پاس حلب سے ایک مہمان آیا جسے دیکھ کر سلطان حیران رہ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون تھی جس نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ کود کر گھوڑے سے اُتری اور دوڑ کر سلطان ایوبی کو گلے لگا لیا۔ دونوں کے جذبات اُبھر آئے اور اُن پر رقت طاری ہو گئی۔

ذرا دیر بعد اونٹوں کی ایک لمبی قطار آ رکی۔ ان پر کم و بیش دو سو لڑکیاں سوار تھیں۔

"یہ کیا؟" سلطان ایوبی نے رضیع خاتون سے پوچھا۔

"زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے تربیت یافتہ لڑکیاں۔" رضیع خاتون نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں لڑائی کی تربیت بھی دے رکھی ہے۔ تیراندازی کی بھی انہیں خاصی مشق ہے..... مجھے معلوم ہے کہ تم عورت کو میدان جنگ میں نہیں دیکھنا چاہتے لیکن میرے اور اُن کے جذبے کو کچلنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے کہ شام میں جوان لڑکیاں پر قابو پانا محال ہو رہا ہے۔ جسے دیکھو وہ محاذ پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں ایک ہزار لڑکیاں محاذ پر بھیج دوں۔ سپاہیوں کی طرح لڑیں گی۔ جن ماؤں کے بیٹے یہاں لڑ رہے ہیں، وہ مائیں اُن کی خیریت کی نہیں فتح کی خبر سننا چاہتی ہیں۔ آبادیوں میں ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے۔ 'محاذ کی کیا خبر ہے؟' کہو صلاح الدین! کتنی لڑکیاں بھیجوں؟"

"میں انہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور کسی کو نہ بھیجنا۔"

"اس اونٹ پر ایک منبر لدا ہوا ہے۔" رضیع خاتون نے کہا۔ یہ کہتے ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ذرا خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی۔ "تمہیں شاید یاد نہیں۔ میرے مرحوم شوہر (نورالدین زنگی) نے یہ منبر اس عہد کے ساتھ بنوا کر پاس رکھ لیا تھا کہ بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرائے گا تو یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھے گا۔ بہت خوبصورت

منبر ہے۔ یہ دمشق میں رکھا تھا۔ اٹھالائی ہوں۔ اللہ تمہیں فتح دے صلاح الدین اور میں دیکھوں کہ تم نے یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھ کر میرے مرحوم شوہر کا عہد پورا کر دیا ہے۔"

سلطان ایوبی پر رقت طاری ہوگئی۔ اُس کے منہ سے سسکی سی نکلی۔ "اللہ یہ عہد مجھ سے پورا کرائے۔"

ایک جوان سال لڑکی اُن کے قریب آکھڑی ہوئی اور سلطان ایوبی کو مسکرا کر سلام کیا۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "پہچانا نہیں صلاح الدین؟ یہ میری بیٹی شمس النساء ہے۔" سلطان ایوبی نے لپک کر اسے گلے لگا لیا اور پھر وہ اپنے آنسو نہ روک سکا۔ اس نے اس لڑکی کو اس وقت دیکھا تھا جب یہ بہت چھوٹی تھی۔

"یہ تمہارے ساتھ محاذ پر رہے گی۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "لڑکیاں اس کی کمان میں رہیں گی۔ مجھے واپس جانا ہے۔"

☆

وہ عمار اور درویش وغیرہ جو سلطان ایوبی کے پاس آگئے تھے درد، وظیفے اور دعاؤں میں مصروف رہتے یا سپاہیوں میں گھومتے پھرتے اور انہیں روحانی حوصلہ دیتے رہتے۔ وہ عسقلان سے باہر وہاں تک بھی گئے جہاں دستے اور جیش موجود تھے۔ اُن کے وعظ اور خطبوں کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے۔ "نوّے سال سے کفار تمہارے قبلۂ اوّل پر قابض ہیں۔ قرآن کے احکام پڑھو تو قبلۂ اوّل کو کفار کے ناپاک قبضے سے چھڑانے تک کسی مسلمان کو نیند نہیں آنی چاہیے تھی۔ وہ مسجدِ اقصیٰ جہاں سے ہمارے رسولؐ اللہ کے بلاوے پر معراج پر تشریف لے گئے تھے کفار کی عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ رسولِ مقبولؐ کی رُوحِ مقدس ہم پر لعنت بھیج رہی ہے۔ ہم پر نیند، کھانا پینا اور ہم پر اپنی بیویاں حرام ہونی چاہئیں تھیں مگر نوّے سال سے ہم گہری نیند سو رہے ہیں اور عیش و عشرت میں مگن ہیں....

"اللہ کے سپاہیو! ہمارے حکمرانوں نے صلیبیوں اور یہودیوں کے خوبصورت جال میں پھنس کر اُن کے خلاف خانہ جنگی کی جنہوں نے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے کا عہد کیا تھا۔ بیت المقدس وہ پاک جگہ ہے جہاں ہمارے رسولؐ کے مبارک قدم آئے اور اُن کی جبینِ مبارک نے یہاں سجدے کیے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت عمرؓ اور ہمارے جانے کتنے انبیاء نے یہاں ورود فرمایا، مگر نوّے سال سے یہاں مسلمانوں پر جو قہر ٹوٹ رہا ہے وہ تم شہر میں جا کر دیکھو گے۔ مسجدِ اقصیٰ پر صلیب کھڑی ہے۔ مسجدیں اصطبل بنی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا قتلِ عام اس طرح ہوا ہے کہ گلیوں میں خون ندی کی طرح چلتا رہا۔ مسلمان قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہماری بیٹیاں کفار کی لونڈیاں بنا دی گئی ہیں....

"اپنے رسولؐ کی ناموس پر مر مٹنے والو! اللہ نے یہ سعادت تمہیں عطا کی ہے کہ بیت المقدس کو آزاد کراؤ، پاک کرو اور اگر تم ناکام رہو تو وہاں سے تمہاری لاشیں اٹھائی جائیں۔ اور تم سن کر حیران ہو گے کہ جس بیت المقدس میں حضرت عیسیٰؑ نے بنی نوع انسان سے محبت کا سبق دیا تھا وہاں صلیب کے پجاریوں نے یہاں تک درندگی کی ہے کہ جب انہیں کسی محاذ پر فتح ہوتی وہ بیت المقدس میں جشن مناتے جس میں ہماری

بیٹیوں کو برہنہ کر کے نچاتے اور چند ایک تندرست و توانا مسلمانوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھاتے.... اب تمہیں ایک ایک معصوم کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے۔ دمشق سے سلطان نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ وہ منبر لائی ہے جو مرحوم نے مسجدِ اقصیٰ میں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔ یہ خاتون دو سو لڑکیوں کے ساتھ بہت دُور کا سفر کر کے آئی ہے۔ یہ عہد تمہیں پورا کرنا ہے۔"

اس دوران سلطان ایوبی اپنے دستوں کو یکجا کر کے اُن کی تقسیم کرتا رہا اور جاسوسوں کی رپورٹوں کے مطابق بیت المقدس کے محاصرے کا پلان بناتا رہا۔

☆

الُوبی مسجدِ اقصیٰ کی دہلیز پر

لڑکیاں جو بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کے جہاز میں تھیں اُسی کی طرح شگفتہ مزاج اور ہنسلے تھیں۔ سمندر کی تنہائی میں یہ دونوں لڑکیاں الفارس کے دل کو نئی زندگی دے رہی تھیں لیکن یہ اس کے لیے تھوڑا سا بن گئی تھیں اور اُن کے لیے الفارس عجیب آدمی بنا ہُوا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ خانہ بدوش ہیں۔ اُن کا قبیلہ جنگ کی زد میں آگیا تھا اور وہ دونوں بڑی مشکل سے چھپتی چھپاتی ساحل تک پہنچی ہیں۔ الفارس دیکھ رہا تھا کہ دونوں کی عادتیں اور طور طریقے خانہ بدوشوں والے نہیں۔ خانہ بدوش حسین ہو سکتی تھیں مگر ان میں یہ شائستگی نہیں ہو سکتی تھی جو ان دونوں میں تھی۔ ان دونوں لڑکیوں میں کسی حد تک بے حیائی بھی تھی جو خانہ بدوش عورتوں میں عموماً نہیں ہُوا کرتی تھی۔

لڑکیوں کے لیے الفارس عجیب آدمی تھا۔ لڑکیوں کو توقع تھی کہ وہ اُن کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو ہر اُس مرد نے اُن کے ساتھ کیا ہے جس کے ذہن پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا۔ الفارس نے اِن میں اس قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا جس سے یہ لڑکیاں ابتدا میں مایوس ہوئیں لیکن انہوں نے اس کی ایک اور کمزوری بھانپ لی۔ وہ یہ تھی کہ وہ فرض کے معاملے میں جہاں بڑا ہی سخت گیر اور سخت کوش تھا وہاں فراغت کے وقت کھلنڈرا بچہ بن جایا کرتا تھا۔ ان لڑکیوں کے ساتھ وہ ہمراز سہیلیوں کی طرح کھیلتا اور اُن کے حُسن اور اُن کی شوخیوں سے لطف اٹھاتا تھا۔ اُن کے بکھرے بکھرے ریشمی بالوں سے کھیلتا اور اُن میں مگن ہو کر دنیا کو بھول جاتا تھا۔

ایک روز ایک لڑکی نے جب دوسری لڑکی کمرے میں نہیں تھی، اس کے جذبات کو مشتعل کرنے کی یا یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ اس آدمی کے اندر جذبات ہیں بھی یا نہیں تو الفارس نے یہ کھُلے اشارے سمجھتے ہوئے کہا۔

"میں نے جب تمہیں پہلے روز ساحل پر کہا کہ میں تمہیں اپنے جہاز میں پناہ دے سکتا ہوں تو تم نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہیں مصر لے جاؤں گا اور شادی کر لوں گا.... میں اپنے اِس وعدے پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ شادی سے پہلے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جس سے تمہیں یہ شک ہو کہ میں وقتی طور پر دل بہلانے کے لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میں تمہاری مجبوری اور بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ مصر جانے تک تم سوچ لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرو گی تو جہاں کہو گی وہاں بھیج دوں گا۔"

لڑکی نے بے تابی سے بازو اس کے گلے میں ڈال دیئے اور گال اس کے گال کے ساتھ لگا کر کہا۔ "ہم دونوں

نہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔ تم پہلے مرد ملے ہو جس کے دل میں انسانیت کی پاکیزگی ہے، شیطانیت اور درندگی نہیں۔"

لڑکی نے والہانہ محبت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ الفارس کو پانی پر تیرنے والا بحری جہاز فضا کی وسعتوں میں اڑتا محسوس ہونے لگا۔ یہی اس کی کمزوری تھی جو انسانی فطرت کی سب سے زیادہ خطرناک کمزوری ہے۔ سمندر میں اتنا طویل عرصہ دن رات گشت کرتے رہنے سے اور وقتاً فوقتاً چھوٹی موٹی جھڑپیں لڑنے سے اُس کے اعصاب پر جو تھکن اور ذہن پر جو کوفت تھی وہ ختم ہوگئی۔ اعصاب پرسکون ہوگئے۔ اب تو اُس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھ جہازوں کی کمانڈ تھی اور وہ فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور گشت کرتا رہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ بجلی کی طرح ارضِ فلسطین پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اب عسقلان میں بیت المقدس پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ الفارس بیدرون کی ذمہ داری یہ تھی کہ سمندر کی طرف سے صلیبیوں کے لیے مدد اور رسد وغیرہ آئے تو اُسے ساحل تک نہ پہنچنے دے۔ اس ذمہ داری نے اس کی نیند بھی حرام کر رکھی تھی۔ یہ دو لڑکیاں اس کے اعصاب کو سہلا لیا کرتی تھیں۔

الفارس نے ان لڑکیوں سے ایک روز کہا کہ ان میں خانہ بدوشوں والی عادتیں نہیں، اُن کی بجائے اِن میں شائستگی اور نفاست ہے۔ یہ اِن میں کہاں سے آگئی ہے۔

"ہم بڑے بڑے عیسائی گھروں میں نوکری کرتی رہی ہیں"۔۔۔ ایک لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "انہوں نے ہمیں میزبانی کے آداب اور اونچے درجے کے مہمانوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے طور طریقے سکھا دیئے تھے۔ اگر آپ معمولی آدمی ہوتے تو ہم آپ کے ساتھ خانہ بدوشوں جیسا سلوک کرتیں۔ ہماری باتیں اور حرکتیں خانہ بدوشوں جیسی ہوتیں۔ آپ بحریہ کے اتنے بڑے کمانڈر ہیں اور آپ کے دل میں ہماری اتنی زیادہ محبت ہے۔ ہم آپ کے ساتھ اجڈوں جیسا سلوک نہیں کر سکتیں۔"

دوسرے پانچ جہازوں کے کپتانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ اُن کا کمانڈر الفارس اپنے جہاز میں دو لڑکیاں لایا ہے۔ سب یہ خبر سُن کر ہنسے یا مسکرائے تھے، لیکن سب نے محسوس کیا تھا کہ جہاز میں جنگ کے دوران اپنی بیوی کو تو رکھا جا سکتا ہے اجنبی لڑکیوں کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ انہوں نے الفارس سے بات کی تھی اور اس نے سب کو مطمئن کر دیا تھا۔ سب اس لیے جلدی مطمئن ہو گئے تھے کہ وہ الفارس کو عرصے سے جانتے تھے۔ وہ بدکار آدمی نہیں تھا۔ فرائض سے کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

☆

بیت المقدس کے اندر کی کیفیت غیر معمولی تھی۔ یہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا تھا اس کی مثال کم از کم فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں نہیں ملتی تھی۔ اس ظلم و تشدد کی تاریخ پرانی تھی۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی بے اتفاقی اور اقتدار کی خاطر غداری کرنے والوں کا کرشمہ تھا۔ تاریخ میں حملہ آوروں نے اس سے زیادہ بڑے اور اہم شہر فتح کیے ہیں لیکن صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو اُسے اس قدر اہمیت دی

جیسے انہوں نے آدھی دنیا فتح کر لی ہو۔ سارے یورپ بلکہ تمام تر عیسائی دنیا اور کلیسا کی نظریں بیت المقدس پر لگی ہوئی تھیں۔

اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس کو عیسائی اپنا مقدس مقام سمجھتے تھے۔ اُن کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو اسی علاقے میں کہیں مصلوب کیا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے۔ رسول اللہ یہیں سے معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس لحاظ سے مسجدِ اقصیٰ کا تقدس خانہ کعبہ سے کم نہ تھا۔ مسلمان بیت المقدس کو اپنا نظریاتی مرکز سمجھتے تھے۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز تھا (اور اب بھی ہے) عیسائی مسلمانوں کے اس نظریاتی سرچشمے پر قبضہ کر کے ہمارے نظریات اور عقائد کو باطل قرار دینا چاہتے تھے۔ صلیبیوں کی اٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے غلط نہیں کہا تھا کہ صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے بادشاہوں کی نہیں، یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگیں ہیں جو اُس وقت تک لڑی جاتی رہیں گی جب تک دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔

جس طرح ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کو اور مسلمانوں کو شکست دینے کو اور مسلمانوں کو نہ صرف میدانِ جنگ میں بلکہ دھوکے سے بھی قتل کرنے کو مذہبی فریضہ قرار دے رکھا ہے، اسی طرح عیسائیوں کے پادریوں نے بھی مسلمان کے قتل کو کارِ ثواب قرار دے رکھا تھا۔ عیسائیوں کو جنگ کے احکام بڑے پادری (پوپ) کی طرف سے ملتے تھے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حطین کی جنگ میں عکرہ کا پادری اُس صلیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا جس پر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہ ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ کعبہ کے خلاف جنگ کلیسا نے شروع کی تھی اور یہ دو مذہبوں اور دو نظریات کی جنگ تھی۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ صلیبی جنگوں میں شامل ہونے والے بادشاہوں، جرنیلوں اور ادنیٰ سپاہیوں تک سے صلیب الصلبوت پر صلیب سے وفاداری اور جان و مال کی قربانی کا حلف لیا جاتا تھا۔ اس حلف سے وہ صلیبی کہلائے اور بیت المقدس کے لیے جو جنگیں لڑی گئیں انہیں صلیبی جنگیں کہا گیا۔ عیسائی دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جنگ اور سرزمینِ عرب پر قبضہ کرنے کو ایسا جنون بنا دیا گیا تھا کہ عورتیں اپنے زیورات اور مال و دولت کلیسا کے حوالے کر دیتی تھیں۔ جنون کی انتہا یہ تھی کہ جوان لڑکیوں نے اپنی عصمتیں صلیب کی فتح اور مسلمانوں کی شکست کے لیے پیش کر دیں۔ کلیسا نے کھلی اجازت دے دی کہ مسلمانوں کی کردار کشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے عیسائی لڑکیوں کو استعمال کیا جائے۔ لڑکیوں کو یقین دلایا گیا کہ کلیسا کے مفاد اور عزائم کی خاطر عصمت قربان کرنے والی لڑکی بہشت میں جائے گی۔

اسی عقیدے کے تحت خوبصورت لڑکیوں کو باقاعدہ تربیت دے کر مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا گیا۔ یہ مسلمان امراء کے حرموں میں داخل ہوئیں اور وہ تباہی بپا کی جو آپ اس سلسلے کی کہانیوں میں پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اس مقابلے میں مسلمان آپس میں ٹکراتے رہے اور صلیبیوں کے پھیلائے ہوئے اس حسین جال میں ایسے آئے کہ مذہبی نظریات اور عقائد کو نظر انداز کر کے تخت و تاج کے شیدائی ہو گئے۔ انہوں نے ایمان نیلام کر دیئے۔ پھر بھی کچھ لوگ ابھی زندہ تھے جن کی روحیں ایمان کے نور سے منور تھیں۔ وہ بیت المقدس کی پاسبانی کرتے اور

لہو کے نذرانے دیتے رہے مگر یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک غدار ساری قوم کو بے وقار کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور جب غدار صاحبِ اقتدار ہو تو دشمن سے دس گنا زیادہ فوج بھی شکست کھا جاتی ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ صلیبی ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء (۲۲ شعبان ۴۹۲ ہجری) کے روز بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔

اس فتح میں جن مسلمان امراء اور ریاستوں کے حکمرانوں نے صلیبیوں کو مدد دی اور جس طرح مدد دی وہ ایک طویل اور شرمناک کہانی ہے۔ مثال کے طور پر اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ جب صلیبی فوج بیت المقدس کی طرف بڑھ رہی تھی شہزادہ کے امیر نے نہ صرف یہ کہ اس فوج کو نہ روکا بلکہ اُسے رسد بھی دی اور رہبر (گائیڈ) بھی دیئے۔ حماۃ اور تریپولی کے مسلمان امراء نے بھی صلیبی فوج کو راستہ دے کر رسد بلکہ تحائف بھی دیئے اور اپنے قبیلہ اول کی طرف روانہ کیا۔ راستے میں کئی ایک مسلمان ریاستیں آتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ریاست اور حکومت کے تحفظ کی خاطر صلیبیوں کے دل کش اور حسین تحفے قبول کیے اور ان کے عوض صلیبی فوج کی ضروریات پوری کیں۔

عرقہ کا امیر مردِ مومن تھا جس کی جنگی طاقت صلیبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی لیکن اس نے صلیبی فوج کے جرنیلوں کے مطالبے پر بھی انہیں کچھ نہ دیا بلکہ اُن کے چیلنج کو قبول کر کے انہیں مقابلے کے لیے للکارا۔ صلیبی فوج نے عرقہ کو محاصرے میں لے لیا۔ ۱۴ فروری سے ۱۲ مئی ۱۰۹۹ء تک عرقہ کے مسلمانوں نے ایسی بے جگری سے مقابلہ کیا کہ صلیبی فوج نے بہت سا جانی نقصان اٹھا کر محاصرہ اٹھا لیا اور راستہ بدل کر آگے چلی گئی۔ اگر یہ تمام مسلمان امراء اپنے اپنے علاقے میں بیت المقدس کی طرف بڑھتی ہوئی صلیبی فوج کے سامنے مزاحم ہوتے رہتے تو اُن کا اپنا نقصان تو ضرور ہوتا لیکن صلیبی فوج کا خون قطرہ قطرہ بہہ کر ختم ہو جاتا۔ یہ فوج اپنے پلان سے دو اڑھائی سال تاخیر سے بیت المقدس پہنچتی اور اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہ ہوتا۔

☆

یہ کہنا غلط نہیں کہ صلیبیوں کو بیت المقدس تک مسلمان امراء نے تازہ دم اور رسد سے مالا مال کر کے پہنچایا۔ اس کی سزا اُن مسلمانوں کو ملی جو بیت المقدس میں آباد تھے۔ وہاں مسلمان زائرین بھی گئے ہوئے تھے وہ بھی کچلے گئے۔

۷ جون ۱۰۹۹ء کے روز صلیبیوں نے اس عظیم اور مقدس شہر کا محاصرہ کیا۔ وہاں حکومتِ مصر کا گورنر افتخار الدولہ تھا۔ جس نے محاصرے میں بے مثال شجاعت اور عسکری ذہانت سے مقابلہ کیا۔ شہر کے جنوبی قلعے سے نکال کر صلیبیوں پر حملے کرائے گئے مگر صلیبیوں کے پاس سازوسامان کی افراط تھی اور فوج بے شمار تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء صلیبی شہر میں داخل ہو گئے۔

تمام تر یورپ اور ہر عیسائی ملک میں جشن منائے گئے مگر بھیانک اور ہولناک جشن وہ تھا جو فاتح صلیبیوں نے بیت المقدس کے اندر منایا۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے گھروں میں گھس گئے۔ لوٹ مار کی۔ کسی گھر میں کسی فرد کو، خواہ وہ بوڑھا تھا یا دودھ پیتا بچہ، زندہ نہ چھوڑا۔ زندہ رہنے دیا تو صرف جوان لڑکیوں کو جو اُن کی درندگی کی اذیتوں سے مریں۔ گلیوں میں بھاگتے ہوئے مسلمان بچوں، عورتوں اور مردوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کیا گیا۔ صلیبی ننھے ننھے بچوں کو برچھیوں کی انیوں میں اُڑس کر اوپر اُٹھاتے اور چیخ چیخ کر قہقہے لگاتے تھے۔ کھلے نام

آبروریزی اور سفتولین کے سرکاٹ کر انہیں گیند بنا کر کھیلنا صلیبیوں کا من پسند کھیل بن گیا تھا۔

مسلمانوں کو ایک ہی پناہ نظر آتی تھی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ وہاں کی امان ملے گی اور کسی بھی مذہب کا پیروکار وہاں اُن پر زیادتی کرنے کو گناہ سمجھے گا۔ یہ تھی مسجدِ اقصیٰ۔ مسلمان اپنے بال بچوں کو لے کے مسجدِ اقصیٰ میں چلے گئے۔ جنہیں وہاں پاؤں رکھنے کو بھی جگہ نہ ملی وہ بابِ داؤد اور دوسری مسجدوں میں چلے گئے۔ خود عیسائی مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان پناہ گزین مسلمانوں کی تعداد ستر ہزار کے لگ بھگ تھی۔ صلیبی جو مسجدِ اقصیٰ کو اپنی عبادت گاہ کہتے تھے اُس کے احترام کا ذرہ بھر خیال نہ کیا۔ وہ پناہ گزینوں پر ٹوٹ پڑے۔ کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑا۔ مسجدِ اقصیٰ، بابِ داؤد اور تمام مسجدیں لاشوں سے اَٹ گئیں اور خون باہر بہنے لگا۔ مؤرخین نے ان الفاظ میں یہ کیفیت بیان کی ہے۔ "صلیبیوں کے گھوڑوں کے پاؤں ٹخنوں تک مسلمان شہریوں کے خون میں ڈوب گئے تھے۔"

لڑکیوں کو مسجدوں اور مسلمانوں کے دیگر مقدس مقامات میں لے جا کر بے آبرو کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ بدنصیب یہ لڑکیاں تھیں اور اُن کے جنگی قیدی۔ جنگی قیدیوں کو مویشی بنا لیا گیا تھا۔ انہیں کھانے کو کم دیا جاتا اور مشقت زیادہ لی جاتی۔ جن کاموں میں پہلے گھوڑے اور اونٹ استعمال ہوتے تھے۔ ان میں اب جنگی قیدی استعمال ہونے لگے۔ اُن کے ہاتھوں مسجدیں مسمار کرائی گئیں۔ جنہوں نے انکار کیا انہیں بے دردی سے قتل کیا گیا۔ کسی وحشی صلیبی نے ایک جنگی قیدی کو قتل کر کے اس کے جسم کا گوشت کاٹا اور پکا کر کھا گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گوشت لذیذ ہے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے انسان خوری (بلکہ مسلمان خوری) شروع کر دی۔ جب کبھی کوئی جشن یا تقریب مناتے ایک دو تندرست اور توانا مسلمانوں کو قتل کر کے ان کا گوشت کھاتے تھے۔

اس کی تردید عیسائی مؤرخین نے کی ہے لیکن انسان خوری کے واقعات خود یورپین مورخوں نے ہی اپنی تحریروں میں بیان کیے ہیں۔

مسجدوں کو حرام کاری کے لیے استعمال کرنے کے علاوہ صلیبیوں نے ان میں گھوڑے باندھے۔ مسجدِ اقصیٰ میں مختلف مسلمان سلاطین اور دیگر دولت مند زائرین نے سونے اور چاندی کے فانوس اور قندیلیں لگوائی تھیں۔ تحفے کے طور پر سونے اور چاندی کی کئی ایک اشیاء رکھی تھیں۔ صلیبیوں نے یہ تمام فانوس، قندیلیں اور بیش قیمت اشیاء اٹھا لیں اور مسجد کی سنڈیر پر صلیب نصب کر دی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو بیت المقدس کی بے حرمتی اور وہاں کے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کی یہ روئیداد اُس کے باپ نجم الدین ایوب نے بچپن سے سنانی شروع کر دی تھی۔ نجم الدین ایوب کو یہ روئیداد اس کے باپ (سلطان ایوبی کے دادا) شادی نے سنائی تھی۔ یہ روئیداد سلطان ایوبی کے خون میں شامل ہو گئی تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیت المقدس کو آزاد کرائے گا۔ اب جبکہ وہ اس مقدس شہر کو فتح کرتے نکلا تھا تو اُس کے دو بیٹے، الملک الافضل اور الملک الظاہر جوان تھے اور اس کی فوج میں تھے۔ بیت المقدس کے متعلق جو باتیں اُسے اپنے باپ نے سنائی تھیں وہ اس نے اپنے بیٹوں کو یوں سنا دی تھیں جیسے ایک قیمتی ورثہ اُن کے حوالے کیا ہو۔

"بے مقصد جینے سے قبل از وقت مر جانا بہتر ہے۔" اُس نے اپنے بیٹوں کی جنگی تربیت مکمل کر کے انہیں اپنی فوج میں شامل کرتے وقت کہا تھا۔ "یہ الفاظ تمہارے دادا مرحوم کے ہیں جو انہوں نے مجھے اُس وقت کہے تھے جب میں چچا شیرکوہ کے ساتھ صلیبیوں کے خلاف پہلی جنگ لڑنے کے لیے چلا تھا۔ انہوں نے کہا تھا، مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم کسی جگہ کے حکمران بنو گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم سلطان بن جاؤ۔ یاد رکھو بیٹے! تم آج سے میرے بیٹے نہیں قوم کے بیٹے ہو۔ قرآن کا حکم ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرو۔ اب تمہارے مار، باپ تم اور سلطنت ہے۔ اولاد کو ماں باپ پر حکم چلانے اور اُن کا دل دکھانے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ خیال رکھنا یوسف! قوم کا دل نہ دکھانا۔ دیکھنا کہ تم پر قوم کے کیا کیا حقوق ہیں۔ یہ ادا کرنا!...

"اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ جو لوگ قوم کی آن پر، اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں انہیں نہ بھولنا۔ جو قوم اپنے شہیدوں کو بھول جاتی ہے اُس قوم کو خدا بھول جاتا ہے۔ جس قوم سے خدا نظریں پھیر لیتا ہے، تم نہیں جانتے کہ یہ دنیا اُس کے لیے جہنم بن جاتی ہے۔ اُس کی عبادت گاہیں اصطبل اور اُس کی بیٹیاں دشمن کی عیاشی کا سامان بن جاتی ہیں۔ اُس قوم کی تقدیر اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے.... جب تمہیں حکومت کی مسند پر بٹھایا جائے گا تو قوم کو رعایا نہ سمجھنا۔ بندوں پر حکومت کا حق صرف اللہ کا ہے، بندوں پر حکومت کر کے اللہ کی برابری کا گناہ کرو گے تو انجام مصر کے فرعونوں والا ہوگا۔ حکومت کا مطلب وہ ذمہ داری ہوتی ہے جو قوم کی طرف سے اللہ اُس کے حکمران پر عائد کرتا ہے۔ حکمران کی اپنی کوئی ذات نہیں رہتی۔ وہ فرد کی حیثیت سے مر جاتا ہے۔ وہ قوم کا امین اور قوم کا حصہ بن جاتا ہے۔ قوم کو فاقے کرنے پڑیں تو حکمران کو اپنا پیٹ نہیں بھرنا چاہیئے۔ وہ اپنے منہ میں نوالہ ڈالے تو اُسے یقین کر لینا چاہیئے کہ قوم کے ہر فرد کے منہ میں ایسا ہی نوالا جا رہا ہے۔ وہ جب گھوڑے پر سوار ہو تو دیکھے کہ اُس کی گردن مسجد کے مینار کی طرح اکڑ کر سیدھی تو نہیں ہو گئی؟....

"اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ گردن اُس روز اونچی کرنا جس روز مسجدِ اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرا لو گے۔ اطمینان کی نیند اُس رات سونا جس رات مسجدِ اقصیٰ میں فتح کے نفل پڑھ لو گے اور اس مسجد کی دہلیز جہاں سے ہمارے رسولؐ معراج کے لیے اللہ کے حضور گئے تھے، اپنے آنسوؤں سے دھو دو گے.... اور میرے بیٹو! وہ بچے جو بیت المقدس کی گلیوں اور مسجدوں میں قتل ہوئے تھے اور قوم کی وہ بیٹیاں جو وہاں بے آبرو ہوئی تھیں، مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتیں۔ جس مسجد میں میرے اللہ کے رسولؐ کے مبارک قدم گئے اور جس مسجد میں رسولؐ پاک کی مبارک جبیں نے سجدے کیے تھے، اس مسجد کی اینٹیں رات بھر میرے اوپر گرتی رہتی ہیں۔ میں بدک بدک جاتا ہوں۔ کبھی درد سے کراہتی ہوئی ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جیسے مسجدِ اقصیٰ میں قتل ہونے والے بچے بزبانِ گریہ افغانیں دے رہے ہوں.... وہ تمہیں پکار رہے ہیں میرے بیٹو! وہ مجھے پکار رہے ہیں...

"اور تمہارے دادا نے بڑھاپے سے کانپتے ہوئے ہاتھ مجھے دکھا کر کہا تھا کہ میں نے اپنی جوانی تمہیں دے دی ہے۔ جو کام میں نہیں کر سکا وہ تم کرو۔ بیت المقدس جاؤ اور یہی تمہارے جینے کا مقصد ہوگا۔ سلطنت کی مسند پر

بیٹھ کر اپنے دشمن کو اس لیے نظر انداز کیے رکھو گے کہ اطمینان سے قوم پر حکومت کر سکو تو اس مسند کی عمر طویل نہیں ہوگی۔ شہیدوں کی روحیں جنات بن کر تمہاری مسند کو اُلٹ دیں گی۔ جینے کا مقصد وہ رکھو جو خدا کو عزیز ہو اور جس میں قرآن کا حکم شامل ہو....

"میرے عزیز بیٹو! آج میں اپنے باپ کا ورثہ تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ آج سے تم میرے نہیں ملتِ اسلامیہ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہاری ماں سے کہہ دیا کہ بھول جا تیری کوکھ نے کوئی بیٹے جنے تھے۔ اگر انہیں بھول سکی تو اُن کی زندگی کی دعا نہ کرنا۔ میں انہیں وہاں ذبح کرانے لے جا رہا ہوں جہاں ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ قربان کرنے کے لیے اس کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ اگر دعا کرنی ہے تو اللہ سے یہ التجا کرنا کہ تو نے جو دودھ ان بچوں کو پلایا ہے یہ نور سے منور خون بن کر مسجدِ اقصیٰ کا فرش دھو ڈالے.... اور اللہ کرے گا ایسا ہی ہوگا۔ عہد کرو میرے بیٹو! میں زندہ نہ رہا تو بیت المقدس کو تم آزاد کراؤ گے۔"

اُس نے دونوں بیٹوں کو ۱۱۹۶ء کی خونچکاں داستاں سنائی اور جب اُس نے بیٹوں کو جانے کی اجازت دی تو انہوں نے سلطان ایوبی کو اُس طرح سلام نہ کیا جس طرح بیٹے اپنے باپ کو کیا کرتے ہیں۔ وہ اُٹھے اور الافضل جو بڑا تھا، بولا — "سلطانِ عالی مقام! صرف شہید ہونا کوئی کارنامہ نہیں۔ ہم شہادت سے پہلے بیت المقدس کی گلیوں میں دشمنوں کا اتنا خون بہائیں گے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤں پھسلیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ آپ مسجدِ اقصیٰ سے صلیب اپنے ہاتھوں اتار کر صلیبیوں کے غلیظ خون میں پھینک رہے ہیں۔"

"مگر یہ خون نہتے شہریوں کا نہیں ہوگا الافضل" — سلطان ایوبی نے کہا۔

"یہ خون زرہ پوش صلیبیوں کا ہوگا" — الافضل نے کہا — "یہ خون اس لوہے سے ٹپکے گا جس سے صلیبیوں نے اپنے جسم ڈھانپ رکھے ہیں۔ ایمان کی تلوار باطل کے فولاد کو کاٹنے کی طاقت رکھتی ہے۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے" — سلطان ایوبی نے کہا۔

بیٹوں نے فوجی انداز سے باپ کو سلام کیا اور باہر نکل گئے۔

☆

اب سلطان ایوبی بیت المقدس سے چالیس میل دُور بحیرۂ روم کے کنارے عسقلان میں اُس چیتے کی طرح بیٹھا تھا جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو۔ جذباتی طور پر وہ فوراً بیت المقدس کی طرف پیشقدمی کرنے کو تیار تھا۔ لیکن وہ جنگ کے حقائق کو دیکھ رہا تھا۔ یہ چالیس میل کا فاصلہ تو جیسے آتش فشاں چٹانوں سے بھرا پڑا تھا۔ بیت المقدس کا دفاع ہی ایسا تھا۔ صرف شہر کے اردگرد ہی دیوار نہیں تھی بلکہ اس شہر کے اردگرد دُور دُور تک کے علاقے میں چھوٹی چھوٹی قلعہ بندیاں اور صلیبی فوج کی چوکیاں (آؤٹ پوسٹیں) تھیں۔ گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ گھوڑ سوار پارٹیاں اُن راستوں پر گھومتی پھرتی رہتی تھیں جن سے بیت المقدس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اب یہ دفاعی انتظامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیئے گئے تھے۔ بیت المقدس کے اندر جو فوج تھی اس کے جرنیلوں کو سلطان ایوبی کی ہر ایک نقل و حرکت کا علم تھا مگر اُن میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ سلطان

ایوبی کو عسقلان میں روک لینے یا اس پر جوابی حملہ کرتے۔ حطین سے عسقلان تک سلطان ایوبی نے اُن کی عسکری قوت کا بہت زیادہ خون نکال لیا تھا۔

بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان تھا جو حطین میں جنگی قیدی ہو گیا اور اب دمشق کے قید خانے میں تھا۔ وہ جو فوج اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کا کچھ حصہ مارا گیا۔ کچھ جنگی قیدی ہُوا اور باقی فوج ایسی بھاگی کہ اب اُس کے افسر، سپاہی اور زرہ پوش نائٹ زخمی یا خوفزدگی کی حالت میں بیت المقدس میں آ رہے تھے۔ نائٹوں کے مورال میں کچھ جان تھی کیونکہ انہیں اپنے رتبے اور اعزاز کا پاس تھا۔ دیگر فوج نے شہر میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ جرنیلوں نے نائٹوں کو از سرِ نو منظم کر لیا۔ اس طرح بیت المقدس کے اندر کی تعداد ساٹھ ہزار ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ تمام آبادی کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر پر شہر فتح کرتا آ رہا ہے اس لیے شہری بھی لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شہر کے دفاع کو اور زیادہ مستحکم کر لیا گیا۔

شہر کے ایک دو دروازوں کو دن کے دوران کھلا رکھنا پڑتا تھا کیونکہ میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں آتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوس پہلے ہی شہر میں موجود تھے، اب بھاگے ہوئے صلیبیوں کے بھیس میں چند اور جاسوس اندر چلے گئے اور شہر کے دفاعی انتظامات اور دیوار کو اچھی طرح دیکھ کر نکل بھی آئے۔ مسلمانوں پر پابندیاں پہلے سے زیادہ سخت کر دی گئیں۔

☆

بیت المقدس سے دس بارہ میل عسقلان کی طرف صلیبیوں کی ایک چوکی تھی جس میں ایک سَو کے قریب صلیبی فوجی رہتے تھے انہوں نے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ ستمبر ۱۱۸۷ء کی ایک رات اُن کی چوکی کے قریب ایک دھماکا سا ہُوا، پھر دو تین اور ایسے ہی دھماکے ہوئے۔ اُن کے فوراً بعد شعلے اٹھے اور تین چار خیمے جلنے لگے۔ سپاہی جاگ کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ جونہی فوجیوں میں ہلچل مچی، اُن پر ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ جلتے خیموں کی روشنی میں وہ نظر آ رہے تھے۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار جیش نے چھوٹی منجنیق سے پھینکی تھیں۔ یہ چوکی میں گر کر ٹوٹیں تو جہاں یہ گری تھیں وہاں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے گئے۔ آتش گیر سیال جل اُٹھا۔

صلیبی اِدھر اُدھر بھاگے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ گھیرے میں آئے ہوئے ہیں اور زندہ نکل نہیں سکیں گے۔ چھاپہ ماروں نے للکارنا شروع کر دیا۔ "زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔" شعلوں کی دہشت اور تباہ کاری تو اپنی جگہ تھی، سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی للکار نے صلیبیوں کا رہا سہا دم خم بھی ختم کر دیا۔ وہ ہتھیار ڈال کر چھاپہ ماروں کی حراست میں آ گئے۔ اُن کی تعداد پچیس تیس رہ گئی تھی۔ اُن سے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ لے کر پیچھے بھیج دیا گیا۔

صبح طلوع ہوئی تو اس جلی ہوئی چوکی میں سلطان ایوبی کے ہراول دستے کا ایک جیش پہنچ چکا تھا۔ اس سے فوج کی پیش قدمی خاصے دُور علاقے تک محفوظ ہو گئی۔ چھاپہ ماروں کی حالت جنگل کے درندوں کی

سی ہو گئی تھی۔ وہ دو دو جانباز چٹانوں، ٹیکریوں اور جھاڑیوں میں چھپ چھپ کر گھومتے پھرتے رہتے تھے جہاں انہیں گشتی سواروں یا پیادہ سپاہیوں کی آواز آتی وہ چھپ جاتے اور جب صلیبی قریب آتے یہ اُن پر ٹوٹ پڑتے۔ وہ آدمی اگر چھ آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں تو دو کا کیا حشر ہونا ہو گا۔ اس سے چھاپہ مار شہید بھی ہوتے تھے زخمی بھی۔

یہ اُن کی انفرادی جنگ تھی۔ انہیں کوئی کمانڈ دیکھ نہیں رہا تھا۔ وہ کہیں اِدھر اُدھر چھپے رہتے تو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا لیکن جسمانی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں جو روحانی اور ذہنی ٹریننگ دی گئی تھی اس نے انہیں آگ بگولا کر رکھا تھا۔ حطین کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے جو بڑے شہر فتح کیے تھے وہاں کے مسلمانوں کی حالت فوج کو دکھائی گئی تھی۔ انہیں مسجدوں کی بربادی اور بے حرمتی دکھائی گئی تھی اور انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جنگ کسی بادشاہ کی بادشاہی کے تحفظ کے لیے نہیں لڑی جا رہی بلکہ یہ اسلام کے تحفظ اور اس عظیم مذہب کے دشمن کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ اس ٹریننگ سے یہ جنگ اُن کے ایمان کو جزو بن گئی تھی۔

عسقلان میں سلطان ایوبی رات کو سونا بھی کم ہی تھا۔ چھاپہ ماروں کی طرف سے قاصد آتے رہتے تھے اور بیت المقدس سے کوئی جاسوس بھی آ جاتا تھا۔ یہ رات کو بھی آتے تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا تھا کہ کہیں سے کوئی پیغام کسی بھی وقت آئے اُسے اسی وقت دیا جائے خواہ وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ چھاپہ ماروں کی رپورٹیں یہی ہوتی تھیں کہ فلاں مقام پر صلیبیوں کی ایک چوکی پر حملہ کیا گیا۔ اتنے صلیبی مارے گئے اور اتنے چھاپہ مار شہید اور زخمی ہوئے ہیں اور فلاں راستہ صاف کر لیا گیا ہے۔ اس کے مطابق سلطان ایوبی نقشے پر پیشقدمی کے راستے کی لکیر میں ردّ و بدل کرتا رہتا تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے سالاروں اور نائب سالاروں کی آخری کانفرنس منعقد کی۔ اس میں بحریہ کے کپتان الفارس بید رَوان کو بھی بلایا گیا۔ الفارس کے پاس جب قاصد پہنچا اُس وقت اس کا جہاز عسقلان سے بیس میل دُور کھلے سمندر میں تھا۔ کشتی اُس تک پہنچتے آدھا دن لگ گیا اور الفارس اسی کشتی میں رات کو عسقلان پہنچا۔ قاصد نے اُسے بتایا تھا کہ سلطان نے تمام سالاروں کو بلایا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بیت المقدس پر حملے کے متعلق اجلاس ہو گا۔ جہاز سے قاصد کے ساتھ روانہ ہوتے وقت اس نے دونوں لڑکیوں کو بتایا کہ وہ عسقلان جا رہا ہے۔

"سلطان نے بلایا ہے؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں بلایا ہے؟" دوسری نے پوچھا۔

"میرے سرکاری فرائض کے متعلق تم پوچھنا کیوں ضروری سمجھتی ہو؟" الفارس نے انہیں کہا۔ "تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میری ذات کے سوا کچھ اور نہ پوچھا کرو۔"

دونوں ہنس پڑیں۔ ایک بولی۔ "اگر ہم اس قابل ہوتیں تو آپ کی غیر حاضری میں آپ کے جہاز کو سنبھالے رکھتیں اور دشمن کے جہاز آجاتے تو اُن سے لڑائی کرتیں۔"

"تم جس قابل ہو میں تم سے وہی کام لوں گا۔" الفارس نے کہا۔ "میری غیر حاضری میں زیادہ وقت نیچے ہی گزارنا۔ اوپر جا کر ملاحوں اور عسکریوں کے کام میں دخل نہ دینا۔"

"آپ کب واپس آئیں گے؟"

"آج رات شاید نہ آسکوں۔" الفارس نے جواب دیا۔ "کل شام تک آسکوں گا۔"

الفارس لڑکیوں میں پوری طرح گھل مل گیا تھا۔ وہ اُس سے سلطان ایوبی کے آئندہ اقدامات کے متعلق اکثر پوچھتی تھیں۔ یہ بھی پوچھا کرتیں کہ بحیرۂ روم میں مصر اور شام کا بحری بیڑہ بندرگاہوں میں ہے یا سمندر میں اور کُل کتنے جہاز ہیں، اِن میں فوج کتنی ہے۔ الفارس نے انہیں ٹالنے کی بجائے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے ایسے سوال نہ پوچھا کریں۔ اس کے باوجود وہ اپنے حُسن اور ناز و ادا کا طلسم طاری کر کے اُس سے کوئی ایسی بات پوچھ ہی لیتیں تھیں جو نوجی راز ہوتا تھا۔ الفارس جذباتی مدہوشی سے فوراً بیدار ہو جاتا اور انہیں پیار سے ڈانٹ دیا کرتا تھا۔

نشے کی حالت میں انسان دل میں چھپائی ہوئی بات اُگل دیا کرتا ہے۔ نشہ خواہ شراب کا ہو یا کسی دوائی کا مگر الفارس شراب نہیں پیتا تھا، نہ جہاز میں کسی کو شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز رکھنے کی اجازت تھی۔ الفارس بدکار بھی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ پر ان لڑکیوں کا نشہ طاری کر لیا کرتا تھا جس سے اُس کی تھکن دُور ہو جاتی اور وہ تازہ دم ہو جایا کرتا تھا۔ یہ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ الفارس میں نہ شراب کی عادت ہے نہ اُس کے جذبات سفلی اور حیوانی ہیں تو انہوں نے اس پر پیار اور محبت کا نشہ طاری کرنا شروع کر دیا تھا، مگر الفارس اپنے فرائض اور ذمہ داری کا اتنا پکا تھا کہ جذبات پر مدہوشی طاری ہوتی تو بھی اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا تھا۔

☆

ایک رات الفارس گہری نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکیاں اپنے کیبن میں تھیں۔ دونوں اوپر چلی گئیں اور عرشے کے جنگلے کے سہارے سمندر پر چاندنی کے بکھرے اور چمکتے ہوئے موتیوں سے لطف اٹھانے لگیں۔

"روزی!" ایک لڑکی نے دوسری سے کہا۔ "مجھے اپنے سامنے گہرا اندھیرا نظر آتا ہے۔ الفارس لگتا مرد ہے لیکن کوئی ایسی ویسی بات پوچھ تو پیغمبر بن جاتا ہے۔ میرا خیال ہے ہم اپنا یہاں کام نہیں کر سکیں گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اینڈریو آئے تو اُسے کہیں کہ ممکن ہو تو ہمیں یہاں سے لے جائے؟"

اینڈریو وہ آدمی تھا جو چھوٹی سی کشتی جہازوں کے قریب لے جا کر کھانے پینے اور ضروریات کی اشیاء جہاز کے ملاحوں اور سپاہیوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہے کہ یہ آدمی اِن لڑکیوں کو اتفاق سے ملا تھا۔ وہ غریب ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنی کشتی پر الفارس کے جہاز کے قریب چیزیں بیچنے آیا تھا۔ اس نے لڑکیوں کو اور لڑکیوں نے اُسے پہچان لیا تھا اور انہوں نے رسیوں کی سیڑھی نیچے کروا کے اُسے چیزیں

خریدنے کے بہانے اوپر بلا لیا تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو بتایا تھا کہ وہ الفارس کے ان سب جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے اور وہ موقع ملتے ہی ان جہازوں کو تباہ کرا دے گا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ کس طرح الفارس سے ملی تھیں اور انہوں نے خانہ بدوش بن کر اس جہاز میں پناہ لے لی ہے۔ لڑکیوں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ وہ پناہ کے بہانے جاسوسی اور تباہ کاری کریں گی۔

اس آدمی کا نام اینڈریو تھا اور وہ تخریب کار جاسوس تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد وہ دوبارہ اپنے بہروپ میں آیا اور لڑکیوں سے ملا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ الفارس اُن کے جال میں نہیں آرہا اور وہ کوئی راز نہیں دے رہا۔ اینڈریو یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جہاز کب تک اس ڈیوٹی پر رہیں گے اور یہ ٹائر کی طرف جائیں گے یا نہیں۔ اس نے لڑکیوں سے کہا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے تم اپنا فن بھول گئی ہو۔ اس جہاز میں اکیلا الفارس نہیں۔ اُس کا نائب بھی ہے اور اُس کے نیچے ایک افسر اور بھی ہے۔ ان میں سے کسی کو گانٹھ لو۔ ان میں رقابت پیدا کر دو۔ الفارس کے نائب کو اس کا دشمن بنا دو۔ اپنا جادو چلاؤ۔ تم کیا نہیں جانتیں؟ سب جانتی ہو۔"

اُس رات ایک لڑکی دوسری سے مایوس ہو کر کہہ رہی تھی کہ روزی، اینڈریو آئے تو اُسے کہتی ہیں کہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائے۔

"سنو فلوری!" روزی نے اُسے جواب دیا۔ "اینڈریو ہمیں یہاں سے نکال نہیں سکے گا۔ یہ جنگی جہاز ہے تم دیکھ رہی ہو کہ رات کو عرشے پر، بلکہ وہ اوپر دیکھو، مستول پر مچان بنائے ایک بحری سپاہی کھڑا ہے۔ فرار کی کوشش میں ہمارے ساتھ اینڈریو کے پکڑے جانے کا بھی امکان ہے۔ ہمیں اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔"

"دوسرا حربہ استعمال کریں؟" فلوری نے پوچھا۔

"کرنا پڑے گا۔" روزی نے کہا۔ "الفارس کا نائب کپتان تو پہلے ہی ہمیں بھوکی نظروں سے دیکھتا اور مسکراتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بڑے لمبے عرصے سے سمندر میں ہیں۔ ان کے سروں پر موت منڈلاتی رہتی ہے۔ خدا نے مرد میں عورت کی جو کمزوری پیدا کی ہے وہ اسی کیفیت میں اُبھرتی ہے۔ اشارے کی دیر ہے۔ یہ تباہ کہ یہ کام میں کروں یا تم کرو گی۔ تمہیں مجھ سے زیادہ تجربہ حاصل ہے۔"

"میں ہی کر لیتی ہوں۔" فلوری نے کہا۔

"لیکن اس کام کے اصول یاد رکھنا۔" روزی نے کہا۔ "راز لے لینا لیکن اس کی قیمت صرف دکھا دینا۔ ادا نہ کرنا۔ اس شخص میں اتنی تشنگی بلکہ دیوانگی پیدا کرنا کہ یہ شخص تمہیں یا الفارس کو قتل کرنے کی باتیں کرنے لگے۔"

الفارس کا نائب رؤف کُرد تھا۔ وہ اِن لڑکیوں کو دیکھتا اور مسکراتا رہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ الفارس کی بیویاں یا داشتہ نہیں اور یہ خانہ بدوش ہیں جنہیں الفارس نے اپنے جہاز میں پناہ دی ہے رؤف کُرد کے دل میں لڑکیوں نے ہلچل بپا کر دی تھی۔ اُس رات جب یہ لڑکیاں عرشے پر جنگلے کا سہارا

یہ باتیں کر رہی تھیں، رؤف اپنی ڈیوٹی پر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ الفارس سلطان ایوبی کے بلاوے پر جا چکا تھا۔ اب جہاز رؤف کرد کی تحویل میں تھا۔

فلوری عرشے کے جنگلے کے ساتھ کھڑی رہی۔ روزی ٹہلنے کے انداز سے وہاں سے چل پڑی اور رؤف کرد کے قریب سے گزرتے مسکرائی۔ رؤف کرد نے اُسے اپنے پاس بلا لیا اور رسمی سی باتیں کیں۔ روزی چلنے لگی تو رؤف کرد نے اُسے رُکنے کو کہا۔

"میں آپ کے پاس رُکی رہی تو وہ (فلوری) ناراض ہوگی۔" روزی نے کہا۔

"ناراض کیوں ہوگی؟"

"اپنے اپنے دل کی بات ہے۔" روزی نے کہا۔ "ایک روز الفارس نیچے سو رہے تھے اور میں ریلنگ پر آپ کے پاس کھڑی تھی تو اس (فلوری) نے دیکھ لیا۔ بعد میں کہنے لگی — 'میری ملکیت پر قبضہ نہ کرو۔ رؤف میرا ہے۔ جب ہم مر جائیں گے تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی' — یہ الفارس کو پسند نہیں کرتی اور اس ڈر سے آپ کے قریب نہیں آتی کہ الفارس ناراض ہوگا۔"

رؤف کرد کے جذبات میں زلزلے بپا ہو گئے۔ مردانہ فطرت کی کمزوری نے اُس سے ہتھیار ڈلوا لیے۔ اُس نے فلوری اور روزی سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں بھی دیکھی تھیں لیکن اُن کے حُسن اور ڈیل ڈول میں جو دلربائی کشش تھی وہ اس نے کسی لڑکی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اُسے یہ پتہ چلا کہ ان میں سے ایک اُسے چاہتی ہے تو اس کا دماغ جذبات کے بنائے اُس راستے پر چلنے لگا جس پر مرد جاتے نظر آتے ہیں، واپس آتے دکھائی نہیں دیتے۔ روزی اُسے مسلم ہوشربائیں چھوڑ کر چلی گئی۔ اُس نے اپنے کیبن میں اُترنے والی سیڑھیوں پر پاؤں رکھ کر پیچھے دیکھا۔ رؤف کرد آہستہ آہستہ فلوری کی طرف جا رہا تھا۔

"آج رات سوؤ گی نہیں جوانی؟" رؤف کرد نے فلوری کا وہ نام لیا جو اُس نے الفارس کو بتایا تھا۔

سنڈی نے اپنا نام ازمیر بتایا تھا۔ خانہ بدوشوں کے نام اسی قسم کے ہوا کرتے تھے۔

رؤف کرد کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر وہ ٹریننگ کے مطابق ایسے انداز سے شرمائی اور مسکرائی کہ اس اُملہ سے کنواری دلہن بھی نہ شرماتی ہوگی۔ رؤف کرد نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو فلوری سکڑ گئی۔

"ازمیر نے مجھے تمہارے متعلق کچھ بتایا ہے" — رؤف کرد نے کہا — "کیا یہ سچ ہے؟"

فلوری نے اُس کی طرف دیکھا اور فوراً گردن گھما کر سمندر کی طرف دیکھنے لگی۔ رؤف کرد نے اپنا سوال دہرایا اور فلوری کے اس ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا جو جنگلے پر رکھا تھا۔ فلوری نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اُلٹا کر کے انگلیاں رؤف کرد کی انگلیوں میں اُلجھا دیں.... تھوڑی ہی دیر بعد فلوری اُس جگہ رؤف کرد کے ساتھ بیٹھی تھی، جہاں اُس کی ڈیوٹی تھی۔ جہاز نے لنگر ڈال رکھے تھے۔ دو تین چار توپیں سمندر پر تیر رہی تھیں۔ یہ الفارس کے جہاز تھے جو گشت کر رہے تھے۔

آدھی رات کو رؤف کرد کی جگہ اُس کے ایک ماتحت افسر کو ڈیوٹی پر آنا تھا۔ رؤف کرد نے فلوری سے

کہا کہ وہ اس کے کیبن میں چلے اور وہ آتا ہے۔ فلوری چلی گئی۔

جہاز کے عرشے سے صبح کی اذان کی آواز آئی تو فلوری رؤف کرد کے کیبن سے نکلی۔ اُس نے الفارس کے اس نائب کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہتی ہے اور الفارس کو وہ نائب کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اُس نے رؤف کرد سے یہ بھی کہا — "الفارس مجھے کہتا تھا کہ رؤف کے ساتھ بات نہ کرنا، بہت بُرا آدمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بہت بُرا آدمی ہے۔ اس نے ہمیں پناہ تو دی ہے لیکن ہماری مجبوری سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر ہم اتنی مجبور نہ ہوتیں تو اتنی زیادہ قیمت کبھی نہ دیتیں۔"

رؤف کرد کے دل میں اپنی محبت کا دھوکہ اور الفارس کی دشمنی پیدا کر کے وہ اس کے کیبن سے نکل آئی اور جو باتیں اُسے الفارس نے کبھی نہیں بتائی تھیں وہ رؤف کرد نے اُسے بتا دیں۔

اُس رات سلطان ایوبی سویا نہیں۔ رات اجلاس میں گزر گئی۔ وہ ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا جس سے بیت المقدس کا محاصرہ ناکام ہو جائے۔ اس نے سالاروں وغیرہ کو بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ نقشے پر دکھایا۔ اُس نے نقشے پر اُن جگہوں پر نشان لگا رکھے تھے جہاں کچھ دن پہلے صلیبیوں کی چوکیاں تھیں اور اب وہاں اپنے چھاپہ مار تھے یا ہراول کی تھوڑی تھوڑی نفری تھی یا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ راستہ سات تھا۔ ایسی جگہوں پر بھی اُس نے نشان لگا رکھے تھے جہاں صلیبیوں کی قلعہ بندیوں کی ساخت کی چوکیاں ابھی موجود تھیں اور اُن میں نفری کچھ زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی نے سب کو بتایا کہ اس نے اُن پر قبضہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کیونکہ وہ اپنی جنگی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا علاج اس نے یہ بتایا کہ یہ سب چوکیاں بلندیوں پر ہیں اس لیے انہیں نظر انداز کر کے ذرا سا دُور سے گزرنا ہے۔ ان میں جو فوج ہے وہ ان میں بیٹھی رہے۔ یہ تھوڑی تھوڑی نفری باہر آ کر ہمارا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کرے گی۔

"لیکن دُور سے ہمیں دیکھ کر ان میں سے قاصد بیت المقدس جا خبر دیں گے؟" ایک سالار نے کہا — "پھر ہم بیت المقدس والوں کو بے خبری میں نہیں لے سکیں گے۔"

"بے خبری میں جا لینے کی اُمید دل سے نکال دو۔" سلطان ایوبی نے کہا — "صلیبیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم بیت المقدس جا رہے ہیں۔ ان کا انداز بتاتا ہے کہ وہ بیت المقدس کے راستے میں ہمارے مقابلے میں نہیں آئیں گے۔ ایک تو شہر میں پہلی فوج ہے جو کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئی۔ یہ شہر کے دفاع کے لیے محفوظ اور تیار رکھی گئی ہے۔ وہاں سے جاسوس اطلاع لائے ہیں کہ یہ فوج دن رات محاصرے میں لڑنے اور محاصرہ توڑنے کی مشق کرتی رہتی ہے۔ اس میں اضافہ یوں ہوا ہے کہ ہم نے جو مقامات فتح کیے ہیں وہاں کی بھاگی ہوئی فوج بھی بیت المقدس چلی گئی ہے۔ اس میں زرہ پوش نائٹ بھی ہیں۔ ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ محاصرے کے دوران یہ نائٹ دروازوں سے باہر آ کر حملے کریں گے اور ہر حملے کے بعد شہر میں چلے جائیں گے۔ انہوں نے یہ طریقہ ہم سے سیکھا ہے۔ جھپٹا مارو اور غائب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ تم دشمن کو بے خبری میں جا لو گے، دشمن تمہارے انتظار میں تیار کھڑا ہے۔ پھر بھی میں نے انتظام کر رکھا ہے کہ صلیبیوں کی کسی چوکی سے کوئی قاصد

بیت المقدس نہ پہنچ سکے۔ بیت المقدس اور اُن کی چوکیوں کے درمیان ہمارے چھاپہ مار موجود ہیں۔ کسی کو زندہ نہیں جانے دیں گے....

"فوج کی تعداد کے متعلق جاسوس مختلف اطلاعیں لائے ہیں۔ اِن سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ بیت المقدس کے اندر صلیبیوں کی باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار سے کچھ زیادہ ہو سکتی ہے کم نہیں ہوگی۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ وہاں مسلمان قیدی اور نظر بندی ہیں اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اس کے مقابلے میں عیسائی شہری اپنی فوج کے دوش بدوش محاصرے میں بے جگری سے لڑیں گے۔ عیسائیوں نے اپنے بچوں کو بھی تیر اندازی کی تربیت دے رکھی ہے۔ شہر کی دیواروں کے اوپر سے ہم پر تیر مینہ معنوں میں موسلا دھار بارش کی طرح آئیں گے۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صلیبی تیر پھینکنے کے لیے ایک نئی کمان ہے ہیں جس کی شکل صلیب کی سی ہے۔ اس سے تیر دُور بھی جاتا ہے اور نشانہ بھی صحیح ہوتا ہے۔"

سلطان ایوبی نے نقشے پر حاضرین کو تمام جگہیں اور راستے وغیرہ دکھائے پھر محاصرے کے متعلق ہدایات دیں اور سب سے پوچھا کہ یہ آخری اجلاس ہے اس لیے کسی کے ذہن میں کوئی ذرا سا بھی شک ہو تو وہ رفع کر لے اور کوئی سوال خواہ وہ کتنا ہی بے معنی کیوں نہ ہو پوچھ لے۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد جو اس تاریخی جنگی مہم میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی ڈائری، "سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی" میں لکھتا ہے — "سلطان ایوبی نے (اس آخری اجلاس میں) رسول اکرم صلعم کی یہ حدیث سنائی — جس کے لیے کامیابی کا دروازہ کھل جاتا ہے اُسے نورِ داخل ہو جانا چاہیے، معلوم نہیں یہ دروازہ کب بند ہو جائے۔ سلطان ایوبی بہت تیزی سے مقبوضہ علاقے اور قلعے فتح کرتا آ رہا ہے اس لیے وہ بیت المقدس پر یلغار کو التوا میں ڈالنے کے سخت خلاف تھا۔ اُس نے کہا — "خدا نے ہماری کامیابی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ بند ہونے سے پہلے اس میں داخل ہو جاؤ۔"

"میرے رفیقو!" اُس نے نقشہ الگ رکھتے ہوئے کہا — "حطین کی جنگ سے پہلے میں نے تمہیں ایک دو باتیں کہی تھیں، انہیں دہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ہم باتیں نہیں کر سکیں گے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ہم ایک دوسرے کو زندہ ملیں گے بھی یا نہیں۔ اس سے پہلے ہم نے صرف لڑائیاں لڑی ہیں۔ خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور دشمن کو وقت اور مواقع فراہم کیا ہے کہ ہمارے علاقوں میں اپنے قلعے مضبوط اور بیت المقدس کا دفاع مستحکم کرے۔ پھر ہم نے دو روز جنگ لڑتے رہے۔ صلیبی طلسماتی حُسن والی اور نازو ادا اور چرب زبانی کی ماہر لڑکیاں ہمارے امیروں وزیروں، فوجی اور شہری حاکموں کے پاس بھیجتے رہے۔ صلیبیوں نے تخریب کاری اور سازش کے ماہرین ہماری صفوں میں داخل کیے۔ اِن لڑکیوں اور ان آدمیوں نے جو تباہی مچائی اس سے تم میں سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔ علی بن سفیان، غیاث بلبیس اور ان کے محکموں نے بڑی جانفشانی سے اس نظر نہ آنے والے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں تجربہ کار حکام اور سالار غداری کے جرم میں قتل ہوئے۔ بغاوتیں ہوئیں اور ہم نے دبائیں....

"دشمن کا مقصد کیا تھا؟ — تخریبی تخریب کاری اور ہمارے مذہب اور ایمان کو کمزور کرنا اور ہماری

اُٹھتی ہوئی نسل کو ذہنی عیاشی کا عادی بنا دینا۔ دشمن نے ہمارے درمیان ایمان فروش پیدا کیے۔ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض رہے اور ہمارے ایمان فروش بھائیوں کی مدد سے مکہ معظمہ پر بھی قابض ہو جائے تم بھولے نہیں ہوگے کہ پانچ سال گزرے جب میں شمالی علاقوں میں دشمن سے اُلجھا ہوا تھا، ریمنڈ (شہزادہ ارناط) مدینہ منورہ سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ یہ میرے بھائی الملک العادل اور امیر البحر حسام الدین لولو کا کمال تھا کہ انہوں نے بروقت حرکت کی اور اس صلیبی کو پسپا کیا۔ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں قتل کر کے انتقام لے لیا ہے....

"دشمن کا مقصد ہمارے مذہب کے سرچشموں کو بند کرنا اور انہیں عیسائیت کا مینع بنانا ہے۔ ہمارا مقصد دشمن کے مقصد اور عزائم کو تباہ کرنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس جنگ کے اس پہلو کو سامنے رکھو۔ یہ ہماری نظریاتی جنگ ہے مذہب تلوار کے زور سے پھیلا تھا یا نہیں لیکن مذہب کے تحفظ کے لیے میں تلوار کو ضروری سمجھتا ہوں۔ تو م نے تلوار سپاہی کے ہاتھ میں دی ہے اور قوم کی تاریخ نے نظریں ہم پر لگا دی ہیں۔ خدا نے ذوالجلال کی نظریں بھی قوم کے سپاہی پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کے رسولؐ کی رُوح مبارک ہمیں دیکھ رہی ہے۔ خدا غور کرو ہماری ذمہ داری کتنی مقدس اور ہمارا فرض کتنا عظیم ہے۔ اللہ کا سپاہی حکومت نہیں کرتا، اللہ کی حکومت کا تحفظ کیا کرتا ہے۔"

سلطان ایوبی نے جذباتی سی آہ لے کر کہا — "آہ میرے رفیقو! سولہ ہجری کا ربیع الاوّل یاد کرو جب عمرو بن العاصؓ اور ان کے ساتھی سالاروں نے بیت المقدس کو کفار سے آزاد کرایا تھا۔ حضرت عمرؓ اُس وقت خلیفہ تھے۔ وہ بیت المقدس گئے۔ حضرت بلالؓ اُن کے ساتھ تھے۔ ان سب نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تھی اور اس نماز کی اذان بڑی مدت بعد حضرت بلالؓ نے دی تھی۔ حضرت بلالؓ رسول اکرم صلعم کی وفات کے بعد ایسے خاموش ہوئے تھے کہ لوگ اُن کی پُرسوز آواز کو ترس گئے تھے۔ انہوں نے اذان دینی چھوڑ دی تھی، لیکن مسجد اقصیٰ میں آ کر حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ بلالؓ! مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے در و دیوار نے بڑی لمبی مدت سے اذان نہیں سُنی۔ آزادی کی پہلی اذان تم نہ دو گے؟" — حضور مقبول صلعم کی وفات کے بعد پہلی بار حضرت بلالؓ نے اذان دی اور جب انہوں نے کہا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدٌ رسول اللہ تو مسجد اقصیٰ میں سب کی دھاڑیں نکل گئی تھیں....

"میرے عزیز دوستو! ہمارے دور میں ایک بار پھر مسجد اقصیٰ اذان کو ترس رہی ہے۔ نوّے برسوں سے اس عظیم مسجد کے در و دیوار کسی مؤذن کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ یاد رکھو، مسجد اقصیٰ کی اذانیں ساری دنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ صلیبی ان اذانوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں.... اس مقدس مقصد کو سامنے رکھو۔ ہم کوئی عام سی جنگ لڑنے نہیں جا رہے، ہم اپنے خون سے تاریخ کا وہ باب پھر لکھنے جا رہے ہیں جو عمرو بن العاصؓ اور اُن کے ساتھیوں نے لکھا اور ان کے بعد آنے والوں نے اس درخشاں باب پر سیاہی پھیر دی تھی۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا کے حضور ہاتھوں پر روشنی لے کر جاؤ اور اگر چاہتے ہو کہ آنے والی نسلیں تمہاری قبروں پر آ کر پھول چڑھایا کریں تو تمہیں بیت المقدس میں یہ منبر رکھنا ہوگا جو بیس سال گزرے نور الدین زنگی مرحوم و مغفور نے وہاں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔"

اُس نے یہ منبر سب کو دکھایا اور کہا۔ "یہ منبر زنگی مرحوم کی بیوہ اور اُس کی بیٹی لائی ہیں۔ ہمیں اِس بیٹی کی لاج رکھنی ہے جو قوم کی دو سو بیٹیوں کو ساتھ لائی ہے کہ ہم میں سے کوئی میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا کر نہ آئے۔ کوئی زخموں سے اس لیے نہ مر جائے کہ مرہم پٹی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ تم جانتے ہو کہ میں میدانِ جنگ میں عورتوں کو ساتھ لانے کے حق میں کبھی نہیں ہُوا تھا۔ ان لڑکیوں کو میں نے اِس لیے رکھ لیا ہے کہ غیرت اور قومی وقار کی یہ علامت ہمارے سامنے رہے اور ہم سب یاد رکھیں کہ ہماری اسی قسم کی بیٹیاں بیت المقدس میں کفار کی درندگی اور عیاشی کا شکار ہو رہی ہیں۔ یاد رکھو میرے رفیقو! قوم کی بیٹی اور قوم کے شہید کو فراموش کر دینے والی قوم کو خدا بھی فراموش کر دیا کرتا ہے اور اُس کی لوحِ تقدیر پر عمر بھر کی لعنت لکھ دی جاتی ہے..... یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم روزِ قیامت لعنتیوں میں اُٹھائے جاؤ گے یا اُن میں جن کے متعلق رسولِ مقبول مسلم خدا سے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ سرفروش جنہوں نے کفر کے طوفان کو روکا اور تیرے مذہب کا نام بلند کیا تھا۔"

سلطان ایوبی ایسی جذباتی باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن (قاضی بہاؤالدین شدّاد اور اُس دَور کے وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق) بیت المقدس کے معاملے میں وہ اِس قدر جذباتی تھا کہ جب بھی اُس کا ذکر کرتا اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے یا وہ غصے میں ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کے گھونسے مارنے لگتا اور بے چینی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا۔ اس آخری جنگی اجلاس میں اُس نے سالاروں وغیرہ کے جذبات کی یہ حالت کر دی کہ وہ جب باہر نکلے تو انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ اُن کی چال ڈھال ہی بدل گئی تھی۔ وہ سیدھے اپنے اپنے دستوں میں گئے اور اپنے کمانداروں کی بھی جذباتی حالت وہی کر دی جو اُن کی اپنی اور سلطان ایوبی کی تھی۔

☆

سب چلے گئے تو سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو اپنے پاس بلا لیا اور اُس سے پوچھا کہ سمندر کی کیا خبر ہے۔ الفارس نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ اس کے جہاز گشت کرتے رہتے ہیں اور سکندریہ سے اُسے پیغام ملتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبیوں کے بحری بیڑے کے کوئی آثار نہیں۔ ٹائر کی بندرگاہ میں اُن کے جنگی جہاز موجود ہیں۔ میرے جاسوس چھوٹی بادبانی کشتیوں میں ماہی گیروں کے بہروپ میں وہاں جاتے رہتے ہیں۔ ٹائر اور اس سے آگے صلیبیوں کے بیڑے میں کوئی اضافہ نہیں ہُوا۔ جو بیڑہ موجود ہے یہ تیاری کی حالت میں ہے اور صلیبیوں نے جہازوں میں جل کر اُڑنے والے بارود کی نلکیاں لگا دی ہیں جو دُور سے آتی ہیں اور بادبانوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔

"یہ نلکیاں اتنی ہی دُور سے آ سکتی ہیں جتنی دُور تمہارے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر جا سکتے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہم میں سے کسی کے بھی دل میں ڈر نہیں۔" الفارس نے کہا۔ "بحری چھاپہ مار اس حد تک تیار ہیں کہ بحری جنگ کے دوران وہ چھوٹی کشتیوں میں دشمن کے جہازوں کے قریب جا کر اُن میں سوراخ کرنے اور اُن پر

آگ پھینکنے کو تیار ہیں۔"

"بشرطیکہ جنگ رات کو ہو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "دن کے وقت کسی چھاپہ مار کو سمندر میں نہ آنا ہے۔ ہوش میں آ کر سمائیں ضائع ہوں گی..... محتاط رہنا الفارس! جس طرح تم ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ٹائر تک بھیجتے ہو اسی طرح دشمن کے جاسوس تمہارے جہازوں کے قریب آتے ہوں گے۔ اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے دُور رکھنا تاکہ اچانک حملے کی صورت میں سب گھیرے میں نہ آ جائیں۔ انہیں اس طرح پھیلا کر رکھو کہ دشمن کو گھیرے میں لے سکو۔ آپس کا رابطہ دن میں جھنڈیوں سے اور رات کو بتیوں سے رکھو۔"

جب الفارس سلطان ایوبی سے رخصت ہُوا، سحر کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ نماز کے لیے وہیں رک گیا۔

"الفارس!" اُسے اپنے قریب آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا۔ وہ انٹیلی جنس کا کمانڈر حسن بن عبداللہ تھا۔ اُس نے الفارس سے ہاتھ ملا کر پوچھا۔ "مبارک ہو بھائی! ایک ہی بار دو لڑکیوں سے شادی کر لی ہے؟ دونوں کو ساتھ رکھا ہُوا ہے؟ اپنے ساتھ مروانے کا ارادہ ہے؟"

"اوہ حسن!" الفارس نے اندھیرے میں اُسے پہچانتے ہوئے کہا۔ "وہ تو یار، پناہ گزین لڑکیاں ہیں۔ یہیں ساحل پر چھپی ہوئی تھیں۔ خانہ بدوش ہیں۔ کہتی تھیں اُن کا سارا قبیلہ جنگ کی زد میں آ کر گھوڑوں تلے کچلا گیا ہے۔"

"اور یہ محض اتفاق ہے کہ یہ دو لڑکیاں زندہ رہیں اور ساحل تک پہنچ گئیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "صلیبیوں نے باقی سب خانہ بدوشوں کو گھوڑوں تلے روند ڈالا اور اتنی زیادہ خوبصورت دو لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا..... سمندر میں رہ رہ کر تم خشکی پر رہنے والے انسانوں کی فطرت کو شاید بھول گئے ہو۔"

الفارس ہنس پڑا اور بولا۔ "حسن بھائی! جاسوسی کرتے کرتے تم اب چیلوں اور کوؤں کو بھی صلیبیوں کے جاسوس سمجھنے لگے ہو۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ یہ لڑکیاں دشمن کی جاسوس ہوں گی؟"

"ہو سکتی ہیں۔" حسن نے کہا۔ "تم کچھ زیادہ ہی زندہ دل ہو الفارس! اِن لڑکیوں کو ٹائر کے قریب ساحل پر اتار آؤ۔ اجنبی لڑکیوں کو جنگی جہاز میں رکھنا مناسب نہیں۔"

"یہ نیکی نہیں ہو گی کہ میں انہیں معرے جا کر اُن کے ساتھ شادی کر لوں؟" الفارس نے کہا۔ "یا ایک کے ساتھ شادی کر لوں اور دوسری کی شادی کسی اور اچھے آدمی سے کرا دوں؟ غریب لڑکیاں ہیں۔ انہیں ساحل پر اتار دیا تو تم جانتے ہو کہ صلیبی اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے وہ صلیبی ہی ہوں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "سنو الفارس! تم بچے نہیں ہو۔ معمولی سپاہی بھی نہیں ہو، بحریہ کے تجربہ کار کمانڈر ہو۔ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم فرصت کا سارا وقت ان لڑکیوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتے ہو۔ ہزار قسمیں کھاؤ، میں نہیں مانوں گا کہ تم نے انہیں پاک صاف اور نیک لڑکیاں بنا کے رکھا ہُوا ہے۔ وہ اگر تمہیں دھوکہ نہ دیں تو تم اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتے ہو۔ حسین اور جوان عورت کا جادو فرائض سے گمراہ کر دیتا ہے..... بہت کچھ ہو سکتا ہے الفارس!

ان لڑکیوں کو کہیں چھوڑ آؤ۔"

"اگر میں نے تمہارا کہا نہ مانا تو؟"

"تو مجھے دیکھنا پڑے گا کہ یہ لڑکیاں کیسی ہیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "اگر شکوک ہیں تو میں انہیں تمہارے جہاز سے اُتروا کر اپنے پاس بلا لوں گا، مگر میں تم پر چھوڑتا ہوں۔ ہم پرانے دوست ہیں۔ تم خود ہی کوشش کرو کہ میں فرض کی ادائیگی میں دوستی کو قربان نہ کر دوں۔"

"مجھ سے کسی بیہودگی کی توقع نہ رکھو حسن!" الفارس نے کہا۔ "تم دوستی کی بات کرتے ہو۔ میں تو فرض کی ادائیگی میں اپنی جان بھی قربان کر دونگا۔ یہ لڑکیاں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ مجھے ان پر ذرا سا بھی شک ہُوا تو انہیں ساحل پر اتاروں گا، زندہ سمندر میں پھینک دوں گا۔"

"واپس کس وقت جا رہے ہو؟" حسن بن عبداللہ نے پوچھا۔

"نماز پڑھ کر کچھ دیر سوؤں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔" الفارس نے کہا۔ "پھر چلا جاؤں گا۔ شام تک کشتی جہاز تک پہنچا دے گی۔"

☆

الفارس سے فارغ ہو کر حسن بن عبداللہ اُس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں اُس کے محکمے کے آدمی رہتے تھے۔ اِن میں سے ایک کو باہر بلا کر اُسے کہا کہ الفارس بَیدرون کا جہاز نلاں مقام پر لنگر انداز ہے۔ وہ کشتی میں جہاز تک جائے اور الفارس کے نائب رؤف کُرد سے کہے کہ اُسے حسن بن عبداللہ نے بھیجا ہے۔ رؤف کُرد کے نام حسن نے پیغام دیا کہ اِس آدمی کو کسی ڈیوٹی پر لگا لے۔ اُسے دونوں لڑکیوں کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ جہاز میں اِن کی کوئی درپردہ سرگرمی تو نہیں؟ اگر ہے تو لڑکیوں کو جہاز سے ہٹا کر اپنے پاس بلا لیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے اس آدمی کو ہدایات دیں اور ایک بادبانی کشتی کا انتظام کر کے اُسے رخصت کر دیا۔ ہوا کا رُخ بڑا اچھا تھا اور ہوا تیز تھی۔ کشتی جلدی جہاز تک پہنچ گئی۔ جہاز سے رسّہ لٹکا کر اس آدمی کو اُوپر کر لیا گیا۔ وہ رؤف کُرد سے ملا۔ اُسے پیغام دیا اور اپنا مقصد زبانی بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ تجربہ کار جاسوس ہے۔

رؤف کُرد کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُسے یہ آدمی اچھا نہیں لگا، لیکن اس آدمی کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے دل میں جتنی قدر ایک جاسوس کی ہے اتنی سالار کی بھی نہیں اور ایک جاسوس کی رپورٹ پر ایک سالار کو سزائے موت دی جا سکتی ہے چنانچہ اس نے حسن بن عبداللہ کے اس جاسوس کی خاطر تواضع کی۔

"آپ لڑکیوں کو پہلے دن سے دیکھ رہے ہیں۔" جاسوس نے رؤف کُرد سے پوچھا۔ "اُن کے متعلق آپ کو ذرا سا بھی شک ہے تو بتا دیں۔ ہم انہیں عسقلان تفتیش کے لیے لے جائیں گے۔"

"میں نے ابھی تک اِن کی کوئی حرکت مشکوک نہیں دیکھی۔" رؤف کُرد نے جواب دیا۔ "زیادہ تر الفارس کے کمرے میں رہتی ہیں۔"

رؤف کُرد کو فوراً غلوری کا خیال آ گیا تھا۔ اگر جاسوس ایک روز پہلے آتا تو رؤف کُرد کا جواب یہ ہوتا کہ اِن لڑکیوں کو یہاں سے لے جاؤ کیونکہ چھ جہازوں کا کمانڈر ان لڑکیوں کے ساتھ مگن رہتا ہے، مگر غلوری نے گزشتہ رات اُسے بتایا تھا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہتی ہے۔ روزی اُن کی ہمراز تھی۔ اب رؤف کُرد کسی قیمت پر غلوری سے جُدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس کے دل میں الفارس کی دشمنی پیدا ہو گئی تھی لیکن وہ الفارس کو لڑکیوں سے محروم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود غلوری سے محروم ہو جاتا۔

"مجھے اب آپ کے ساتھ رہنا ہے۔" جاسوس نے کہا۔ "الفارس کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں جاسوسی کے لیے یہاں آیا ہوں۔ آپ نے حکم پڑھ لیا ہے۔ میں خود دیکھوں گا کہ لڑکیاں کیسی ہیں اور کیا کرتی ہیں۔ مجھے اگر ان پر جاسوسی کا نہیں، صرف یہ شک بھی ہُوا کہ الفارس اِن میں نرائض کے اوقات میں محو رہے ہیں تو میں اِن لڑکیوں کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ اگر الفارس کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں جاسوسی کر رہا ہوں تو مجھے آپ کے خلاف یہ بیان دینا پڑے گا کہ میرے متعلق الفارس کو آپ نے بتایا ہے کیونکہ آپ کے سوا کسی کو علم نہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

یہ جنگی جہاز تھا جس میں جہاز کا عملہ بھی تھا اور اس میں بحری لڑائی کی تربیت یافتہ بڑی فوج بھی تھی۔ جہاز کی صفائی وغیرہ، کھانا پکانے اور دیگر کاموں کے لیے فوجی ملازم بھی تھے۔ وہاں ایک آدمی کا اصل روپ چھپائے رکھنا مشکل نہ تھا۔ الفارس کمانڈر تھا۔ وہ اِن چھوٹے چھوٹے ملازموں اور سپاہیوں میں سے کسی کو الگ کر کے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ آدمی اجنبی ہے جسے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ رؤف کُرد جگہ جگہ گھوم پھر سکتا تھا مگر رؤف کو یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

جاسوس نے اُسی روز دونوں لڑکیوں کو دیکھ لیا اور اس نے اُسی روز رؤف کُرد سے کہہ دیا۔ "یہ لڑکیاں خانہ بدوش نہیں اور یہ مصیبت زدہ بھی نہیں۔ مجھے شک ہو گیا ہے۔"

"اتنے دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں۔" رؤف کُرد نے کہا۔ "مجھے ان پر کوئی شک نہیں ہُوا۔"

"آپ کی آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی جو میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔" جاسوس نے کہا۔ "ٹھنڈے علاقوں کی خانہ بدوش عورتوں کے رنگ ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن اُن کی آنکھوں کا رنگ ایسا نہیں ہوتا اور ان میں یہ نفاست اور نزاکت نہیں ہوتی.... محترم! ہماری جنگ ایسی ہی لڑکیوں سے رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں یہاں نہیں رہیں گی۔"

"کچھ دن دیکھ لو۔" رؤف کُرد نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ واقعی مصیبت زدہ ہوں اور تم انہیں کسی اور مصیبت میں ڈال دو۔"

"ہاں!" جاسوس نے کہا۔ "میں جلد بازی نہیں کروں گا۔ کچھ دن دیکھ کر یقین کروں گا۔"

☆

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے ٹھیک کہا تھا کہ بیت المقدس میں جو صلیبی جرنیل ہیں انہیں معلوم ہے کہ اسلامی فوج بیت المقدس پر آ رہی ہے۔ اِدھر جب سلطان ایوبی اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دے رہا تھا اُدھر بیت المقدس میں صلیبی ہائی کمانڈ اپنے جرنیلوں کو محاصرے میں لڑنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

"ہم صلاح الدین کو راستے میں نہیں روکیں گے۔" — اُن کا کمانڈر اِن چیف کہہ رہا تھا۔ "بے شک اس

کی فوج تعداد میں کم ہے لیکن اُسے اسلحہ اور رسد کی کوئی پریشانی نہیں۔ اُس کے امدادی انتظامات مضبوط اور قابلِ اعتماد ہیں۔ اُسے بیت المقدس کا محاصرہ کرنے دو۔ ہمارے پاس لمبے عرصے کے لیے خوراک اور دیگر سامان موجود ہے۔ اگر محاصرہ لمبا اور خوراک کم رہ گئی تو ہم مسلمانوں کو بھوکا اور پیاسا رکھیں گے۔ اس سے خوراک بچے گی اور کھانے والے بھی کم ہو جائیں گے۔ مجھے سب سے زیادہ بھروسہ ناقابلِ تسخیر فصیلوں پر ہے۔ انہیں باہر نکل کر حملے کرنے اور واپس آنا ہے۔ میں آپ سب کو یقین دلاتا ہوں کہ محاصرہ ناکام رہے گا۔"

"آپ نے فوج کی حالت کو پیشِ نظر نہیں رکھا۔" ایک جرنیل نے کہا۔ "شہر میں فوج کی آدھی نفری ایسی ہے جو حلیبیوں سے عسقلان تک کی لڑائیوں سے بھاگی ہوئی ہے اور اُن کا لڑنے کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ان پر صلاح الدین کی فوج کا خوف طاری ہو گیا ہے۔ تازہ دم دستے وہی ہیں جو شہر میں موجود رہے ہیں یا جنگ میں نہیں گئے۔"

"ہم نے اس مسئلے کا حل نکال لیا ہے۔" کمانڈر اِن چیف نے کہا۔ "پادری فوج میں گھومنے پھرنے لگے ہیں۔ وہ سپاہیوں کو انجیل کے حوالے دے کر ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اسلامی فوج کو شکست دینا کیوں ضروری ہے اور یہ مذہبی فریضہ ہے..... اگر جرنیل اور دیگر کمانڈر اُسے مذہبی جنگ سمجھ کر لڑیں گے تو سپاہی بھی مذہبی جوش و خروش سے لڑیں گے۔ اگر ہم بیت المقدس کی جنگ ہار گئے تو بحیرۂ روم بھی ہمیں پناہ نہیں دے سکے گا۔ صلاح الدین کیوں کامیاب ہوا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ اپنے مذہب کا پکا ہے جسے وہ ایمان کہتا ہے۔ ہم نے اُسے خانہ جنگی سے تباہ کرنے کی کوشش کی مگر اُس نے خانہ جنگی بھی جیت لی۔ ہم نے جن مسلمان حکمرانوں کو اُس کے خلاف کیا تھا وہ اُس کے ملیح ہو گئے۔ ہم نے اپنی بیٹیوں کی عصمتوں سے اُس کی جنگی طاقت اور سلطنت کو کمزور کرنے کی کوشش کی، مگر یہ قربانی بھی ضائع ہوئی۔ یہ شاید ہماری غلطی تھی کہ ہم نے عورت کو استعمال کیا اور اس اُمید پر بیٹھ گئے کہ صلاح الدین گھر بیٹھے مر جائے گا۔"

"ہماری کوئی قربانی ضائع نہیں ہوئی۔" بطریقِ اعظم جو وہاں موجود تھا، بولا۔ "آپ کی یہ سوچ غلط ہے کہ دو مذہبوں کی جنگ صرف فوجیں لڑا کرتی ہیں۔ اپنے مذہب کے فروغ اور دشمن مذہب کی تباہی کے لیے بیشک تلوار ضروری ہے لیکن دشمن کے ذہن اور اُس کی رُوح کو گمراہ کرنے کے لیے یہ طریقے ضروری تھے جن کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں کہ قربانیاں ضائع ہوئیں۔ ہم اپنی ان بیٹیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنے غیر معمولی حُسن کی بدولت بڑے اونچے درجے کے حاکموں کی بیویاں بننا اور شاہانہ زندگی گزارنی تھی مگر انہوں نے اپنا آپ اور اپنا مستقبل صلیب پر قربان کر دیا اور وہ مسلمانوں کے حرموں اور درباروں میں ذلیل و خوار ہوئیں۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی انہوں نے کرائی۔ مسلمان حکمرانوں کے ایمان ان لڑکیوں نے خریدے۔ ایک ہی حکمران کے اہم حاکموں میں رقابت پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا....

"صلیب کے جرنیلو! یہ مت بھولو کہ دشمن کو مارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس میں ذہنی عیاشی اور جنسی جذبات پرستی پیدا کر دو۔ اُسے راگ رنگ اور جھوٹی لذتوں کا عادی بنا دو۔ اُس کے حکمرانوں کو تخت و تاج اور

زر و جواہرات کی ہوس میں مبتلا کر دو۔ مسلمان دنیا بھر کا مانا ہوا اور دلیر سپاہی ہے۔ جنگی جذبہ اور مذہبی جنگ (جہاد) کا جتنا جنون مسلمانوں میں ہے اتنا ہم میں نہیں۔ جتنے اعلیٰ جرنیل مسلمانوں نے پیدا کیے ہیں اتنے ہم نہیں کر سکے۔ یہ اُن کی روایت ہے۔ اگر ہم نے اُن کے ذہن بدلنے کی کوشش نہ کی تو اُن کا جذبہ، مذہبی جنون اور اُن کی روایت زندہ رہے گی۔ اگر اُن کی روایت زندہ رہی تو صلیب زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اسلام اسپین تک گیا، ہندوستان اور اس سے اوپر چین تک گیا۔ چین کا امیر البحر مسلمان رہا۔ وہاں کے بعض جرنیل اب بھی مسلمان ہیں ہندوستان کے مشرق میں بڑے بڑے جزیروں میں چلے جاؤ تو وہاں بھی تمہیں عربوں کی یعنی اسلام کی حکمرانی نظر آئے گی....

"آپ یہ طوفان صرف تلوار سے نہیں روک سکتے۔ یہ دوسرے طریقوں سے روکا جا سکے گا۔ ہمیں اسلام کے اس مرکز کو جسے مسلمان خانہ کعبہ کہتے ہیں، مُردہ کرنا پڑے گا۔ بیت المقدس پر قبضہ برقرار رکھنا پڑے گا۔ مسلمان حکمران اور بادشاہ جہاں کہیں بھی ہیں انہیں جنگی اور مالی مدد دے کر بے کار کرنا ہوگا اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے حرموں میں اپنی تجربہ کار لڑکیاں اسی طرح داخل کرتے رہیں گے جس طرح عرب کی ریاستوں میں کرتے رہے ہیں۔ ہم نے یہ طریقہ یہودیوں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی کردار کُشی اور مذہبی بیخ کنی کا نہایت دانشمندانہ منصوبہ بنا رکھا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ ہماری مدد کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ وقت تیزی سے آ رہا ہے کہ بیت المقدس پر ہمارا مستقل قبضہ ہو جائے گا۔ اس کے اردگرد دُور دُور کے علاقے بھی ہمارے قبضے میں ہوں گے۔ مسلمان ریاستوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر دشمن نہ ہوتے تو ان میں اتحاد بھی نہیں ہوگا۔ یہودیوں کے دانشوروں نے صحیح کہا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو بادشاہ سمجھیں گے لیکن ان کی بادشاہی اور آزادی کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ کام آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ یہ دردِ سر اور زمین دوز کام دانشوروں کا اور مذہبی پیشواؤں کا ہے۔ آپ فوجی ہیں۔ میدانِ جنگ کی بات کریں۔ آپ کا بڑا ہی خطرناک دشمن بیت المقدس پر آ رہا ہے۔ آپ اس کو شکست دینے کی سوچیں۔"

☆

وہ اکتوبر کی صبح تھی اور ۱۱۸۷ء کے ماہ ستمبر کی بیس تاریخ تھی جب سلطان ایوبی حیران کُن تیز رفتاری سے بیت المقدس پہنچ گیا۔ ہجری کیلنڈر کے مطابق ۱۵ رجب ۵۸۲ھ کا روز تھا۔ صلیبیوں کو سلطان ایوبی کا انتظار تھا لیکن انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اِس قدر تیزی سے آئے گا۔ اُس نے راستے میں صلیبیوں کی بلندیوں والی قلعہ بندیوں اور پوسٹوں کو نظر انداز (بائی پاس) کیا اور فوج کو گزار کرے گیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ قلعہ بندیوں سے صلیبیوں نے بیت المقدس کو قبل از وقت اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیے ہوں گے لیکن کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سلطان ایوبی کے ہراول دستے شہر تک پہنچے اُس وقت اوپر دیوار پر دو چار سنتری کھڑے تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ اندر سے گرجوں کے گھنٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نقارے اور بگل بج اُٹھے۔ دیوار پر ہر طرف السانوں کے سر اُبھرنے لگے۔ اُن سروں پر فولادی خودیں تھیں

اور کمانیں صاف نظر آرہی تھیں۔ اِن سروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر یوں نظر آنے لگا جیسے دیوار کے اوپر انسانی سروں کی ایک فصل کھڑی کر دی گئی ہو۔ شہر کے مغرب کی جانب کچھ علاقہ چٹانی تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی دستوں کو وہاں خیمہ زن کر دیا اور خود شہر کے اردگرد یہ دیکھنے کے لیے گھومنے پھرنے لگا کہ دیوار کس جگہ سے کمزور ہے اور نقب کہاں لگائی جا سکتی ہے یا کہیں سے سرنگ کھودی جا سکتی ہے یا نہیں۔ سلطان ایوبی کے نقب زن جیش جانبازی میں مشہور تھے۔

اسلامی فوج شہر کے ہر طرف موجود تھی لیکن بڑا اجتماع مغرب کی جانب تھا جس جانب شہر کی دیوار کے دو مستحکم بُرج تھے۔ ایک دائود بُرج اور دوسرا تنکرڈ بُرج تھا۔ اِن میں دُور مار تیر انداز تھے اور وہاں منجنیقیں بھی نصب تھیں۔ سلطان ایوبی شہر کے اردگرد دیوار کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ اس دوران مغرب کی جانب والے دستوں کے سالار نے آگ اور پتھر پھینکنے والی منجنیقیں نصب کرنی شروع کر دیں۔ صلیبیوں نے بہادری کا یہ مظاہرہ کیا کہ اپنی دفاعی سکیم کے مطابق شہر کا ایک دروازہ کھول دیا۔ اس میں سے زرہ پوش نائٹ گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں برچھیاں تانے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکلے اور منجنیقیں نصب کرنے والے مجاہدین پر ہلّہ بول دیا۔ اُن کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا۔

گھوڑوں کے گھومنے پھرنے کے لیے جگہ کافی تھی۔ نائٹ آہن پوش تھے اس لیے اُن پر تیر کوئی اثر نہیں کرتے تھے۔ اُن کا ہلّہ (چارج) اس قدر تیز، شدید اور غیر متوقع تھا کہ مجاہدین کو پُراثر مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے کئی نائٹوں کی برچھیوں سے زخمی اور شہید ہوئے اور پیچھے آنے والے گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ گھوڑے بگولے کی طرح آئے تھے۔ اپنی اڑاتی ہوئی گرد میں گھومے اور جب دروازے کے قریب پہنچے تو دروازہ بند ہو گیا۔ وہ اپنے پیچھے خاک و خون میں تڑپتے کئی ایک مسلمان مہندس (منجنیقیں چلانے والے) چھوڑ گئے۔

سپاہی انہیں اُٹھانے کو دوڑے تو دو تین نسوانی آوازیں سنائی دیں — "پیچھے رہو، یہ ہمارا کام ہے۔" اُس کے ساتھ ہی بہت سی لڑکیاں دوڑتی آئیں۔ انہوں نے درختوں کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر اُٹھا رکھے تھے۔ بعض لڑکیوں کے کندھوں سے پانی کے چھوٹے مشکیزے لٹک رہے تھے۔ اوپر سے صلیبیوں کے تیر آ رہے تھے جن سے دو تین لڑکیاں گر پڑیں۔ بہت سے مسلمان تیر انداز دوڑ لڑکیوں اور اوپر سے آنے والے تیروں کے درمیان آ گئے اور انہوں نے بُرجوں پر تیز تیر اندازی شروع کر دی۔ جو تیر انداز پیچھے تھے، انہوں نے بھی بُرجوں اور دیوار کے اوپر بڑی ہی تیز تیر اندازی شروع کر دی۔ اوپر سے تیروں کا مینہ تھم گیا اور دونوں طرف کے تیروں کے سائے میں لڑکیاں زخمیوں کو اُٹھا لائیں اور پیچھے درختوں کے سائے میں لے گئیں۔

ابن الاثیر جو اُس دور کا وقائع نگار تھا، اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں لکھتا ہے کہ سپاہی ہر جنگ میں زخمی ہوتے تھے۔ انہیں اُٹھا کر جراحوں کے خیموں تک پہنچا دیا جاتا تھا مگر انہیں اُٹھانے والے انہی کی طرح مرد اور سپاہی ہوتے تھے اور اس معاملے میں کوتاہی بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن بیت المقدس کے

محاصرے میں لڑکیوں نے زخمیوں کو اُٹھایا اور جراحوں کے جیش کے ساتھ اُن کی مرہم پٹی میں ہاتھ بٹایا اور زخمیوں کے سر اپنی گودیوں میں رکھ کر پانی پلایا تو کئی ایک زخمی جو ہوش میں تھے جوش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور للکارنے لگے "یہ زخم ہمیں لڑنے سے نہیں روک سکتے" — اور ایسی آوازیں بھی سنائی دیں "ہم بیت المقدس کے اندر جا کر زخموں پر پٹی باندھیں گے" — اور جب زخمیوں نے دیکھا کہ تین چار لڑکیوں کو بھی تیر لگے ہیں تو زخمیوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ لڑکیوں نے سب کے جوش اور جذبے میں آگ بھر دی تھی۔

☆

اسی مقام پر منجنیقیں نصب کرنے کے لیے مہندسوں کا ایک اور جیش آگے بڑھا۔ تیر اندازی تیز کر دی گئی۔ منجنیقیں نصب ہو گئیں۔ اُن سے وزنی پتھر اور آگ کے گولے پھینکے جانے لگے جو دیوار پر بھی گرتے تھے اور اندر بھی۔ دروازہ ایک بار پھر کھلا اور نائٹوں کے گھوڑے منجنیقوں کی طرف ہوا کی رفتار سے آئے تو اُن کے پہلو سے مسلمان سوار اُن پر ٹوٹ پڑے۔ عقب سے مزید مسلمان سوار اُن کی واپسی کا راستہ روکنے کو آ گئے۔ مسلمانوں نے نائٹوں کے گھوڑوں کو برچھیوں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ نائٹوں کی زرہ بکتر انہیں محفوظ رکھے ہوئے تھی۔

گھوڑوں کے ساتھ نائٹ بھی گرنے لگے۔ زمین پر انہیں گھائل کرنا اتنا مشکل نہ تھا، مگر وہ تجربہ کار لڑاکا سوار تھے سب کو نہ گرایا جا سکا۔ اس کی بجائے وہ کئی ایک مسلمان سواروں کو گرا گئے۔ وہ واپس ہوئے تو مسلمان سواروں نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر جو نائٹ گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے وہ اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا.... اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بُرج دائود کے سامنے اس طرح کے جو معرکے لڑے گئے وہ رفتار، شدت، خونریزی اور دونوں طرف کی شجاعت کے لحاظ سے بے مثال مانے جاتے ہیں۔ دونوں فوجوں کے عزم اور جذبے کی پختگی کا اندازہ اِن معرکوں سے ہوتا تھا۔ مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس نے دونوں فوجوں پر جنون کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ وہ صلیبی سوار جو زخمی ہوئے اور باہر ہی گر پڑے وہ اس لحاظ سے بدقسمت تھے کہ انہیں اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ ستمبر کی گرمی اور دوپہر کا سورج انہیں زردہ بکتر میں جلا جلا کر مار رہا تھا۔ اُن کے مقابلے میں مسلمان زخمیوں کو لڑکیاں فوراً اُٹھا لے جاتیں، انہیں پانی پلاتیں، اُن کے منہ سر دھوتیں، اُن کے کپڑے تبدیل کرتیں اور اُن میں کچھ لڑکیاں مشکیزے اٹھائے چٹانوں میں کہیں سے پانی لا لا کر اودھ موئی ہوئی جا رہی تھیں۔

سلطان ایوبی نے بھی یہ معرکے دیکھے۔ اُس پر بھی جنونی کیفیت طاری تھی۔ چٹانوں اور وادیوں سے وزنی پتھر لانے کے لیے خچر گاڑیاں مصروف تھیں۔ منجنیقیں رات کو بھی دیوار پر اور اندر پتھر پھینکتی رہتی تھیں۔ بُرجوں میں سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال گولے آنے لگے۔ اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیروں نے آگ لگا دی۔ دو تین منجنیقیں آگ کی لپیٹ میں آ گئیں اور ان کے مہندس جھلس گئے مگر سنگ باری جاری رہی۔

دیوار کی دیگر اطراف سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکی جا رہی تھیں۔ باہر کہیں کہیں زمین

بلند تھی۔ وہاں سے پتھر اور ہانڈیاں (آتش گیر گولے) دیوار کے اوپر سے دُور اندر چلے جاتے تھے۔ اُن کے پیچھے نیلتے والے تیر بھی چلے جاتے تھے۔ انہوں نے شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگا دی۔ دھواں باہر سے نظر آرہا تھا۔

☆

صلیبی فوج جو پہلے سے شہر میں اندر موجود تھی اس کا مورال مضبوط تھا۔ دوسرے علاقوں سے جو فوجی بھاگ کر آئے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے حوصلہ مند اور جوشیلے تھے۔ اور اُن میں ایسے بھی تھے جن پر دہشت طاری تھی۔ یہ سب جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اُن کے جوش و خروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو پسپا کر دیں گے۔ ایک اور دروازے سے بھی سوار باہر جا کر محاصرے پر حملے کرنے لگے تھے۔ مگر شہریوں کی کیفیت فوجیوں سے مختلف تھی۔ شہریوں میں عکرہ اور عسقلان وغیرہ سے آئے ہوئے پناہ گزین عیسائی بھی تھے۔ وہ تو سراپا دہشت بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے سارے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ اُن کے سامنے سلطان ایوبی کی فوج نے کئی بستیاں سلطان کے حکم سے نذرِ آتش کی تھیں۔

بیت المقدس کے تمام گرجوں کے گھنٹے مسلسل بج رہے تھے۔ دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ عیسائی گرجوں میں ہجوم کیے ہوئے تھے اور پادریوں کے ساتھ آواز ملا کر بلند آواز سے دعائیہ گیت گا رہے تھے۔ شہر کے باہر سلطان ایوبی کی فوج کے نعرے شہر کے اندر یوں سنائی دیتے تھے جیسے گھٹائیں گرجتی آرہی ہوں۔ شہر میں جلتے شعلے عیسائیوں کا دم خم ختم کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے جو جاسوس شہر میں عیسائیوں کے بھیس میں موجود تھے وہ اس طرح نفسیاتی حملے کر رہے تھے کہ دہشت ناک افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک افواہ یہ پھیلائی گئی کہ سلطان ایوبی بیت المقدس پر قبضہ نہیں کرے گا بلکہ شہر کو تباہ و برباد کر کے تمام عیسائیوں کو قتل کر دے گا۔ اور اُن کی جوان لڑکیوں کو اور تمام مسلمان آبادی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دہشت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یسوع مسیح عیسائیوں سے ناراض ہیں۔

اس دور کے مفکروں کی جو تحریریں ملتی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں کو اپنے وہ گناہ خوفزدہ کر رہے تھے جن کا تختۂ مشق انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو بنایا تھا (اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے) انہوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، بچوں کو برچھیوں پر اُٹھا کر قہقہے لگائے اور مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔ مسجدوں اور قرآن کی بے حرمتی کی تھی اور دو سو برسوں سے مسلمان اُن کے وحشیانہ سلوک اور بربریت کا مسلسل شکار ہو رہے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے عقیدے کے مطابق گرجوں میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا شروع کر دیا۔

موجودہ صدی کا ایک امریکی تاریخ دان انتھونی ولسیٹ بہت سے مؤرخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی محاصرے میں اس قدر دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ بہت سے عیسائی گلیوں میں نکل آئے۔ ان میں سے بعض سینہ کوبی کرنے لگے اور بعض اپنے آپ کو کوڑے مارنے لگے۔ یہ خدا سے گناہ بخشوانے کا ایک طریقہ تھا۔ جو عیسائی لڑکیاں جوان تھیں اُن کی ماؤں نے اُن کے سروں کے بال بالکل صاف کر دیئے اور انہیں پانی میں غوطے دینے لگیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اس طرح یہ لڑکیاں بے آبرو ہونے سے بچ جائیں گی۔ پادریوں نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کو اس خوف اور دہشت سے نجات دلائیں مگر اُن کے وعظ بے اثر ہو گئے تھے۔

مسلمان آبادی کی کیفیت کچھ اور تھی۔ تین ہزار سے زیادہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے قیدی تھے۔ گھروں میں جو مسلمان تھے وہ نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے۔ عیسائیوں سے ڈرتے کسی مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ تمام مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ سلطان ایوبی نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کی خوفزدگی اور بزدلی کے مظاہرے دیکھے تو کئی ایک جوشیلے مسلمان جوانوں نے چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دینی شروع کر دیں۔ قید میں جو مسلمان تھے انہوں نے بلند آواز سے آیاتِ قرآنی اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ عورتیں گھروں میں تھیں یا قید میں، انہوں نے اللہ کے حضور آہ و زاری اور حمد و ثنا شروع کر دی۔

عیسائی انہیں دیکھتے تھے مگر چپ رہے کیونکہ وہ پہلے ہی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں پر جو وحشیانہ اور غیر انسانی ظلم و تشدد کیا ہے انہیں اس کی سزا مل رہی ہے۔ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ رہے تھے اس لیے اب وہ مسلمانوں کو اذان اور وردِ وظیفے سے روکنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا یہ رویہ دیکھا تو جواں سال مسلمان گلی گلی چلانے لگے ــــ "امام مہدی آگیا ہے.... ہمارا نجات دہندہ آگیا ہے.... شہر کی دیواروں کے اوپر سے آرہا ہے.... دروازے توڑ کر آرہا ہے"

شہر کے اندر حق اور باطل کی، گرجوں کے گھنٹوں اور اذانوں کی معرکہ آرائی تھی، باہر گھوڑوں، تلواروں، برچھیوں اور تیروں کے معرکے لڑے جا رہے تھے۔ جوں جوں گرجوں میں دعائیہ گیت بلند ہوتے جا رہے تھے، تلاوتِ قرآن بھی بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ ننھے ننھے بچے بھی خدا کے حضور سجدہ ریز تھے ــــ مگر باہر سلطان ایوبی کو ابھی تک کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں سے دیوار میں شگاف ڈلوا سکتا یا سرنگ کھدوا سکتا۔ دیوار کے اوپر سے تیر موسلا دھار بارش کی مانند آرہے تھے۔ مسلمان مہندسوں اور پتھر اٹھانے والے سپاہیوں کے ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ زرہ پوش نائٹ ابھی تک باہر نکل نکل کر حملے کر رہے تھے اور انتہائی خونریز معرکے لڑے جا رہے تھے۔

☆

چالیس میل دُور بحیرہ روم میں الفارس بیدرون کے چھ جہاز پھیلے ہوئے گشت کر رہے تھے، تاکہ ٹائر میں صلیبیوں کا جو بحری بیڑہ ہے وہ فوج اور سامان لے کر ادھر نہ آسکے۔ دونوں لڑکیاں اس کے جہاز میں تھیں مگر اُسے اب لڑکیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ سلطان ایوبی اور رئیس البحرین احسن نے اُسے بڑی نازک ذمہ داری سونپی تھی۔ کبھی کبھی وہ خود مستول کے اوپر بنی ہوئی مچان پر چڑھ جاتا اور دمشق کی

وسعت کو گہری نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔ دوسرے جہازوں میں بھی جاتا رہتا اور ہر جہاز کا عملہ اپنے فرائض سے غافل نہ ہو جائے۔

اس کے جہازیں اس کا نائب رؤف کردفلوری سے ملتا رہتا تھا جو بہت حد تک چوری چھپے کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس دونوں کو دیکھتا اور اُن پر گہری نظر رکھتا تھا۔

معرکہ بحری بیڑہ بحیرۂ روم میں دُور دُور تک گشت کرتا تھا کیونکہ خطرہ تھا کہ یورپ، خصوصاً انگلستان سے بیت المقدس کو بچانے کے لیے مدد آئے گی۔ سلطان ایوبی کی طوفانی پیشقدمی اور صلیبیوں کے ہر قلعے اور شہر پر یلغار دیکھی تو انہوں نے جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک اور انگلستان کے شہنشاہ رچرڈ کو ان الفاظ کے پیغام بھیج دیئے تھے کہ عرب سے صلیب اکھڑ رہی ہے اور بیت المقدس کو بچانا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ان پیغامات کا لب لباب یہ تھا کہ آؤ اور ہمیں بچاؤ۔ سلطان ایوبی کو توقع یہی تھی کہ بیت المقدس کی جنگ بحیرہ روم میں بھی لڑی جائے گی جو بڑی خوفناک جنگ ہوگی، مگر جرمنی اور انگلستان سے کسی حرکت کی اطلاع نہیں آ رہی تھی۔ شکست خوردہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ ٹائر کی بندرگاہ میں دبکا ہوا تھا۔ تاہم سلطان ایوبی کا رئیس البحر دشمن کی بحریہ کی اس خاموشی کو کسی خطرے کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا۔ اس لیے پوری طرح چوکنا تھا۔

☆

محاصرے کی چوتھی رات تھی۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ صلیبی تاڑوں اور دیگر سواروں نے باہر آ کر بڑے ہی دلیرانہ حملے کیے اور جانوروں کی قربانی دی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب چار دنوں کے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کا حساب کیا تو اُس کے ماتھے کے شکن گہرے ہو گئے۔ اُس کے پاس اسلحہ اور سامان کی کمی نہیں تھی۔ مفتوحہ جگہوں سے اُس نے لمبی جنگ کے لیے اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا تھا مگر کمی نفری کی تھی۔ نفری تیزی سے کم ہو رہی تھی اور بیت المقدس کی دیوار اُس کے لیے بدستور چیلنج بنی ہوئی تھی۔

پانچویں دن سلطان ایوبی نے مغرب کی جانب یعنی داؤد برج کے سامنے سے کیمپ اکھاڑ دیا اور وہاں کی لڑائی بند کرا دی۔ اس نے شمال کی طرف ایک جگہ دیوار کو کمزور دیکھا تھا۔ مغرب سے جب منجنیقیں ہٹائی جا رہی تھیں اور دور پیچھے جو خیمے لگے ہوئے تھے، وہ اکھاڑے جا رہے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سلطان ایوبی محاصرہ اٹھا کر جا رہے ہیں۔ دیوار کے اوپر جو شہری عیسائی تھے انہوں نے شہر میں خبر پھیلا دی کہ محاصرہ اٹھ گیا ہے اور مسلمانوں کی فوج پسپا ہو رہی ہے۔ سلطان ایوبی دیوار سے دُور فوج کو منتقل کر رہا تھا اور شام ہو گئی۔

شہر میں جہاں آہ و زاری، دہشت زدگی اور دعاؤں کا ولولہ تھا وہاں خوشی کے نعرے گرجنے لگے۔ رات ہی رات عیسائی گرجا میں جمع ہو کر خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ عیسائی جو شام تک اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہے تھے مسلمان شہریوں پر ظلم و تشدد کا از سرِ نو آغاز کرنے کا پروگرام بنانے لگے۔ اس کی ابتدا انہوں نے طعنوں اور گالیوں سے کی۔ مسلمان بُجھ کے رہ گئے۔

دوسرے دن (۴ ستمبر ۱۱۸۷ء) بروز جمعہ دیوار پر کھڑے صلیبیوں نے دیکھا کہ شمال کی جانب جبل زیتون پر سلطان ایوبی کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور اس سے آگے، دیوار سے ذرا ہی دُور مسلمانوں نے منجنیقیں نصب کر دی ہیں اور کم و بیش دس

ہزار فوج (سوار اور پیادہ) حملے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی ہر جنگی مہم کا آغاز جمعہ کے روز اس وقت کیا کرتا تھا جب مسجدوں میں خطبے دیئے جا رہے ہوتے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ بیت المقدس پر بھی اُس نے پوزیشن اور پلان بدل کر جمعہ کے روز فیصلہ کُن حملہ کیا۔

شہر پر پہلے سے زیادہ پتھر اور ہانڈیاں گرنے لگیں۔ شہر میں فوراً خبر پھیل گئی کہ مسلمانوں کی اور زیادہ فوج آ گئی ہے اور اب شہر ایک دو دن کا مہمان ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ شہر میں دہشت زدگی کی نئی لہر آئی۔ لوگ گھروں سے نکل کر گلیوں اور بازاروں میں واویلا بپا کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اذانیں ایک بار پھر سنائی دینے لگیں۔ عیسائیوں کی حالتِ زار سے خود پادری متاثر ہوئے۔ وہ صلیبیں ہاتھوں میں اُٹھائے گلی گلی، کوچہ کوچہ پھرنے لگے۔ وہ بھی روتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔

صلیبی سواروں نے ایک بار پھر باہر نکل کر منجنیقوں پر ہلہ بولا مگر سلطان ایوبی نے اب یہ معرکہ اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ اُس کے سوار تین اطراف سے صلیبی سواروں کی طرف سرپٹ رفتار سے بڑھے اور انہیں پیچھے کر کے رکھ دیا۔ صلیبی منجنیقوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے دو اور ہلے بولے لیکن مسلمان شاہسواروں نے انہیں دروازے سے زیادہ آگے نہ آنے دیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بار اپنے ایک نقب زن جیش (سرنگیں کھودنے اور دیواریں توڑنے والوں) کو آگے بڑھایا۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی ڈھال تھی جس کے پیچھے وہ سر سے پاؤں تک چھپا ہوا تھا۔ ان ڈھالوں کے علاوہ انہیں اوپر سے آنے والے تیروں سے بچانے کے لیے سلطان ایوبی کے ہزاروں تیر اندازوں نے نہایت تیزی سے دیوار کے اس حصے پر تیر برسانے شروع کر دیئے جس حصے کے نیچے نقب لگائی یا سرنگ کھودنی تھی۔ کہتے ہیں کہ تیر اس قدر زیادہ برسائے جا رہے تھے کہ دیوار اُن کے پیچھے چھپ گئی تھی اور دیوار کے اوپر کسی صلیبی کا سر نظر نہیں آتا تھا۔

وہاں ایک دروازہ تھا جس کے اوپر عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس دروازے کے پیچھے بھی ایسا ہی ایک مضبوط دروازہ تھا۔ دونوں کے درمیان ڈیوڑھی تھی جس کے اوپر عمارت تھی۔ سلطان ایوبی اُس کے نیچے سرنگ کھدوانا چاہتا تھا۔ اس دروازے سے کچھ دُور دیوار ذرا کمزور نظر آتی تھی۔ وہاں بڑی منجنیقیں جو نورالدین زنگی مرحوم نے اپنی زندگی میں بنوائی تھیں کئی کئی من وزنی پتھر مار رہی تھیں۔ دیوار عامی چوڑی تھی، لیکن مسلسل ایک ہی جگہ سنگ باری سے اس میں شگاف پڑنے لگا تھا۔ پتھروں کے دھماکے شہر والوں کا خون خشک کر رہے تھے۔

دن کے وقت نقب زن جیش ڈھالوں کی اوٹ اور تیروں کے سائے میں دروازے تک پہنچ گئے۔ اب اوپر سے ان پر کوئی تیر نہیں چلا سکتا تھا۔ رات کے وقت سینکڑوں جانبازوں نے مل کر دروازے یعنی ڈیوڑھی کے نیچے تیس گز سے زیادہ لمبی سرنگ کھود لی، جو ڈیوڑھی جتنی چوڑی تھی۔ اوپر کی عمارت کو مضبوط شہتیروں سے سہارا دیا گیا۔ اس مہم میں دو دن صرف ہوئے۔ شہتیر آگے پہنچانے میں کئی مجاہد شہید ہو گئے۔ پھر اس سرنگ میں گھاس اور لکڑیاں بھر کر اُن پر آتش گیر سیال مادہ پھینکا گیا اور اُسے آگ لگا دی گئی۔ تمام نقب زن جانباز وہاں سے بھاگ آئے۔

آگ نے شہتیروں کو بھی جلا دیا اور اوپر سے عمارت دھنسنے لگی پھر مہیب گڑگڑاہٹ سے گر پڑی۔ اُدھر دیوار پر جس جگہ رزنی پتھر مارے جا رہے تھے وہاں بھی شگاف ہو گیا۔ اب ملبے کے اوپر سے گزر کر شہر میں داخل ہونا تھا مگر یہ بڑا ہی خطرناک اقدام تھا۔ یہاں سے ملبہ ہٹانے کی مہم شروع ہوئی۔

☆

شہر میں گرجوں کے گھنٹے اور زیادہ تیزی سے بجنے لگے۔ اذانوں کی مقدس اور فاتحانہ آوازیں اور زیادہ بلند ہونے لگیں۔ صلیبی جرنیلوں اور حکمران ٹولے کے بھی حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے کانفرنس بلائی جس میں جرنیلوں نے یہ تجویز پیش کی کہ تمام تر فوج اور جتنے بھی عیسائی شہری رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ آسکتے ہیں، ایک ہی بار باہر نکل کر سلطان ایوبی کی فوج پر ہلہ بول دیں۔ یہ تجویز بطریقِ اعظم ہرکولیس نے اس لیے منظور نہ کی کہ شکست کی صورت میں شہر میں عورتیں اور بچے رہ جائیں گے جو مسلمانوں کے انتقام کا نشانہ بنیں گے۔ آخر کار یہ تجویز منظور ہوئی کہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کی جائے۔ اُس کی نمائندگی ایک عیسائی سردار بالیان کو دی گئی۔

باہر سے سلطان ایوبی کی فوج نے دیکھا کہ دروازے کی گری ہوئی عمارت کے ملبے پر سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ تیر اندازوں کو روک دیا گیا۔ جھنڈے کے ساتھ تین چار آدمی نمودار ہوئے۔ ایک نے بلند آواز سے کہا۔ "ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں"۔ سلطان ایوبی سُن رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ انہیں آگے لے آؤ۔

سلطان ایوبی نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔ بات صلیبی سردار بالیان نے شروع کی اور کہا کہ مسلمان فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی جائے اور سلطان ایوبی اپنی شرائط بتلائے۔ صلیبی دراصل بیت المقدس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی بیت المقدس لیے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا مگر اس کا ابھی ایک بھی سپاہی شہر میں داخل نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ابھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اُس نے شہر لے لیا ہے۔ ابھی صلیبی یہ کہہ سکتے تھے کہ شہر پر اُن کا قبضہ ہے۔

اِدھر صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اُدھر محاصرے کی جنگ جاری تھی۔ سلطان ایوبی معاہدوں اور مذاکرات کا قائل نہیں تھا۔ بات چیت کے ساتھ اس نے جنگ جاری رکھی تھی دیوار کا شگاف کھُل گیا تھا۔ اِدھر مجاہدین نے جوش میں آکر گری ہوئی عمارت کے ملبے پر ہلہ بول دیا۔ دیوار کے شگاف میں سے بھی جانباز اندر جانے لگے اور نقب زن جیش فن کی سہولت کے لیے شگاف کو کھلا کرنے لگے، مگر صلیبی اس شہر سے دستبردار نہ ہونے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں جگہوں سے حملہ آوروں کو باہر دھکیل دیا۔ باہر سے دستے سیلاب اور طوفان کی طرح بڑھے۔ آگے جانے والے صلیبیوں کے تیروں اور برچھیوں سے گرے۔ پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے گئے۔ بڑا ہی خونریز معرکہ لڑا گیا۔ اس دوران کسی جانباز نے شہر کے بڑے دروازے کے برج سے لال کراس والا جھنڈا اتار پھینکا اور وہاں اسلامی جھنڈا چڑھا دیا۔ عیسائی شہریوں نے ایسی بھگدڑ مچائی کہ صلیبی فوج کے

لیے رکاوٹ اور مسئلہ بن گئے۔

سلطان ایوبی کے جانباز دیوار توڑ کر آگے آ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ مسجد اقصیٰ میں داخل ہو گئے اور اوپر سے صلیب اتار کر دور پھینک دی۔ وہاں بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا لیکن شہر میں دونوں فوجیں ایک دوسری کا بُری طرح کشت و خون کر رہی تھیں۔ یہ ضرور لگ رہا تھا کہ صلیبیوں کی جارحیت اور مزاحمت کی شدت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔

☆

سلطان ایوبی صلیبیوں کے وفد کے ساتھ صلح کی بات چیت کر رہا تھا۔ اُسے باہر کی اور شہر کی ابھی کچھ خبر نہیں تھی۔ اُس نے بالیان سے کہا۔ "میں نے بیت المقدس کو اپنی طاقت سے آزاد کرانے کی قسم کھائی تھی۔ اگر آپ لوگ یہ شہر مجھے اس طرح دے دیں جیسے یہ میں نے فتح کیا ہے تو میں صلح کی بات سُن لوں گا"۔

"صلاح الدین!" بالیان نے ذرا دبدبے سے کہا۔ "اس شہر کا نام ابھی یروشلم ہے بیت المقدس نہیں۔ اگر صلح نہیں کرنا چاہتے تو ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے لیکن یہ سُن لو کہ اس شہر میں آپ کے چار ہزار فوجی ہمارے جنگی قیدی ہیں اور جو مسلمان شہری ہماری قید میں ہیں ان کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہم ان تمام قیدیوں کو اور شہر کے ہر ایک مسلمان باشندے کو، خواہ وہ عورت ہے یا بچہ، جوان ہے یا بوڑھا، قتل کر دیں گے"۔

سلطان ایوبی کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں اور اُس کے ہونٹ کانپے۔ وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ خیمے کا پردہ اُٹھا۔ اس کا ایک کمانڈر آیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ کمانڈر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "شہر لے لیا گیا ہے۔ بڑے دروازے اور مسجد اقصیٰ پر جھنڈے چڑھا دیئے گئے ہیں"۔

سلطان ایوبی کو بالیان کی دھمکی کا جواب مل گیا۔ اُس کی لال انگارہ آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوئی۔ اُس نے بڑی زور سے اپنی ران پر ہاتھ مار کر صلیبی سردار بالیان سے کہا۔ "فاتح مفتوح کے ساتھ صلح کی بات نہیں کیا کرتے، کوئی ایک بھی مسلمان تمہارا قیدی نہیں"۔ وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی بڑے تحمل سے بات کیا کرتا تھا، مگر بالیان کی دھمکی کے ساتھ ہی فتح کی خبر سُن کر اُس کی آواز میں تہرار اور گرج پیدا ہو گئی۔ اُس نے کہا۔ "تم سب میرے قیدی ہو۔ تمہاری ساری فوج میری قیدی ہے۔ شہر میں رہنے والا ہر ایک عیسائی میرا قیدی ہے۔ اس شہر سے اب وہ عیسائی نکل کر جا سکے گا جو میرا مقرر کیا ہوا زرِ فدیہ ادا کرے گا۔ جاؤ، اندر جا کر دیکھو یہ یروشلم ہے یا بیت المقدس"۔

بالیان اور اس کے ساتھ آئے ہوئے صلیبی گھبرا گئے۔ خیمے سے نکل کر دیکھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کا بیشتر حصہ شہر میں داخل ہو چکا تھا اور بڑے دروازے پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

یہ اتفاق تھا یا سلطان ایوبی نے پلان ہی ایسا بنایا تھا، یا خدائے ذوالجلال کا منشا یہی تھا کہ سلطان ایوبی بروز جمعہ، ۲ اکتوبر، ۱۱۸۷ء مطابق ۲۷ رجب ۵۸۳ ہجری شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ غور فرمایئے یہ رجب کی ستائیسویں رات تھی اور یہ وہ رات ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام سے معراج کو تشریف

لے گئے تھے۔ تمام مسلم اور غیر مسلم مؤرخین نے بیت المقدس کی فتح کی یہی تاریخ لکھی ہے۔

☆

سلطان ایوبی جب شہر میں داخل ہوا تو مسلمان گھروں سے نکل آئے۔ عورتوں نے سروں سے اوڑھنیاں اُتار کر اُس کے راستے میں پھینک دیں۔ سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے گھوڑوں سے اُتر کر اوڑھنیاں راستے سے اُٹھالیں کیونکہ سلطان اپنی پرستش اور خوشامد سے سخت نفرت کرتا تھا۔ ظلم و تشدد کے مارے ہوئے مسلمان چیخ چیخ کر نعرے لگا رہے تھے اور امن مسجد میں گر پڑے۔ آنسو تو سب کے جاری تھے۔ یہ بڑا ہی جذباتی اور دردناک منظر تھا۔ عینی شاہدوں کے مطابق، سلطان ایوبی اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ نعروں کے جواب میں ہاتھ بلند کر کے ہلاتا تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی، بلکہ وہ ہونٹوں کو بھینچتا اور دانتوں میں دبانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ کوشش جذباتیت کو دبانے اور سسکیاں روکنے کی تھی۔

عیسائی شہری گھروں میں دبکے خوف سے کانپ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی جوان لڑکیوں کو چھپا لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اکثر لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنا دیئے گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان سپاہی خواتین کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لیے اُن کی بیٹیوں کو بے آبرو کریں گے، لیکن یورپی مؤرخ، لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین نے اپنے آپ کو ایسا غالی نظر اور کشادہ دل کبھی ثابت نہیں کیا تھا جتنا اُس وقت کیا جب اس کی فوج صلیبی فوج سے شہر کا قبضہ لے رہی تھی۔ اُس کی فوج کے سپاہی اور افسر گلی کوچوں میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے گھوم پھر رہے تھے اور اُن کی نظر اس پر تھی کہ کوئی مسلمان شہری کسی عیسائی شہری پر انتقاماً حملہ نہ کر دے۔ سلطان ایوبی کے احکام ہی ایسے تھے۔ البتہ کسی عیسائی کو شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

سلطان ایوبی سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں گیا۔ جذبات کی شدت سے وہ مسجد کی دہلیز پر گھٹنوں کے بل جیسے گر پڑا ہو۔ وہ دہلیز پر سجدہ ریز ہو گیا اور بہاؤالدین شداد اور احمد بیلی مصری کے مطابق، سلطان ایوبی کے آنسو اس طرح بہہ رہے تھے کہ اس عظیم مسجد کی دہلیز دھل رہی تھی۔ مسجد کی حالت بہت بُری تھی۔ کئی ایک مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً مسجد میں سونے اور چاندی کے فانوس اور شمعدان رکھے تھے۔ انہوں نے عقیدت کے طور پر مسجد میں طرح طرح کے بیش قیمت تحائف بھی رکھے تھے۔ صلیبی تمام فانوس، شمعدان اور قیمتی تحائف اٹھا لے گئے تھے۔ فرش سے جگہ جگہ سنگِ مرمر کی سلیں غائب تھیں۔ مسجد مرمت طلب تھی۔

مرمت کی طرف توجہ دینے سے پہلے سلطان ایوبی نے شکست خوردہ عیسائیوں کے متعلق فیصلہ کرنا ضروری سمجھا اس نے اپنی مشاورتی مجلس سے مشورہ کیا اور حکم نامہ جاری کیا کہ ہر عیسائی مرد دس اشرفی (دینار) عورت پانچ اشرفی اور ہر بچہ ایک اشرفی زرِ فدیہ ادا کر کے شہر سے نکل جائے۔ کوئی بھی عیسائی وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ برجِ داؤد کے نیچے والا دروازہ کھول دیا گیا جہاں مسلمان حاکم فدیہ وصول کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور عیسائی آبادی کا انخلاء شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے عیسائیوں کا سربراہ بالیان شہر سے نکلا۔ اُس کے پاس انگلستان کے بادشاہ رچرڈ کی بھیجی ہوئی بے اندازہ رقم تھی۔ اس میں سے اُس نے تیس ہزار اشرفی طلائی زرِ فدیہ ادا کی اور اُس کے

عوض دس ہزار عیسائیوں کو رہا کرا لیا۔

باب داؤد پر باہر جانے والے عیسائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ پورے پورے خاندان کا زرِ فدیہ ادا کر کے جا رہے تھے۔ یہ رواج تھا کہ مفتوحہ شہر کو فوج بُری طرح لوٹ لیتی تھی ــــ بیت المقدس تو وہ شہر تھا جہاں صلیبیوں نے فتح کے بعد مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور اُن کے گھر لوٹ لیے اور اُن کی بیٹیوں اور مسجدوں کی بے حرمتی کی مگر مسلمانوں نے یہ شہر فتح کیا تو لوٹ مار کی بجائے یوں ہُوا کہ سلطان ایوبی کے فوجیوں نے اور باہر سے فوراً پہنچ جانے والے مسلمان تاجروں نے عیسائیوں کے گھروں کا سامان خریدا تاکہ وہ زرِ فدیہ دینے کے قابل ہو جائیں۔ اس طرح وہ عیسائی خاندان بھی رہا ہو گئے جن کے پاس زرِ فدیہ پورا نہیں تھا۔

اس موقع پر ایک تضاد دیکھنے میں آیا جو کئی ایک مؤرخوں اور اُس دور کے وقائع نگاروں نے بیان کیا ہے۔ بیت المقدس کے سب سے بڑے پادری بطریق اعظم ہرکولیز نے یہ حرکت کی کہ تمام گرجوں کی جمع شدہ رقم اپنے قبضے میں لے لی۔ گرجوں سے سونے کے پیالے اور دیگر بیش قیمت اشیاء چُرا لیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دولت اتنی زیادہ تھی کہ اس سے سینکڑوں غریب عیسائیوں کے خاندانوں کو رہا کرایا جا سکتا تھا مگر ان کے اس سب سے بڑے پادری نے کسی ایک کا بھی زرِ فدیہ نہ دیا۔ وہ اپنا فدیہ ادا کر کے نکل گیا۔ کسی مسلمان فوجی نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بہت سی دولت ساتھ لے جا رہا ہے۔ اس فوجی کی رپورٹ پر کسی حاکم نے سلطان ایوبی سے کہا کہ اُسے اتنی دولت اور اتنا سونا نہ لے جانے دیا جائے۔

"اگر اُس نے زرِ فدیہ ادا کر دیا ہے تو اُسے نہ روکا جائے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اِن لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ کسی سے فالتو رقم نہیں لی جائے گی۔ جو کوئی جتنا ذاتی سامان ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہونے دوں گا۔"

بطریقِ اعظم اپنے گرجوں سے چرائی ہوئی دولت اور قیمتی سامان لے گیا۔

سلطان ایوبی نے زرِ فدیہ ادا کرنے کی میعاد چالیس دن مقرر کی تھی۔ چالیس دن پورے ہو گئے تو ابھی تک ہزاروں غریب اور نادار عیسائی شہر میں موجود تھے۔ نوّے برس پہلے جب صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو دُور دُور سے عیسائی یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ کبھی یہاں سے نکلنا بھی پڑے گا۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی العادل اُس کے پاس آیا۔

"محترم سلطان!" العادل نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اس شہر کی فتح میں میرا اور میرے دستوں کا کتنا ہاتھ ہے۔ اس کے عوض مجھے ایک ہزار عیسائی بطور غلام دے دیں۔"

"اتنے غلام کیا کرو گے؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

"یہ میری مرضی پر ہوگا، میں جو چاہوں کروں۔"

سلطان ایوبی نے العادل کو ایک ہزار عیسائی دینے کا حکم دے دیا۔ العادل نے ایک ہزار عیسائی منتخب کیے اور انہیں باب داؤد لے جا کر سب کو رہا کر دیا۔

"سلطان محترم!" العادل نے واپس آکر سلطان ایوبی سے کہا۔ "میں نے اِن تمام عیسائی غلاموں کو شہر سے رخصت کر دیا ہے۔ اُن کے پاس زرِ فدیہ نہیں تھا۔"

"میں جانتا تھا تم ایسا ہی کرو گے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "ورنہ میں تمہیں ایک بھی غلام نہ دیتا۔ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہاری یہ نیکی قبول کرے۔"

یہ واقعات افسانے نہیں، مؤرخوں نے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عیسائی عورتوں کا ایک ہجوم سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ پتہ چلا کہ یہ اُن صلیبی فوجیوں کی بیویاں، بیٹیاں یا بہنیں ہیں جو مارے گئے یا قید ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس زرِ فدیہ نہیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو صرف رہا ہی نہ کیا بلکہ انہیں کچھ رقم دے کر رخصت کیا۔ اُس کے بعد اُس نے عام حکم جاری کر دیا کہ تمام عیسائیوں کو جو شہر میں رہ گئے ہیں زرِ فدیہ معاف کیا جاتا ہے۔ وہ جا سکتے ہیں۔ صلیبیوں کی صرف فوج قید میں رہی۔

اس سے پہلے سلطان ایوبی نے مسجد اقصےٰ کی صفائی اور مرمت کرائی تھی۔ اُس دَور کی تحریروں کے مطابق سلطان ایوبی خود سپاہیوں کے ساتھ اینٹیں اور گارا اُٹھاتا رہا۔ ۱۹ اکتوبر، ۱۸ رجب کا مبارک دن تھا۔ سلطان ایوبی جمعہ کی نماز کے لیے مسجد اقصےٰ میں گیا تو وہ منبر جو نورالدین زنگی مرحوم نے بنوایا تھا اور مرحوم کی بیوہ اور بیٹی لائی تھیں، اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے منبر اپنے ہاتھوں مسجد میں رکھا۔ جمعہ کا خطبہ دمشق سے آئے ہوئے ایک خطیب نے پڑھا۔

اس کے بعد سلطان ایوبی نے مسجد اقصےٰ کی آرائش کی طرف توجہ دی۔ مرمر کے پتھر منگوا کر فرش میں لگوائے اور مسجد کو جی بھر کے خوبصورت بنایا۔ وہ خوب صورت پتھر جو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں لگوائے تھے آج بھی مسجد اقصےٰ میں موجود ہیں اور اُن کی خوب صورتی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

☆

بیت المقدس کی فتح تاریخِ اسلام کا بہت بڑا واقعہ اور عظیم کارنامہ تھا، مگر سلطان ایوبی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اُسے سرزمینِ عرب اور فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کو جہاں ایک مضبوط چھاؤنی اور عسکری مستقر بنایا وہاں اس مقدس مقام کو علم و فضل کا مرکز بنا دیا۔ ۵ رمضان ۵۸۳ ہجری (۸ نومبر ۱۱۸۷ء) کے روز اُس نے بیت المقدس سے کوچ کیا۔ اُس کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کو جو کسی اور جگہ تھا، پیغام بھیجا کہ اپنے دستے لے کر اُس کے پاس آجائے۔ سلطان ٹائر پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ صلیبیوں کی مضبوط چھاؤنی تھی اور بندرگاہ تھی۔ سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بہ ذریعہ کبوتر کو پیغام بھیجا کہ وہ ٹائر سے کچھ دُور تک آجائے اور جب سلطان اس شہر کا محاصرہ کرے تو الفارس صلیبی بیڑے پر حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے الفارس کو حملے کے جو دن بتائے وہ دسمبر کے آخر یا جنوری کے شروع کے تھے۔

دونوں لڑکیاں الفارس کے جہاز میں تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس وہاں نہیں تھا۔

حسن بن عبداللہ بیت المقدس کی جنگ پھر فتح کے بعد کاموں میں مصروف رہا۔ اِدھر سے فارغ ہو کر اُسے خیال آیا کہ اُس نے اپنا ایک آدمی الفارس کے جہاز میں بھیجا تھا۔ اُس نے ایک قاصد رؤف کُرد کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ اُس کا آدمی کیا کر رہا ہے۔ اس قاصد کو جہاز تک پہنچنے کئی دن لگ گئے۔ رؤف کُرد نے قاصد کو بتایا کہ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس بہت دن ہوئے چلا گیا تھا۔

جاسوس اُس وقت تک بحیرۂ روم کی تہہ میں مچھلیوں کی خوراک بن چکا تھا اور رؤف کُرد اُس کے اِس انجام سے اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ روز پہلے جاسوس نے رؤف کُرد سے کہا تھا کہ اِن لڑکیوں کو وہ یہاں نہیں رہنے دے گا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ جب جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے تو چھوٹی چھوٹی کشتیاں اُس کے قریب آجاتی اور ماہی گیر سی قسم کے لوگ مختلف چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ ان میں ایک آدمی کو اُس نے تین چار جگہوں پر دیکھا تھا۔ لڑکیاں اُسے رسّے کی سیڑھی لٹکا کر اوپر بُلاتی ہیں اور اُس سے کچھ خریدنے کی بجائے اُس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں۔ جہاز اگر دس پندرہ میل دُور ساحل کے ساتھ کہیں لنگر انداز ہوا تو وہاں بھی یہ آدمی کشتی لے کے آگیا۔ جاسوس کو اِس آدمی پر شک تھا۔

فلوری نے رؤف کُرد کی عقل مار ڈالی تھی۔ وہ اس سے راز کی باتیں پوچھتی اور وہ اُسے سب کچھ بتا دیتا تھا۔ الفارس بہت مصروف رہتا تھا۔ وہ دوسرے جہازوں میں بھی چلا جاتا تھا۔ ایک روز رؤف کُرد نے فلوری کے طلسم سے سحور ہو کر اُسے بتا دیا کہ جہاز میں ایک خطرناک آدمی ہے، اس کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ رؤف کُرد ان لڑکیوں کو ابھی تک خانہ بدوش سمجھ رہا تھا اور وہ اُن کے اصلی ناموں، فلوری اور رونزی سے واقف نہیں تھا۔ لڑکیاں دراصل تجربہ کار جاسوس تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ جس آدمی کے متعلق رؤف کُرد نے بات کی ہے وہ جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کو گوارا نہ تھا کہ فلوری جہاز سے چلی جائے۔ اُس نے اِن لڑکیوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ جاسوس ہے۔

ایک رات الفارس کسی دوسرے جہاز میں گیا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت رؤف کُرد اور فلوری عرشے پر جنگلے کے ساتھ ایسی جگہ چھپے ہوئے تھے جہاں پیچھے اور دائیں بائیں سامان پڑا تھا۔ حسن عبداللہ کا جاسوس دانستہ یا اتفاقیہ اُدھر آنکلا۔ رؤف کُرد گھبرانے یا دانستہ جھوٹ بولنے کی بجائے اُٹھ کر اُسے ذرا پرے لے گیا اور کہا کہ وہ اُس لڑکی کو لالچ وغیرہ دے کر پوچھ رہا تھا کہ وہ دونوں کون ہیں۔ اُس نے جاسوس سے کہا کہ میں چلا جاتا ہوں، تم اِس کے پاس بیٹھ جاؤ اور اپنے تجربے اور علم کے مطابق اس سے باتیں کر کے سمجھ لو کہ یہ ہیں کون؟

جاسوس کو فلوری کے پاس بھیج کر اُس نے رونزی کو جا جگایا اور اُسے کہا کہ شکار فلاں جگہ ہے، تم بھی چلی جاؤ۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہوں گا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

رونزی اوپر آئی۔ رؤف کُرد نے اُسے گز بھر لمبی رسّی دی اور وہ اُس جگہ چلی گئی جہاں جاسوس اور فلوری بیٹھے تھے۔ وہاں اندھیرا تھا۔ رونزی اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ جاسوس گپ شپ کے انداز سے اُن کی

اصلیت کا بھید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روزی نے رسّی اُس کی گردن کی گرد لپیٹ دی۔ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ فلوری نے فوراً رسّی کا دوسرا سرا پکڑ لیا۔ پیشتر اس کے جاسوس اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں ملتا، اُس کی گردن کا پھندا لڑکیوں نے رسّی اپنی اپنی طرف کھینچ کر تنگ کر دیا۔ وہ ذرا دیر تڑپا پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رؤف کُرد ذرا پرے کھڑا تھا۔ وہاں اگر کوئی ملازم تھا تو اُسے اُس نے کوئی کام بتا کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ لڑکیوں نے جاسوس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ روزی چلی گئی۔ فلوری وہیں بیٹھی رہی۔ رؤف کُرد اُس کے پاس چلا گیا اور دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆

الفارس کو معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کے جہاز میں کوئی جاسوس آیا، یا رؤف کُرد نے کسی نئے آدمی کو جہازیں کسی کام پر لگایا تھا۔ اُس کے قتل کے دو چار روز بعد الفارس کو خیال آیا کہ اُس کے اپنے اور دوسرے پانچ جہازوں کے ملاح اور بحری سپاہی تو مہینوں سے سمندر میں ہیں اور وہ سب اُکتا گئے ہوں گے۔ اُس نے دوسرے جہازوں میں جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ خشکی کی رونق سے دُور فراغت اور بے یقینی کیفیت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اگر کبھی بحری معرکہ ہو جایا کرتا تو اُن کی ذہنی حالت یہ نہ ہوتی چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایک رات وہ تمام جہازوں کو اکٹھا کر کے لنگر ڈال دے گا اور جشن منائے گا۔ ملاح اور سپاہی نگاہیں بچائیں گے اور سب کو اچھا کھانا دیا جائے گا۔

اُس نے رؤف کُرد اور اپنے ماتحت افسروں سے بات کی۔ اُس وقت دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناچیں گی۔ الفارس زندہ دل انسان تھا۔ وہ خود بھی جشن اور راگ رنگ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ابھی کوئی رات مقرر نہ کی کیونکہ اُسے خشکی سے سلطان ایوبی کے قاصد کا انتظار تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔

دو روز بعد قاصد آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ سلطان ایوبی ٹائر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا ہے اور الفارس اپنے جہازوں کو ٹائر کے قریب لے جائے تاکہ محاصرے کے وقت وہ کم وقت میں ٹائر پہنچ سکے۔ قاصد نے خاص طور پر کہا تھا کہ اب دن اور رات چوکس رہیں کیونکہ صلیبی جہاز قریب ہی موجود ہیں.... الفارس نے قاصد کو رخصت کیا اور اُس شام اپنے بکھرے ہوئے جہازوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا اشارہ دے دیا۔ اُس نے رؤف کُرد کو بتایا کہ چند روز بعد شاید انہیں بحری جنگ لڑنی پڑے اس لیے دو رات بعد جشن منا لیا جائے۔

رؤف کُرد نے بتا دیا کہ فلاں رات جہاز اکٹھے ہوں گے اور رونق میلہ ہو گا۔

اینڈریو کی کشتی آتی ہی رہتی تھی۔ حسن بن عبداللہ کے جاسوس نے اُسے کئی جگہوں پر دیکھا تھا۔ اب جہاز ساحل کے قریب آ کر رکا تو اینڈریو آ گیا۔ لڑکیوں نے حسب معمول اُسے اوپر بلا لیا اور اُس سے کچھ خرید لیا اور اُس کے کان میں یہ قیمتی اطلاع ڈال دی کہ فلاں رات جہاز اکٹھے کھڑے ہوں گے اور عرشوں پر جشن ہو گا۔ اینڈریو دیکھ

رہا تھا کہ دُور سے الفارس کے دوسرے جہاز آ رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو یہ کہہ کر چلا گیا۔ "اُس رات اسی طرف میری کشتی آ جائے گی۔ سیڑھی پھینک کر اُتر آنا۔"

☆

وہ رات آ گئی۔ چھ جہاز بادبان لپیٹے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ جہازوں کے کپتان اور دیگر افسر الفارس کے جہاز میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ پُرتکلف کھانا ہو رہا تھا۔ ملاح اور سپاہی اپنے اپنے جہازوں میں کھانا کھا رہے تھے۔ الفارس کے جہاز میں دونوں لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور ساز ہو رہے تھے۔ جہازوں پر بہت سی مشعلیں جلا دی گئی تھیں۔ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔

یہ رونق جب عروج کو پہنچی تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ صلیبیوں کے دس بارہ جنگی جہاز تیاں بجائے بغیر الفارس کے جہازوں کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ نئے چاند کی ترتیب میں تھے۔ وہ قریب آ گئے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ اِدھر چھوٹی سی ایک کشتی الفارس کے جہاز کے قریب پہنچی تھی۔ اچانک الفارس کے جہازوں پر جلتے ہوئے گولے گرنے لگے اور تیروں کی ایسی بوچھاڑیں آئیں کہ کئی ملاح اور سپاہی تڑپنے لگے۔ الفارس اور اُس کے کپتانوں نے اس اچانک حملے سے نکلنے کی کوشش کی مگر جہازوں کو نکالنا ممکن نہ تھا۔ سپاہیوں نے تیروں سے جواب دیا۔ منجنیقوں سے آگ پھینکی۔ ایک صلیبی جہاز کو آگ لگی مگر صلیبی اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کے جہاز واپس چلے گئے۔

معرکہ جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم ہو گیا۔ تاریخ بہاؤ الدین شداد کی تحریر کے مطابق الفارس کے پانچ جہاز جل کر تباہ ہو گئے۔ دو کپتان اور بہت سے بحری سپاہی شہید ہو گئے۔ بہاؤ الدین شداد نے اس کی تاریخ ۱۲ شوال ۵۰۲ھ (۲۰ دسمبر ۱۱۰۸ء) لکھی ہے۔

چونکہ جہاز جل رہے تھے اس لیے روشنی بہت تھی۔ کسی نے دیکھا کہ ایک کشتی جا رہی تھی جس میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں۔ الفارس نے اپنے جہاز سے ایک کشتی اتروائی اور اُس کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ اُس کشتی سے تیر آنے لگے۔ اِدھر سے بھی تیر چلے اور کشتی کو گھیر لیا گیا۔ دونوں مرد اور ایک لڑکی تیروں کا نشانہ بن گئی۔ ایک بچ گئی۔ بعد میں اسی لڑکی کے بیان سے تباہی کی اصل حقیقت کھلی۔

اُس وقت سلطان ایوبی ٹائر سے کچھ دُور خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے بیعا ٹائر پر یلغار کرنی تھی۔ کُرچ سے ایک ہی روز پہلے اُسے اطلاع ملی کہ چھ میں سے پانچ جہاز تباہ ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی کچھ کہے کے رہ گیا۔ وہ ایسی بُری خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اتنی جلدی دل چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اُس نے پیشقدمی ملتوی کر دی اور الفارس اور دوسرے کپتانوں کو بلایا۔ الفارس نے اُسے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ملاح اور سپاہی فراغت اور سمندر سے اکتائے ہوئے تھے اس لیے اُس نے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور مشیروں کا اجلاس بلایا اور یہ صورت حال سب کے سامنے رکھی۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور بارشیں شروع ہو چکی ہیں۔ اس موسم میں جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ سپاہی مسلسل جنگ اور تیز رفتار کوچ اور پیش قدمی سے اتنے تھک چکے تھے کہ

اصلیت کا بھید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روزی نے رسّی اُس کی گردن کی گرد لپیٹ دی۔ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ فلوری نے فوراً رسّی کا دوسرا سرا پکڑ لیا۔ پیشتر اس کے جاسوس اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں ملتا، اُس کی گردن کا پھندا لڑکیوں نے رسّی اپنی اپنی طرف کھینچ کر تنگ کر دیا۔ وہ ذرا دیر تڑپا پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رؤف کُرد ذرا پرے کھڑا تھا۔ وہاں اگر کوئی ملازم تھا تو اُسے اُس نے کوئی کام بتا کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ لڑکیوں نے جاسوس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ روزی چلی گئی۔ فلوری وہیں بیٹھی رہی۔ رؤف کُرد اُس کے پاس چلا گیا اور دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆

الفارس کو معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کے جہاز میں کوئی جاسوس آیا، یا رؤف کُرد نے کسی نئے آدمی کو جہازیں کسی کام پر لگایا تھا۔ اُس کے قتل کے دو چار روز بعد الفارس کو خیال آیا کہ اُس کے اپنے اور دوسرے پانچ جہازوں کے ملاح اور بحری سپاہی تو مہینوں سے سمندر میں ہیں اور وہ سب اُکتا گئے ہوں گے۔ اُس نے دوسرے جہازوں میں جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ خشکی کی رونق سے دُور فراغت اور بے یقینی کیفیت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اگر کبھی بحری معرکہ ہو جایا کرتا تو اُن کی ذہنی حالت یہ نہ ہوتی چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایک رات وہ تمام جہازوں کو اکٹھا کر کے لنگر ڈال دے گا اور جشن منائے گا۔ ملاح اور سپاہی نگاہیں بچائیں گے اور سب کو اچھا کھانا دیا جائے گا۔

اُس نے رؤف کُرد اور اپنے ماتحت افسروں سے بات کی۔ اُس وقت دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناچیں گی۔ الفارس زندہ دل انسان تھا۔ وہ خود بھی جشن اور راگ رنگ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ابھی کوئی رات مقرر نہ کی کیونکہ اُسے خشکی سے سلطان ایوبی کے قاصد کا انتظار تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔

دو روز بعد قاصد آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ سلطان ایوبی ٹائر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا ہے اور الفارس اپنے جہازوں کو ٹائر کے قریب لے جائے تاکہ محاصرے کے وقت وہ کم وقت میں ٹائر پہنچ سکے۔ قاصد نے خاص طور پر کہا تھا کہ اب دن اور رات چوکس رہیں کیونکہ صلیبی جہاز قریب ہی موجود ہیں.... الفارس نے قاصد کو رخصت کیا اور اُس شام اپنے بکھرے ہوئے جہازوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا اشارہ دے دیا۔ اُس نے رؤف کُرد کو بتایا کہ چند روز بعد شاید انہیں بحری جنگ لڑنی پڑے اس لیے دو رات بعد جشن منا لیا جائے۔

رؤف کُرد نے بتا دیا کہ فلاں رات جہاز اکٹھے ہوں گے اور رونق میلہ ہوگا۔

اینڈریو کی کشتی آتی ہی رہتی تھی۔ حسن بن عبداللہ کے جاسوس نے اُسے کئی جگہوں پر دیکھا تھا۔ اب جہاز ساحل کے قریب آ کر رکا تو اینڈریو آ گیا۔ لڑکیوں نے حسب معمول اُسے اوپر بلا لیا اور اُس سے کچھ خرید لیا اور اُس کے کان میں یہ قیمتی اطلاع ڈال دی کہ فلاں رات جہاز اکٹھے کھڑے ہوں گے اور عرشوں پر جشن ہوگا۔ اینڈریو دیکھ

رہا تھا کہ دُور سے الفارس کے دوسرے جہاز آ رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو یہ کہہ کر چلا گیا۔ "اُس رات اسی طرف میری کشتی آ جائے گی۔ سیڑھی پھینک کر اُتر آنا۔"

☆

وہ رات آ گئی۔ چھ جہاز بادبان لپیٹے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ جہازوں کے کپتان اور دیگر افسر الفارس کے جہاز میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ پُرتکلف کھانا ہو رہا تھا۔ ملاح اور سپاہی اپنے اپنے جہازوں میں کھانا کھا رہے تھے۔ الفارس کے جہاز میں دونوں لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور ساز ہو رہے تھے۔ جہازوں پر بہت سی مشعلیں جلا دی گئی تھیں۔ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔

یہ رونق جب عروج کو پہنچی تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ صلیبیوں کے دس بارہ جنگی جہاز تیاں بجائے بڑھتے الفارس کے جہازوں کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ نئے چاند کی ترتیب میں تھے۔ وہ قریب آ گئے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ اِدھر چھوٹی سی ایک کشتی الفارس کے جہاز کے قریب پہنچی تھی۔ اچانک الفارس کے جہازوں پر جلتے ہوئے گولے گرنے لگے اور تیروں کی ایسی بوچھاڑیں آئیں کہ کئی ملاح اور سپاہی تڑپنے لگے۔ الفارس اور اُس کے کپتانوں نے اس اچانک حملے سے نکلنے کی کوشش کی مگر جہازوں کو نکالنا ممکن نہ تھا۔ سپاہیوں نے تیروں سے جواب دیا۔ منجنیقوں سے آگ پھینکی۔ ایک صلیبی جہاز کو آگ لگی مگر صلیبی اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کے جہاز واپس چلے گئے۔

معرکہ جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم ہو گیا۔ تاریخ بہاؤ الدین شداد کی تحریر کے مطابق الفارس کے پانچ جہاز جل کر تباہ ہو گئے۔ دو کپتان اور بہت سے بحری سپاہی شہید ہو گئے۔ ابن شداد نے اس کی تاریخ ۱۲ شوال ۵۰۲ھ (۲۰ دسمبر ۱۱۰۸ء) لکھی ہے۔

چونکہ جہاز جل رہے تھے اس لیے روشنی بہت تھی۔ کسی نے دیکھا کہ ایک کشتی جا رہی تھی جس میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں۔ الفارس نے اپنے جہاز سے ایک کشتی اتروائی اور اُس کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ اُس کشتی سے تیر آنے لگے۔ اِدھر سے بھی تیر چلے اور کشتی کو گھیر لیا گیا۔ دونوں مرد اور ایک لڑکی تیروں کا نشانہ بن گئی۔ ایک بچ گئی۔ بعد میں اسی لڑکی کے بیان سے تباہی کی اصل حقیقت کھلی۔

اُس وقت سلطان ایوبی ٹائر سے کچھ دُور خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے بیعا ٹائر پر یلغار کرنی تھی۔ کُرچ سے ایک ہی روز پہلے اُسے اطلاع ملی کہ چھ میں سے پانچ جہاز تباہ ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی کچھ کہے کے رہ گیا۔ وہ ایسی بُری خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اتنی جلدی دل چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اُس نے پیشقدمی ملتوی کر دی اور الفارس اور دوسرے کپتانوں کو بلایا۔ الفارس نے اُسے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ملاح اور سپاہی فراغت اور سمندر سے اکتائے ہوئے تھے اس لیے اُس نے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور مشیروں کا اجلاس بلایا اور یہ صورت حال سب کے سامنے رکھی۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور بارشیں شروع ہو چکی ہیں۔ اس موسم میں جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ سپاہی مسلسل جنگ اور تیز رفتار کوچ اور پیش قدمی سے اتنے تھک چکے تھے کہ

انہیں جذبات میں لاکر لڑاتے رہنا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ شکست بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بحری بیڑے کی تباہی کی مثال دے کر کہا کہ اتنا طویل عرصہ سپاہیوں کو گھروں سے دُور رکھنے کے اثرات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کی عظیم فتح ہمارے لیے کوئی اور حادثہ بن جائے۔

سلطان ایوبی ڈکٹیٹر نہیں تھا۔ اُس نے یہ مشورہ منظور کر لیا اور حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں سے جو عارضی فوج بنائی گئی تھی وہ توڑ دی جائے اور ان لوگوں کو کچھ رقم دے کر گھروں کو بھیج دیا جائے۔ اُس نے اپنی باقاعدہ فوج کے بھی کچھ حصے کو تھوڑی چھٹی دے کر گھروں کو بھیج دیا اور ۲۰ جنوری ۱۱۹۲ء کے روز عکہ کو روانہ ہو گیا۔ مارچ ۱۱۹۲ء تک وہ عکہ میں رہا۔

آنسو جو مسجدِ اقصیٰ میں گرے

صلیبی جنگ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ بیت المقدس کی فتح نے سارے یورپ کو زلزلے کے بڑے ہی شدید جھٹکے کی طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی زندگی کا مشن پورا کر دیا تھا لیکن بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے سے چھڑا لینا ہی کافی نہیں تھا۔ اس مقدس شہر کا دفاع مستحکم کرنا تھا جو مرد شہر کی بلندیاں مضبوط کر لینے تک محدود نہیں تھا۔ بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ارد گرد، دُور دُور کے علاقے پر قبضہ کیا جائے اور ساحل کو بھی اپنی تحویل میں رکھا جائے۔ بہت سے اہم مقامات پر سلطان ایوبی نے پہلے قبضہ کر لیا تھا۔ باقی جو رہ گئے تھے ان پر سلطان ایوبی کی فوج حملے کرتی اور قابض ہوتی چلی جا رہی تھی۔

مفتوحہ مقامات سے عیسائی آبادی بھاگتی چلی جا رہی تھی جن مقامات پر عیسائیوں کا قبضہ برقرار رہا انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اُن کے لیے مسلمانوں کا قتلِ عام روزمرہ کا معمول اور مذہبی فریضہ تھا۔ اس کے برعکس سلطان ایوبی جو جگہ فتح کرتا تھا وہاں کے عیسائی باشندوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں نکال دیتا تھا ہوائے جنگی قیدیوں یعنی صلیبی فوجیوں کے۔ ارضِ فلسطین کی اب یہ کیفیت تھی کہ سلطان ایوبی ہر ایک دستے کو خواہ وہ اُس کے ہیڈ کوارٹر سے کتنی ہی دُور کیوں نہ تھا، رابطے اور اپنے احکام کا پابند رکھے ہوئے تھا۔ چھاپہ مار جیش عقابوں اور چیتوں کی طرح پہاڑیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے جہاں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ یا رسد کا قافلہ نظر آتا وہ اُس پر ٹوٹ پڑتے، شبخون مارتے اور انہیں ہلاک، زخمی اور تتر بتر کر کے اُن کے گھوڑے، اسلحہ اور رسد اُٹھا لاتے۔

اِن چھاپہ ماروں نے جو شبخون مارے وہ ہماری تاریخ کی ولولہ انگیز، ایمان افروز اور مافوق الفطرت شجاعت کی داستانیں ہیں۔ ہر ایک کا بیان شروع ہو جائے تو یہ داستان بڑی لمبی مدت تک ختم نہ ہو۔ یہ ارضِ فلسطین کے پاسبان تھے جو اکیلے اکیلے، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں کئی کئی فرسنگ دشمن کے دستوں اور دشمن کے کیمپوں پر شبخون مارتے اور شب کی تاریکی میں گم یا اپنے خون میں ڈوب جاتے تھے۔ انہوں نے دشمن سے رسد چھین کر اپنی فوجوں کو دی اور خود دشمن کی تلاش میں بھوکے بھٹکتے رہے، لڑتے اور کٹتے رہے، اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جلتے رہے۔ انہیں کفن نصیب نہ ہوئے، کسی نے ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی اور وہ کسی قبر میں دفن نہ ہوئے۔

وہ قہر تھے جو دشمن پر ٹوٹتے رہے۔ انہی کے بھروسے سلطان ایوبی بیت المقدس کی فتح سے ابد تک

فلسطین میں شیر کی طرح دندناتا، دھاڑتا اور گرجتا رہا۔ سلطان ایوبی کی ان گوریلا اور کمانڈو (چھاپہ مار) پارٹیوں کے متعلق مشہور و معروف یورپی مؤرخ لین پول لکھتا ہے۔ "یہ بے دین (مسلمان) ہمارے نائٹوں (جنگجو سرداروں) کی طرح وحشی زدہ بکتر نہیں پہنتے تھے لیکن ہمارے زرہ پوش نائٹوں کو ناکوں چنے چبوا دیتے تھے۔ اُن پر حملہ کیا جاتا تو بھاگتے نہیں تھے۔ اُن کے گھوڑے ساری دنیا میں تیز رفتار مانے گئے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ (صلیبی) اُن کے تعاقب سے ہٹ گئے ہیں تو وہ پھر واپس آجاتے تھے۔ ان (مسلمان چھاپہ ماروں) کی حالت اُن کبھی نہ تھکنے والی مکھیوں جیسی تھی جنہیں اڑاؤ تو ایک لمحے کے لیے اڑ کر پھر تمہارے اوپر بیٹھ جاتی ہیں۔ اگر انہیں ہر وقت دُور رکھنے کی کوشش کرتے رہو تو وہ دُور رہتے تھے۔ جونہی یہ کوشش ترک کر دی جاتی وہ شب خون مار جاتے.... وہ پہاڑی علاقے کی طوفانی بارش کی طرح چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں آتے اور صلیبی فوج کی ترتیب توڑ کر غائب ہو جاتے۔ ہمارے نائٹوں کو وہ قدم قدم پر پریشان کرتے اور ہماری فوج کی پیش قدمی کو سست کیے رکھتے۔"

☆

یہ خطہ جو آج اسرائیل کہلاتا ہے۔ سلطان ایوبی کے دَور میں ارضِ مقدس تھا جسے صلیبیوں سے پاک کرنے کے لیے اللہ کے ایک ایک سپاہی نے وہاں اپنے خون کا نذرانہ دیا۔ سلطان ایوبی نے بعض بستیاں تباہ و برباد کر دی تھیں۔ جس رفتار سے یوں لگتا تھا جیسے اُس کے دل میں رحم کا ایک ذرہ بھی نہیں رہا لیکن اُس نے رحمدلی کے ایسے مظاہرے کیے کہ صلیبی مؤرخوں نے بھی اُسے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے صلیبیوں کی ایک ملکہ بھی آئی اور ایک غریب صلیبی عورت بھی۔

صلیبی ملکہ کا نام سبیلا تھا۔ وہ مشہور صلیبی حکمران ریمانڈ کی بیوی تھی۔ جنگِ حطین کے وقت وہ طبریہ کے قلعے کی ملکہ تھی۔ آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں کہ ریمانڈ جنگِ حطین کے میدان سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی نے طبریہ کا قلعہ سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا تھا اور سلطان ایوبی نے اُسے قید نہیں کیا تھا۔ اسی جنگ میں سلطان ایوبی نے بیت المقدس کے حکمران گائی آف لوزینان کو جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب سلطان ایوبی عکرہ کے مقام پر خیمہ زن تھا، اُسے اطلاع ملی کہ ملکہ سبیلا اُسے ملنے آرہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے آنے سے نہ روکا بلکہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

"صلاح الدین!" ملکہ سبیلا جو شکست کھا چکنے کے بعد بھی ملکہ ہی کہلانا پسند کرتی تھی کیوں کہ اپنے خاوند کے قتل کے بعد وہ تریپولی کی حکمران تھی، بولی — "کیا آپ کو معلوم ہے کہ کتنے ہزار یا کتنے لاکھ عیسائی گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں؟ ان پر یہ ظلم آپ کے حکم سے ہوا ہے۔"

"اور جن بے گناہ مسلمانوں کا آپ نے قتلِ عام کرایا اور کرایا جا رہا ہے وہ کس کے حکم سے کرایا جا رہا ہے؟" — سلطان ایوبی نے اُس کا جواب سُنے بغیر کہا — "اگر میں خون کا بدلہ خون سے لوں تو ایک بھی عیسائی زندہ نہ رہے.... آپ کیوں آئی ہیں؟.... یہی شکایت مجھ تک پہنچانے؟"

"نہیں۔" ملکہ سبیلا نے جواب دیا — "میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں.... گائی آف لوزینان آپ کے پاس جنگی قیدی ہے۔ میں اُسے رہا کرانے آئی ہوں۔"

"میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ اُسے کیوں رہا کرانا چاہتی ہیں" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ کس شرط پر میں اُسے رہا کروں؟"

"اگر آپ کا بیٹا یا بھائی قید ہو جائے تو کیا آپ اُسے رہا کرانے کی کوشش نہیں کریں گے؟" — ملکہ سبیلا نے پوچھا۔

"میرے وہ کمانڈر، عہدیدار اور سپاہی جو آپ کے جنگی قیدی ہیں وہ سب میرے بیٹے اور میرے بھائی ہیں" — سلطان ایوبی نے کہا — "اگر میں خود قید ہو گیا تو میں بھی آپ سے رہائی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میرا کوئی بیٹا اور میرا کوئی بھائی میری رہائی کے لیے آپ کے پاس نہیں جائے گا۔"

"صلاح الدین!" ملکہ سبیلا نے کہا۔ "آپ خود بادشاہ ہیں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ ایک بادشاہ کا قید میں پڑے رہنا اُس کی کتنی توہین ہے۔ وہ یروشلم اور گرد و نواح کے دُور دُور کے علاقے کا حکمران تھا۔"

"یروشلم نہیں بیت المقدس" — سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا — "گائی اس خطے کا غاصب تھا۔ کسی غاصب کو ہم بادشاہ نہیں کہا کرتے۔ اگر آپ یہ کہتیں کہ وہ اسلام کا خاتمہ کر کے یہاں صلیب کی حکمرانی قائم کرنے آیا تھا تو میں آپ کی بھی اور اُس کی بھی قدر کرتا۔ میں ہر اُس انسان کی قدر دل و جان سے کرتا ہوں جو اپنے مذہب اور عقیدے کا قدر دان ہوتا ہے۔ اُس کا مذہب چاہے بے بنیاد اور جھوٹے عقیدوں کا ہی مجموعہ کیوں نہ ہو۔ میں نہ اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہوں نہ کسی کی بادشاہی کو تسلیم کرتا ہوں۔ بادشاہی صرف اللہ کی ذات کی ہے اور ہم اُس کی بادشاہی کے محافظ ہیں۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔"

"ہم بھی خدا کی حکمرانی کے لیے کوشاں ہیں" — ملکہ سبیلا نے کہا۔

"اگر آپ اُس خدا کی قائل ہوتیں جس کا میں قائل ہوں تو آپ ایک بادشاہ کی رہائی کی بجائے یہ درخواست لے کر آتیں کہ اس بادشاہ کے سپاہیوں کو رہا کر دو۔" سلطان نے کہا — "آپ کو اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ خطہ ہمارا ہے آپ کا نہیں۔ یہاں صلیبی امن پسند باشندوں کی طرح رہ سکتے ہیں، بادشاہ بن کر نہیں۔ اپنے صلیبی دوستوں کو بتا دیں کہ انسانوں کی قتل و غارت سے باز آجاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔ آپ کا ہر حربہ ناکام ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنی معصوم بیٹیوں کو گناہوں کی تربیت دی اور ان کی عصمتیں داؤ پر لگائیں۔ آپ نے ہمارے مذہبی پیشواؤں کے بہروپ میں اپنے تخریب کار بھیج کر میری قوم کے عقیدوں کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے زر و جواہرات، شراب اور دلکش لڑکیوں کے ذریعے میری قوم میں غداری کا بیج بویا اور خانہ جنگی کرائی۔ آپ نے حشیشین سے مجھے قتل کرانے کی کئی بار کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرائی اور ہماری جنگی طاقت کو تباہ کر دیا.... ہاں ملکہ صلیب! میں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ اس میں کامیاب ہوئیں کہ اسلامی سلطنت

کو ٹکڑوں میں کاٹ دیا اور مسلمان نے مسلمان کا خون بہایا....."

"میرے عزیز سلطان!" ملکہ سبیلا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میں اتنی لمبی اور پیچیدہ بحث کے لیے نہیں آئی۔ میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں کہ گائی آف لوزینیاں کو رہا کر دو۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے بعد میرے پاس نہیں آئیں گی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ میرے اس خیمے سے ہی ہمیشہ کے لیے نہیں چلی جائیں گی بلکہ آپ اس خطے سے جا رہی ہیں۔ پھر آپ کبھی ادھر کا رُخ نہیں کریں گی۔ آپ جب ادھر کا کبھی رُخ کریں گی تو بحیرۂ روم کا پانی آپ کے جہازوں کے لیے اُبلتا ہوا سمندر بن جائے گا۔ میں آپ کو کسی بحث میں اُلجھانا نہیں چاہتا۔ آپ کو ایک پیغام دے رہا ہوں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ پیغام اپنی صلیب کے تمام پجاریوں تک پہنچا دینا....."

"کہاں ہے آپ کی صلیب الصلبوت جس پر آپ سب حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سرزمینِ عرب کو تہہ تیغ کریں گے مسجدِ اقصیٰ اور خانۂ کعبہ کو مسمار کر کے اپنی عبادت گاہیں بنائیں گے؟..... وہ صلیب میرے قبضے میں ہے اور آپ کے عزائم میرے رحم و کرم پر ہیں۔ آپ جسے یروشلم کہتے ہیں وہ پھر بیت المقدس ہے اور ہمیشہ بیت المقدس رہے گا۔"

"آپ کی فوج بہتر اور زیادہ ہے۔" ملکہ سبیلا نے کہا۔ "ہماری فوج کی قیادت ناقص ہے۔"

"حقیقت سے چشم پوشی نہ کرو ملکہ!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ خود فریبی شکست کی علامت ہوتی ہے۔ میری فوج کبھی بھی صلیب کی فوج سے زیادہ نہیں ہوئی۔ کبھی بہتر بھی نہیں ہوئی۔ میری فوج کو کبھی تازہ نفیب نہیں ہوئی۔ میرے سالاروں کو ایسی حسین لڑکیاں کبھی نہیں ملیں جو آپ کے سالاروں کے خیموں میں رہتی ہیں۔ میری فوج کا اسلحہ آپ سے بہتر نہیں۔ البتہ راز کی ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں۔ میری فوج کے پاس صرف ایک قوت ہے جس سے آپ کی فوج محروم ہے۔ اُسے ہم ایمان اور عشقِ رسولؐ کہتے ہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ سچا ہوتا تو آپ کی قوم خدا کو عزیز ہوتی، مگر اُس خدا کو جو وحدہٗ لاشریک ہے، آپ نے ایک بیٹے کا باپ بنا رکھا ہے۔ آپ خدا کو انسان کی سطح پر لے آئے ہیں اور اُس کی حکومت کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بادشاہ کہتے اور کہلاتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں؟" ملکہ سبیلا نے کہا۔

"ملکہ سبیلا!" سلطان ایوبی نے اُس کے لہجے میں طنز کی جھلک دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے خدا نے قرآن کی معرفت مجھے بتایا ہے کہ ہم نے انہیں دماغ دیئے ہیں لیکن وہ سوچتے نہیں، ہم نے انہیں آنکھیں دی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ہم نے انہیں کان دیئے ہیں لیکن وہ سنتے نہیں..... اور خدائے ذوالجلال نے فرمایا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جب سزا دینے پر آتے ہیں تو ان کے دلوں اور دماغوں پر مہر ثبت کر دیتے ہیں..... آپ اسلام قبول نہ کریں۔ میں آپ کو یہ بتا دوں کہ فتح اُسے ملتی ہے جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے۔ میری قوم کے فاتحین کے دل سے جب آپ نے دولت، عورت اور شراب کے ذریعے ایمان نکال دیا تھا تو ہم آپس میں لڑنے اور ایک

دوسرے کا خون بہانے لگے۔ خدا نے ہمیں سزا دی۔ سلطنتِ روم گناہ نہیں کیا کرتی، تاہم یہ گناہ کرتے ہیں مگر سزا پوری قوم کو ملتی ہے۔ قوم گناہ گار نہیں ہوتی، اسے رہزن کیا جاتا ہے....."

"میری اصل قوت یہ ہے کہ میں نے شکست کھائی تو اس کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ میں نے اپنے سالاروں سے بھی یہی کہا کہ غلطی ہے تو ہم سب کی ہے۔ قیمت ہے تو ہم سب کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں شکست ہوئی ہے اور اب قومی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ شکست کو فتح میں بدلو۔ اگر شکست کی ذمہ داری ایک دوسرے پر پھینکتے اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتے رہو گے تو ایک اور شکست سے دوچار ہو گے اور سلطنتِ اسلامیہ جو آج دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے، کل کئی ٹکڑوں میں بٹے گی اور کفار ایک ایک ٹکڑے کو نگل لیں گے..... محترمہ! ہماری خانہ جنگی کا ذمہ دار الملک الصالح تھا یا سیف الدین غازی، آپ تھے یا گشتگین۔ مگر میں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ یہ بھی میری ذمہ داری ہے۔ میں نے ہر حربہ استعمال کیا اور اللہ کے سپاہیوں نے اپنے خون سے سلطنت کے ٹکڑے جوڑ دیئے۔ خون سے جوڑے ہوئے ٹکڑے پھر کبھی الگ نہیں ہوتے۔ ملکہ سبیلا!..... آج دیکھ لیں، وہ وقت یاد کریں جب آپ کی فوجیں مدینہ منورہ تک جا پہنچی تھیں، مگر آج آپ میرے پاس اپنے ایک بادشاہ کی رہائی کی بھیک مانگ رہی ہیں۔ یہ کس عمل کا نتیجہ ہے؟ — صرف اس عمل کا کہ اللہ کی ذات نے مجھ پر جو فرض عائد کیا تھا وہ میں نے جان کی بازی لگا کر ادا کیا اور اللہ نے مجھے انعام سے نوازا۔"

ملکہ سبیلا سلطان ایوبی کی باتیں انہماک سے سن رہی تھی لیکن اُس کے ہونٹوں پر جن میں جوانی، کشش اور حسن ابھی قائم تھا، طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دے رہا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "آپ کی مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ میرے خیمے سے نکل کر آپ میری باتوں کو ذہن سے اس طرح پھینک دیں گی جس طرح آپ کی فوج نے حطین اور بیت المقدس میں ہتھیار پھینکے تھے۔ میں آپ کو یہ باتیں صرف اس لیے سنا رہا ہوں کہ یہ میرے خدا اور میرے رسولؐ کا حکم ہے کہ جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے، ان کی پٹی کھول دو اور انہیں دکھاؤ کہ حق کیا اور باطل کیا ہے..... غور کرو ملکۂ محترمہ! آپ کے خاوند نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے مجھے قتل کرانے کے لیے چار قاتلانہ حملے کرائے۔ ایک بار میں گہری نیند سویا ہوا تھا جب انہوں نے مجھ پر حملہ کیا لیکن ہوا کیا؟ وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار میں اکیلا اُن کے گھیرے میں آ گیا تھا لیکن میں بچ گیا اور وہ مارے گئے..... اور اب آپ اس حقیقت سے کس طرح انکار کر سکتی ہیں کہ آپ کا خاوند جو مجھے فدائیوں سے قتل کرانے کی کوشش کرتا رہا، انہی کے ہاتھوں خود قتل ہوا۔ اُسے کوئی نہ بچا سکا....."

"غور سے سنو ملکہ! حطین کے میدان سے آپ کا خاوند لڑے بغیر بھاگ گیا۔ آپ نے لڑے بغیر طبریہ کا قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ آپ سب نے جس صلیب الصلبوت پر لڑنے اور لڑتے ہوئے مرنے کی قسم کھائی تھی وہ اسی میدانِ جنگ میں آپ کے اسی پادری کے خون میں ڈوب گئی جسے آپ اس صلیب کا محافظِ اعظم کہتے تھے۔ یہ صلیب اب میرے قبضے میں ہے اور آپ میرے پاس التجا لے کر آئی ہیں کہ گائی کو رہا کر دوں۔"

"آپ مجھے یہ باتیں کیوں یاد دلا رہے ہیں؟" ملکہ سبیلا نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس لیے کہ آپ خدا کے ان واضح اشاروں کو سمجھیں۔" سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ "آپ کی آنکھوں پر شہنشاہیت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ آپ کو شہنشاہیت پر بھروسہ ہے اور آپ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کریں گی کہ آپ کو اس پر بھی ناز ہے کہ آپ عورت ہیں اور حسین عورت ہیں۔ میں یہ کہہ کر آپ کو خوش کر سکتا ہوں کہ آپ واقعی حسین ہیں مگر یہ کہہ کر آپ کو مایوس کروں گا کہ میں کوئی فیصلہ آپ کے حسن سے متاثر ہو کر نہیں کروں گا۔ آپ کا یہ نیم عریاں جسم مجھے صراطِ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتا۔"

ملکہ سبیلا ایک عام عورت کی طرح ہنس پڑی اور بولی۔ "مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ پتھر ہیں۔"

سلطان ایوبی نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے لیے میں یقیناً پتھر ہوں مگر میں ایسا موم ہوں جو ایمان کی حرارت سے پگھل جاتا ہے اور اُسے رحم کا جذبہ بھی پگھلا دیتا ہے۔ جسمانی لذت اور آسائش انسان کو نہ اپنے کام کا رہنے دیتی ہے نہ قوم کے کام کا اور اُسے خدا بھی دھتکار دیتا ہے۔"

"میں آپ کے دل میں رحم کا جذبہ ہی بیدار کرنے آئی ہوں۔" ملکہ سبیلا نے کہا۔ "گائی کو رہا کر دیں۔ میں نے سنا ہے کہ جسے مسلمان کے گھر اُس کا دشمن چلا جائے تو وہ اُسے بھی بخش دیتا ہے۔"

اس کے بعد ملکہ سبیلا منت سماجت پر آ گئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ وہ گائی کو اس شرط پر چھوڑ دے گا کہ وہ تحریری عہد کرے کہ میرے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا۔ ملکہ سبیلا نے کہا کہ تحریری عہد نامہ دیا جائے گا اور یہ بھی تحریر کر دیا جائے گا کہ گائی اس عہد سے پھر جائے اور پھر کبھی گرفتار ہو جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ آخر یہی طے ہوا۔ ملکہ سبیلا چلی گئی۔ سلطان ایوبی نے اسی روز گائی آف لوزینان کی رہائی کا حکم نامہ قاصد کو دے کر دمشق روانہ کر دیا۔ تین چار دنوں بعد گائی کو سلطان ایوبی کے پاس لایا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے جس کی معرفت وہ صلیبیوں کے ساتھ بات چیت کیا کرتا اور اُن کی سمجھا کرتا تھا، کہا کہ اسے اس عہد نامے کا ترجمہ اس کی زبان میں سنا دو اور اگر یہ چاہے کہ اس کا ترجمہ اس کی زبان میں بھی تحریر کیا جائے تو کر دو اور اس پر اس کے دستخط کرا لو۔

"اور اُسے یہ بھی کہہ دو کہ میں اُس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اُسے کہہ دو کہ میں جانتا ہوں کہ یہ عہد نامے کی خلاف ورزی کرے گا اور میرے خلاف لڑے گا۔ اُسے کہہ دو کہ میں نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر اُسے رہا نہیں کیا۔ میں اُسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس جیسے گناہگار آدمی کو بھی بخش سکتا ہوں میں اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہوں، کسی سے میں ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا... اور یہ جہاں جانا چاہتا ہے وہاں تک اُسے محافظوں کی حفاظت میں پہنچا دو۔"

گائی آف لوزینان بیت المقدس کا حکمران تھا اور جنگِ حطین میں جنگی قیدی ہوا تھا، عہد نامے پر دستخط کر کے سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ہاتھ بڑھایا۔ گائی نے پُرجوش طریقے سے ہاتھ ملایا اور کہا۔ "ایوبی! تم عظیم ہو۔" اور خیمے سے نکل گیا۔

گائی کی رہائی کو یورپی مؤرخوں نے کھل کر بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ملکہ سبیلا کا نام لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے جیسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر اور گائی کو اپنے جیسا بادشاہ سمجھ کر رہا کیا تھا اور جیسے اُسے عام اور غریب لوگوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے جو صلیبی جنگوں میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا اور اس کی وفات تک اس کے ساتھ رہا، اپنی یادداشتوں میں ایک غریب عیسائی عورت کا واقعہ تحریر کیا ہے۔

یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جب گائی آف لوزینان کی رہائی کے بعد صلیبیوں نے ساحلی شہر عکرہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ (اس محاصرے کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) صلیبی فوج کے کیمپ کے ساتھ ہی اُن عیسائی شہریوں کا کیمپ تھا جو مختلف جگہوں اور بیت المقدس سے نکل کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ محاصرہ دو سال طویل ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ایک تو چھاپہ مار تھے جو محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کے کسی نہ کسی حصے پر شبخون مارتے رہتے تھے۔ دوسرے کچھ غیر فوجی مسلمان تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ انہیں اجازت دی گئی تھی کہ صلیبی فوج کو پریشان کرتے رہیں۔ جیسے کہ عیسائی شہری اپنی فوج کے ساتھ تھے اس لیے وہ فوج کی بہت مدد کرتے تھے۔

مسلمان غیر فوجی گروہ ان عیسائی شہریوں کو بھی پریشان کرتے رہتے تھے۔ رات کو اُن کے کیمپ میں گھس جاتے اور اُن کا سامان اُٹھا لاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک دو عیسائیوں کو اٹھا لاتے اور انہیں جنگی قیدیں دے دیتے۔ عیسائی شہری اپنی فوج سے شکایت کرتے رہتے تھے کہ "سامان چور اور ڈاکو" رات کو آ کر اُن کا سامان چوری کر لیتے ہیں۔ فوج نے پہرے کا انتظام کر دیا۔ اس کے باوجود "چوری چکاری" اور اغوا کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک رات ایک آدمی عیسائیوں کے کیمپ سے تین ماہ عمر کی ایک بچی اٹھا لایا۔ ماں کی یہ ایک ہی بچی تھی اور وہ بھی دودھ پیتی بچی۔ اُس نے واویلا بپا کر دیا۔ وہ صلیبی کمانڈروں کے پاس گئی۔ وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں کے اعلیٰ کمانڈر تک وہ جا پہنچی۔ اُس نے اس عورت کو اجازت دے دی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا کیمپ قریب ہی ہے، اُس کے پاس چلی جاؤ۔ سب کو یقین تھا کہ بچی کو سلمان اٹھا لے گئے ہیں۔

مامتا کی ماری ہوئی ماں پوچھتی بھٹکتی سلطان ایوبی کے کیمپ میں آن پہنچی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ اُس وقت وہ سلطان ایوبی کے پاس کھڑا تھا اور سلطان کہیں جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ایک غریب سی عیسائی عورت روتی آئی ہے اور سلطان سے ملنا چاہتی ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ اُسے فوراً لے آؤ، اُس پر یقیناً ہماری طرف سے زیادتی ہوئی ہو گی۔

عورت جب سلطان ایوبی کے سامنے آئی تو وہ گھوڑے کے قریب زمین پر پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ وہ بار بار ماتھا زمین پر رگڑتی اور روتی تھی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ اٹھو اور بتاؤ کہ تم پر کس نے زیادتی کی ہے؟

"مجھے اپنے فوجی کمانڈروں نے کہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاؤ۔ وہ بہت رحم دل ہے اور فریاد سنے گا۔" عورت نے کہا۔ "آپ کے آدمی میری دودھ پیتی بچی اٹھا لائے ہیں۔"

نامی بہاؤالدین شدّاد لکھتا ہے کہ عورت جس انداز سے روتی تھی اور جو فریادیں کرتی تھی اس سے سلطان ایوبی کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بچی کو اغوا ہوئے چھ سات دن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُتر آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ابھی معلوم کرو کہ بچی کون لایا ہے۔ اُس نے عورت کو کھانا کھلانے کو کہا اور جہاں کہیں وہ جا رہا تھا وہاں نہ گیا۔ وہ مسلمان شہری جو عیسائی کیمپ میں سامان وغیرہ اٹھانے جاتے تھے، فوج کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں سے جو آدمی بچی اٹھا لایا تھا وہ وہاں موجود تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے پاس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ بچی اسی نے اغوا کی تھی اور اُسے وہ فروخت کر آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ اس آدمی کے ساتھ اُس شخص کے پاس جاؤ جس نے اس سے بچی خریدی ہے اور اُس نے جو قیمت دی تھی وہ اُسے دے کر بچی لے آؤ۔

سلطان ایوبی بچی کی واپسی تک اپنے خیمے میں موجود رہا۔ بچی دُور نہیں گئی تھی۔ جلد ہی مل گئی۔ اس کی قیمت واپس کر دی گئی۔ سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں بچی ماں کے ہاتھوں میں دی۔ ماں نے بچی کو فوراً اپنی چھاتیوں کے ساتھ لگا لیا اور ایسی بے تابی سے پیار کیا کہ (شدّاد کے الفاظ میں) ہم سب پر رقّت طاری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے ایک گھوڑی پر رخصت کیا۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ارضِ فلسطین میں صلیبیوں کو ہر مقام پر شکست ہوئی تو صلیبی دنیا میں بھونچال آ گیا۔ اُس وقت تین بادشاہیاں جنگی لحاظ سے بہت طاقتور مانی جاتی تھیں۔ ایک تھی فرانس، دوسری جرمنی اور تیسری انگلستان۔ اُن کے پوپ (پاپائے روم اربانوس ثانی) نے خود ہر ایک کے پاس جا کر انہیں جنگ کے لیے تیار کیا۔ اس کی زبان پر ہر جگہ یہی الفاظ تھے:

"اگر تم صلاح الدین ایوبی کے خلاف نہ اٹھے تو سارے یورپ سے صلیب اُٹھ جائے گی اور ہر جگہ تمہیں اسلامی جھنڈے لہراتے نظر آئیں گے۔ یہ جنگ صلاح الدین ایوبی کی ذاتی جنگ نہیں۔ یہ عیسائیت اور اسلام کی جنگ ہے۔ صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ یروشلم پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ہزارہا عیسائی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہیں۔ وہ مسلمان فوج میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ کیا تم گھر بیٹھے اسلام کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روک سکو گے؟ تم کس طرح برداشت کر رہے ہو کہ وہ صلیب جس پر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائے؟"

پوپ نے اس قسم کی جھوٹی سچی باتیں سنا کر بڑے بڑے صلیبی بادشاہوں کو مشتعل کر دیا۔ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دو لاکھ فوج لے کر سب سے پہلے آ گیا۔ یہ فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُس نے کسی صلیبی بادشاہ کو اپنا اتحادی نہ بنایا۔ اُس نے اپنا پلان بنا رکھا تھا۔ اس کے مطابق اُس نے دمشق پر حملہ کیا۔ اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کے طریقۂ جنگ سے واقف نہیں تھا۔ وہ دو لاکھ نفری کے لشکر کے

بھروسے پر سرزمینِ عرب پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ دمشق پر اُس کے حملے کو دوسری صلیبی جنگ کہتے ہیں جو فریڈرک نے اپنی کثیر افواج کے زعم میں لڑنے کی کوشش کی اور جس میں دمشق کی وہ ایک اینٹ بھی نہ اکھاڑ سکا۔ مسلمان چھاپہ ماروں نے اُس کی رسد پر ایسے دلیرانہ چھاپے مارے کہ اُس کے سینکڑوں گھوڑے اور گھوڑا گاڑیاں اپنے ساتھ لے آئے۔ رسد جہاں کے ہاتھ لگی وہ انہوں نے اپنی فوج کے حوالے کر دیں۔

فریڈرک بُری طرح ناکام ہُوا۔ اُس کے پاس رسد کی کمی ہو گئی اور فوج کا جانی نقصان بھی بہت ہُوا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر دمشق پر از سرِ نو حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن مسلمان چھاپہ ماروں نے اس کی فوج کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ پانی کے ذخیروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی تاریخ ۲۰ جنوری ۱۱۹۱ء (۲۲ ذی الحج ۵۸۶ ہجری) لکھی گئی ہے۔ اس کے ماتم میں جرمنوں نے اپنے کیمپ میں جگہ جگہ لکڑیاں جمع کر کے اس طرح آگ لگائی جیسے ان کا کیمپ جل رہا ہو۔ اِدھر مسلمان سپاہیوں نے وہ رات خوشی سے دف اور نقارے بجاتے اور ناچتے گاتے گزار دی۔

جرمن فوج کی کمان اس کے بیٹے نے سنبھال لی۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہ فرانس فلپس آگسٹس اور شہنشاہِ انگلستان رچرڈ بھی آ رہے ہیں۔ وہ بحری جہازوں سے آ رہے تھے۔ فریڈرک کے بیٹے نے فلسطین کے ساحلی شہر عکرہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو ہدایات دے رکھی تھیں۔ اُن کے مطابق اُس کی فوج پر جوابی حملہ نہ کیا بلکہ اُسے جانے دیا۔ ان سالاروں کو معلوم تھا کہ راستے میں اپنے چھاپہ مار جگہ جگہ موجود ہیں۔ ان چھاپہ ماروں کا انداز یہ تھا کہ دشمن کی فوج کے آخری حصے پر شبخون مارتے اور غائب ہو جاتے۔ یہ زیادہ نفری کے جیش تھے۔ رات کو جرمن پڑاؤ کرتے تو چھاپہ مار آتش گیر سیال کی ہانڈیاں چھوٹی منجنیقوں سے جرمنوں کے کیمپ پر پھینکتے اور اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلاتے جن سے کیمپ میں آگ لگ جاتی۔

جرمن فوج جب عکرہ پہنچی تو اس کی نفری صرف بیس ہزار رہ گئی تھی۔ یہ فوج جب ارضِ مقدس میں داخل ہوئی تھی تو اس کی نفری دو لاکھ تھی۔ اس میں سے کچھ دمشق پر حملے کے دوران تباہ ہوئی، کچھ بیماری، بھوک، اور پیاس کی نذر ہو گئی، کچھ دمشق سے عکرہ تک کوچ کے دوران چھاپہ ماروں کا شکار ہو گئی اور اُن سپاہیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی جو فوج سے بھگوڑے ہو گئے تھے۔ جو بیس ہزار نفری رہ گئی تھی وہ جرمنی طرح بددل ہو چکی تھی۔ اس کے دل سے صلیب کا احترام اور اپنا حلف صاف ہو چکا تھا۔

اُدھر سے شاہ فرانس اور شہنشاہِ انگلستان سمندر کے راستے چلے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ انگلستان کی فوج جو اُس وقت قبرص میں پہنچ چکی تھی، کیسی ہے اور اس کی نفری کتنی ہے۔ اس کی نفری ساٹھ ہزار تھی۔ فرانس کی فوج کی نفری بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ بیس ہزار جرمن فوج تھی۔ صلیبیوں کی کچھ فوج پہلے سے ارضِ مقدس میں موجود تھی۔

سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ گائی آف لوزینان جو یہ عہد نامہ کر کے سلطان ایوبی کی جنگی قید سے رہا ہُوا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا، کاؤنٹ کو نراڈ کے

ساتھ مل کر الگ فوج جمع کر چکا ہے جس میں سات سَو نائٹ (زرہ پوش سردار) ہیں، نَو ہزار فرنگی فوج اور بارہ ولندیزی اور دیگر یورپی انسر اور سپاہی ہیں۔ اس طرح صرف اس فوج کی نفری تقریباً بائیس ہزار ہو گئی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق صلیبی فوج کی مجموعی نفری چھ لاکھ تھی جو اسلحہ اور دیگر جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے اسلامی فوج سے برتر تھی۔

سلطان ایوبی کے ساتھ دس ہزار مملوک تھے۔ یہ اس کی منتخب فوج تھی جس پر اُسے پورا پورا بھروسہ تھا۔ عکرہ نہایت اہم مقام تھا۔ یہ بندرگاہ بھی تھی جسے قدرت نے ایسا بنایا تھا کہ بحریہ کا بہت بڑا اور محفوظ اڈہ بن سکتی تھی۔ عکرہ شہر میں سلطان ایوبی کی فوج کی نفری دس ہزار تھی۔ سلطان ایوبی بیت المقدس سے کمک نہیں لے سکتا تھا کیونکہ یہی وہ شہر تھا جس کی خاطر صلیبیوں نے اتنا زیادہ لشکر اکٹھا کیا تھا۔ اس شہر کے دفاع کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے شہروں اور قلعوں سے بھی فوج کو نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ انگلستان کا بحری بیڑہ بہت طاقت ور اور خوفناک تھا۔ سلطان ایوبی کو اچھی طرح احساس تھا کہ اس کا مصری بحری بیڑہ انگلستان کے بیڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سلطان ایوبی کے لیے یہ اتنا بڑا اور زیادہ خطرناک چیلنج تھا جو اُسے قبول کرنا تھا مگر اس کا مقابلہ مندوش نظر آ رہا تھا۔ اُسے ایک خطرہ اور بھی نظر آ رہا تھا جو یہ تھا کہ اس کی فوج چار سال سے لڑ رہی تھی۔ اس کے چھاپہ مار اتنی لمبی مدت سے جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑ رہے تھے اور وہ وہیں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ کے جسمانی پہلو کو دیکھا جائے تو یہ فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ مذہب کی لگن کے جذبے کے زور پر وہ اس نقیل اور تھکی ہوئی فوج کو چھ لاکھ تازہ دم صلیبی فوج کے خلاف کس طرح لڑا سکتا تھا۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد جو اُس کی مجلسِ مشاورت کا رکن اور اس کا مشیرِ خاص اور ہمراز بھی تھا، لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ہر وقت گہری سوچ میں غرق رہتا اور ذہن میں جنگ کے نقشے بناتا رہتا تھا۔ اُس کی صحت گر رہی تھی اور ایک بار وہ بیمار پڑ گیا۔ چوتھے روز اُٹھ بیٹھا لیکن اس کی صحت میں پہلے والی جان نہیں رہی تھی۔ اُس کی عمر ۵۴ برس ہو گئی تھی۔ وہ نوجوانی میں میدانِ جنگ میں اُترا تھا اور ابھی تک جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں لڑ رہا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کی فتح کی قسم کھائی تھی جو اُس نے پوری کر دی تھی۔ اس کے بعد اُس نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے جیتے جی بیت المقدس سے اسلامی پرچم نہیں اُترنے دے گا۔ یہ تھا وہ عہد جس نے اُسے نیند اور آرام سے محروم کر دیا تھا۔

☆

امریکی تاریخ دان اور محقق، اینتھونی ویسٹ نے ہیرلڈ لیم، لین پُول، گبن اور ارنول جیسے مشہور و معروف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے: "سلطان (ایوبی) مسجدِ اقصیٰ میں جا بیٹھا اور سارا دن خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتا رہا کہ خدا اُسے اس نازک موقعے پر اسلامی فوج کی صحیح عسکری قیادت کی

توفیق عطا فرمائے۔ ایک شخص کے بیان کے مطابق، جس نے اُسے مسجد میں پڑے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شام ہوئی تو وہ مسجد سے نکلا۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔"

یہ صحیح ہے کہ سلطان ایوبی مسجدِ اقصیٰ میں جا کر سجدہ ریز ہوا اور اس نے رو رو کر خدائے ذوالجلال سے مدد اور رہبری مانگی تھی لیکن اُس وقت کے عینی شاہدوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ دن کے وقت نہیں بلکہ رات کے وقت مسجدِ اقصیٰ گیا تھا۔ اس نے ساری رات نوافل، دعا اور وردِ وظیفے میں گزاری اور صبح کی نماز پڑھ کر باہر آیا تھا۔

اُس رات وہ مسجد میں اکیلا نہیں تھا۔ مسجد کے صحن کے ایک کونے میں کوئی آدمی اپنے اوپر کمبل ڈالے بیٹھا تھا۔ وہ کبھی ایک سجدہ کرتا کبھی دو اور دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہاتھ منہ پر پھیرتا، پھر سجدے میں چلا جاتا تھا۔ اُسے نماز پڑھنی نہیں آتی تھی یا وہ کوئی ایسا وِرد یا وظیفہ کر رہا تھا جس میں اسی طرح سجدے اور دُعا کرنی تھی۔ یہ شخص اُس وقت مسجد کے کونے میں آ بیٹھا تھا جس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر آخری نمازی مسجد سے نکل گیا تھا۔ اُس کا چہرہ کمبل میں چھپا ہوا تھا۔

صبح جب مؤذن نے اذان دی تو وہ اُٹھا اور اپنے آپ کو کمبل میں چھپا کر مسجد سے نکل گیا تھا۔ ایک آدمی جو مسجد کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا اُسے دیکھ کر رُک گیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔ کمبل والے نے گھوم کر دیکھا اور قدم تیز کر لیے۔ اُس کے تعاقب میں جانے والا بھی تیز تیز چلنے لگا۔ آگے ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ کمبل والا اُس کے پاس رُکا اور کچھ کہہ کر آگے چلا گیا۔ دوسرا آدمی وہیں کھڑا رہا۔ تعاقب میں جانے والے نے اُس سے پوچھا کہ یہ کون تھا۔

"اوہ! یہ تم ہو۔" اُس آدمی نے کہا۔ "تم اُس کا تعاقب کر رہے ہو؟"

"میں نے اس کے پاؤں دیکھے ہیں"۔۔۔ تعاقب کرنے والے نے کہا۔ "یہ مرد نہیں عورت ہے۔ تمہاری رشتہ دار ہے؟ تم اُسے جانتے ہو؟"

"احتشام دوست!"۔۔۔ اُس آدمی نے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ ہر کسی پر نظر رکھنا تمہارے فرائض میں شامل ہے اور میرا فرض ہے کہ میں تم سے کچھ بھی نہ چھپاؤں، لیکن ایک عورت کا مسجد میں جانا گناہ تو نہیں۔"

"بالکل نہیں"۔۔۔ احتشام نے کہا۔ "مجھے شک اس سے ہوا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کمبل میں کیوں لپیٹ رکھا ہے؟.... سنو العاص! رات کو ہم تین آدمی مسجد کے اردگرد پہرے پر پھرتے رہے ہیں کیونکہ سلطان نے رات مسجد میں گزاری ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ہم بہروپ میں اُن کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے رہے ہیں۔ سلطان کسی کو بتائے بغیر مسجد میں آئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اُن کے باردی محافظوں کے علاوہ بھی کوئی اُن کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہ حسن بن عبداللہ کا انتظام ہے۔ تم خود فوج میں کمانڈر ہو اور مجھے اچھی طرح جانتے ہو اس لیے تمہیں یہ سب کچھ بتا رہا ہوں۔"

"مزید بتاؤ احتشام!" — العاص نے جواب دیا — "بیت المقدس میں اور مسجد اقصیٰ کے اتنی قریب کھڑے ہو کر مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں تمہیں بتا دوں گا کہ یہ کون ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیوں شک کیا ہے؟"

"میں نے رات اُسے صحن کے کونے میں دیکھا" — احتشام نے جواب دیا — "سلطان کی حفاظت کے لیے ضروری تھا کہ اُسے وہاں سے اُٹھا دیا جاتا۔ عشاء کا وقت گزر گیا تھا۔ اس آدمی کو چلے جانا چاہیئے تھا۔ اس وقت سلطان امام منبر کے سامنے عبادت اور وظیفے میں مصروف تھے۔ یہ آدمی جو کمبل میں لپٹا ہوا تھا سلطان پر قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا لیکن کسی کو مسجد سے اٹھایا اور نکالا نہیں جا سکتا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ شخص عجیب طریقے سے عبادت کر رہا تھا۔ سجدے سے اٹھتا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیتا۔ اُس نے باقاعدہ نماز نہیں پڑھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے باری باری اندر آ کر اس طرح اسے دیکھا کہ اُسے پتہ نہ چل سکا کہ اُسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میرے اس ساتھی نے باہر آ کر بتایا کہ اس پر نظر رکھو لیکن اُسے اٹھانا نہیں کیونکہ میں نے اُس کے بالکل پیچھے بیٹھ کر اُس کی سسکیاں سُنی ہیں اور اس کے بعض الفاظ ایسے سُنے ہیں جیسے یہ اپنے گناہوں کی بخشش اور صلیبیوں کی شکست کی دعا کر رہا ہے....

"اس سے مجھے اور زیادہ شک ہُوا۔ وہ اتنا بے خبر نہیں ہو سکتا تھا کہ اُسے یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ اُس کے پیچھے کوئی آ کر بیٹھ گیا ہے۔ ہم کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کیا جائے۔ اس شش و پنج میں رات گزر گئی۔ صبح کی اذان کے ساتھ ہی یہ آدمی مسجد سے نکلا۔ ہم نے باری باری ساری رات اس پر نظر رکھی تھی۔ میں نے مسجد کی روشنی میں دیکھا کہ یہ جب باہر آ رہا تھا تو کمبل میں سے اُس کے پاؤں نظر آ رہے تھے اور میں اس کے ہاتھ بھی دیکھے جو اُس نے فوراً کمبل میں چھپا لیے تھے۔ میں اس کے تعاقب میں چل پڑا۔"

"ہاں میرے دوست!" — العاص نے کہا — "تم نے ٹھیک دیکھا ہے۔ یہ مرد نہیں عورت ہے اور بڑی ہی خوبصورت اور جوان عورت ہے اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ایک گناہگار عورت ہے جو دس سال ہمارے خلاف جاسوسی کرتی رہی ہے۔"

"یہ صلیبی ہے؟"

"صلیبی تھی" — العاص نے جواب دیا — "اب مسلمان ہے۔ میں نے اُسے ایک مسلمان گھر میں رکھا ہُوا ہے۔ اُسے تم مجذوب کہہ سکتے ہو۔ درویشوں کی طرح باتیں کرتی ہے۔"

"اور تم لوگ اس کی باتوں میں آ گئے ہو" — احتشام نے کہا — "تم میدانِ جنگ میں لڑنے والے فوجی اِن عورتوں کی چالبازیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"تو میرے ساتھ آؤ" — العاص نے کہا — "تم اُسے دیکھو، اُس کی باتیں سنو۔ اپنا شک رفع کرو۔ ہمیں بھی کچھ بتاؤ۔ یہ تمہارا فن ہے تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس کی باتوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں نے اُسے پناہ دلوائی ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اور احتشام العاص کے ساتھ چلا گیا۔

☆

وہ ایک بزرگ کا مکان تھا جو مدت سے بیت المقدس میں رہتا تھا۔ احتشام اور العاص اُس کی ڈیوڑھی میں جا بیٹھے۔ یہ بزرگ انسان جو عالم فاضل بھی تھا، نماز کے لیے مسجد میں چلا گیا تھا۔ احتشام نے العاص سے کہا کہ اس عورت کو دیکھنے سے پہلے میں تم سے یہ پوچھوں گا کہ یہ عورت کہاں سے آئی ہے۔ اس کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو، مجھے بتا دو۔"

"یہ پچھلی گرمیوں کا واقعہ ہے" — العاص نے احتشام کو سنایا — "میں عمر کی سرحد سے تھوڑی دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے میں تھا۔ بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ ہماری زندگی ٹیلوں، ٹیکریوں اور صحرا میں گزر رہی تھی۔ اس علاقے میں ہمارا وہ کام نہیں رہ گیا تھا جو ادھر کے چھاپہ مار ابھی تک کر رہے ہیں۔ آخر ہمیں واپسی کا حکم مل گیا۔ مجھے ایک جیش کی کمان دے دی گئی۔ میرے ساتھ سولہ چھاپہ مار تھے۔ ہر ایک جیش اپنے طور پر واپس آ رہا تھا۔ ایک جگہ ٹیلے ستونوں کی طرح کھڑے تھے اور بعض کی شکلیں بڑی ڈراؤنی اور عجیب عجیب سی تھیں۔ میرے ایک چھاپہ مار نے مذاق سے کہا کہ یہ جنات اور چڑیلوں کے محل ہیں، یہاں خوبصورت اور بدکار عورتوں کی بدروحیں بھی ہوں گی۔ ہم یہ سُن کر ہنس پڑے اور ان ٹیلوں میں داخل ہو گئے....

"ہمیں ان ٹیلوں نے کیا ڈرانا تھا۔ ہم نے تو ان ٹیلوں سے زیادہ خوفناک جگہوں میں راتیں گزاریں ہیں۔ ہم اُس جگہ بھی رات کو سوئے ہیں جہاں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ لیکن ان ٹیلوں کے اندر گئے تو ہم ٹھٹھک کر رک گئے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ خوف کیا ہوتا ہے۔ میرا سارا جیش رک کر کلمہ شریف کا وِرد کر رہا تھا۔ سامنے ایک ٹیلے کے سائے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جو مادر زاد برہنہ تھی۔ اس کے سامنے ایک عورت پیٹھ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی برہنہ تھی۔ بیٹھی ہوئی عورت جوان لگتی تھی۔ اس کا چہرہ بادامی رنگ کا تھا۔ ہونٹ ریت کے ڈھیلے کی طرح خشک اور پھٹے ہوئے۔ اُس کا منہ کھلا ہُوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ برہنہ جسم کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس حالت میں بھی پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت خوبصورت ہے....

"یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دونوں انسان ہوتیں۔ یہ راستہ نہیں تھا کہ کوئی قافلہ یہاں سے گزرا ہوتا اور ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا ہوتا اور یہ بچ بچا کر یہاں چھپ گئی ہوتیں۔ میں اپنے سپاہیوں کو ڈرانا نہیں چاہتا تھا مگر میں خود ڈر گیا اور انہیں دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ گناہگار عورتوں کی بھٹکتی ہوئی بدروحیں ہیں۔ میں اس اُمید پر دُور ہی رکا رہا کہ یہ غائب ہو جائیں گی، مگر جو عورت بیٹھی ہوئی تھی بیٹھی رہی اور جو لیٹی ہوئی تھی وہ لیٹی رہی۔ بیٹھی ہوئی عورت پیٹی پیٹی نظروں سے ہمیں دیکھتی رہی۔ میرے ایک ساتھی نے آہستہ سے کہا — 'پیچھے کو لوٹ چلو' — ایک اور نے کہا — 'ہاں.... پیچھے کو چلو لیکن اُن کی طرف پیٹھ نہ کرنا'....

• ہمارا اُن سے فاصلہ پندرہ قدم ہوگا۔ ہم سب نہایت آہستہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹے۔ تب بیٹھی ہوئی عورت نے سر کا اشارہ کیا جیسے ہمیں بلا رہی ہو۔ میں نے ایک قدم اور پیچھے اٹھایا تو اس نے سر سے پھر اشارہ کیا۔ مجھے سان نظر آیا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے واقعی کوئی آواز سنی تھی یا میرے دل میں خیال آیا تھا۔ مجھے اپنے آپ میں آواز سنائی دی ــــ بھاگو مت العاص! دیکھ لو۔ یہ انسان ہی نہ ہوں ــــ اچانک میرا ہاتھ اپنی کمر پر پڑا اور اس ہاتھ سے تلوار نیام سے نکال لی۔ میرے قدم اپنے آپ آگے کو اٹھنے لگے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ مجھے آگے جانے سے روک رہے تھے۔ میری زبان پر آیۃ الکرسی کا ورد تھا....

"میں اس سے تین چار قدم دور رک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھی۔ پھر اُس نے میری طرف قدم اٹھایا۔ اُس کا سر ڈولنے لگا۔ اس نے دوسرا قدم اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ اس طرح گری کہ اس کا سر میرے پاؤں کے قریب آکر اور اس کے بال میرے پاؤں پر بکھر گئے۔ میں برہنہ عورت کو ہاتھ لگانے سے گھبرا رہا تھا۔ وہ برہنہ نہ ہوتی تو بھی میں گھبرایا ہوا تھا۔ لیکن مجھے دیکھنا تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی شر شرار۔ میں بیٹھ گیا اور اس کی نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ جنات اور چڑیلوں کی نبض شاید نہیں ہوتی۔ میں نے اس سے ہٹ کر اس عورت کی نبض پر ہاتھ رکھا جو زندہ تھی۔ اتنی جُھلسا دینے والی گرمی کے باوجود اُس عورت کا جسم نیم معمولی طور پر سرد تھا جیسے رات کو صحرا کی ریت سرد ہو جاتی ہے۔ اس کی نبضوں میں جان نہیں تھی۔ اُس کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ جسم سفید تھا۔ میں نے اس میں موت کی تمام نشانیاں دیکھیں....

"اور وہ جو میرے سامنے گری تھی اس کا جسم گرم تھا۔ یہ بدروحیں یا جنات نہیں ہو سکتی تھیں۔ اللہ نے مجھے عقل اور ذہین عطا فرمائی ہے میں نے اپنے جیش کو بلایا۔ ہمارے پاس پانی کے چھوٹے مشکیزے تھے۔ کھانے کا سامان بھی تھا جو تین ٹٹوؤں پر لدا ہوا تھا۔ میرا جیش پیادہ تھا۔ میں نے کہا کہ فوراً پانی اور دو چادریں لاؤ۔ میرے ساتھی پانی اور چادریں لے آئے۔ سورج ابھی سر پر نہیں آیا تھا۔ وہاں عمودی ٹیلے کا سایہ تھا۔ میں نے بے ہوش عورت پر چادر ڈالی اور اُسے سیدھا کر کے ٹیلے کے دامن میں کر دیا۔ اس کے جسم کو اچھی طرح لپیٹ دیا۔ دوسری چادر نیچے بچھا کر اس پر لٹا دیا اور اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں پانی ٹپکایا جو اس کے حلق میں اترتا چلا گیا....

"مجھے ساتھی نہ کہتے رہے کہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو لیکن مجھ پر اب نہ ڈر کا اثر تھا نہ اپنے ساتھیوں کی باتوں کا اثر۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ اُس کے ہونٹ بند ہوئے اور پھر کھل گئے۔ میں نے اس کے منہ میں اور پانی ٹپکایا، پھر ایک کھجور کی گٹھلی نکال کر کھجور اس کے منہ میں رکھی وہ کھانے لگی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے اُسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔"

☆

العاص احتشام کو سنا رہا تھا۔ "اُسے میں نے کھانے کو دیا جو کچھ ہمارے پاس تھا۔ اُس نے پانی پیا پھر ہم نے اُسے کھانے پینے سے روک دیا کیونکہ اس کا پیٹ بہت دنوں سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا ــــ میں تمہاری زبان سمجھتی اور بولتی ہوں.... یہ مر گئی ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کہ ہم کون ہیں۔ میں نے بتایا کہ ہم اسلامی فوج کے جیالے ہیں۔ بیت المقدس کو جا رہے ہیں۔ اس نے کہا۔ پھر مجھے تم سے رحم کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے ــــ میں نے اسے کہا کہ تم مسلمان معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے کہا ــــ میں جھوٹ نہیں بولوں گی لیکن سچ بولوں گی تو تم پچھتاؤ گے کہ تم نے مجھے مرنے کیوں نہ دیا۔ میں نے اُسے کہا ــــ تم صرف یہ یقین دلا دو کہ تم انسان ہو ــــ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اُس کے جسم میں خون حرکت میں آ رہا تھا....

"اس کی آنکھیں بند ہونے لگی۔ کھانے اور پانی سے اُسے نیند آ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح جھک گئی اور گہری نیند سو گئی۔ ہم نے بہت تگ و دو مسافت کی تھی۔ بہت شب خون مارے تھے۔ ہمارے کئی ساتھی ہمارے سامنے شہید ہوئے تھے۔ مرنا اور مارنا ہمارے لیے بچوں کا کھیل تھا لیکن ایک عورت پر خواہ وہ ہماری دشمن ہی تھی، ہاتھ اٹھانا ہمارے لیے گناہ کبیرہ تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہا کہ سورج سر پر آ رہا ہے۔ جھکے ہوئے ٹیلے دیکھو اور اُن کے سائے میں آرام کرو۔ یہ جاگے گی تو اُسے ساتھ لے جائیں گے....

"تب ایک دو ساتھیوں نے کہا کہ جاسوسی معلوم ہوتی ہے لیکن باقی سب کہہ رہے تھے کہ اس جگہ جاسوس عورتوں کا کیا کام، یہ انسان نہیں۔ میری رائے یہ تھی کہ چونکہ ہمارے چھاپہ مار جیش صلاح الدین اور فلسطین کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ سرگرم تھے اس لیے ان لڑکیوں کو یہاں بھیجا گیا ہوگا کہ ہمیں گمراہ کریں، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک دو دن رہنا ضروری تھا....

"غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے وہ جاگی اور اُٹھ بیٹھی۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانے کو کچھ اور مانگا۔ میں نے اُسے کھانا دیا۔ اب وہ اچھی طرح بول سکتی تھی۔ اُس نے ہری بولی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا ــــ اسے دفن کر دو۔ میرے سپاہی دین دار تھے۔ ایک نے اپنی چادر دے دی۔ لاش کو چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ سپاہیوں نے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا۔"

☆

العاص نے احتشام کو بتایا ــــ "اس عورت نے یہ بتانے کی بجائے کہ وہ کون ہے، وہ دونوں کہاں سے آ رہی تھیں اور کہاں جا رہی تھیں، اس نے پوچھا ــــ تم نے اپنے خدا کو کبھی دیکھا ہے؟ ــــ میں نے جو جواب زبان پر آیا دے دیا۔ اُس نے کہا ــــ میں نے تمہارا خط دیکھ لیا ہے۔ ابھی ابھی اُسے دیکھا ہے۔ تم کہو گے کہ تم نے خواب دیکھا ہے لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں نے تجھے وہ آنکھیں دے دی ہیں جو آنے والے وقت کے اندھیرے میں دیکھ سکیں گی۔ خدا نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ تو نے گناہ کی پھر کبھی سوچی تو تیرے اپنے ہاتھ خنجر سے تیری آنکھیں نکال دیں گے۔ خدا نے مجھے یہ بھی کہا ہے

کہیں تجھے اُس جگہ لے جا رہا ہوں جہاں سے میں نے اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلایا تھا!....

"اُس نے ایسی بہت سی باتیں کیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ صحرا کے سفر اور معجزوں نے اُس کے دماغ پر اتنا اثر کیا ہے کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مثلاً اس نے یہ بھی کہا۔ 'تم نے میرا جسم کیوں ڈھانپ دیا ہے؟ اسے ننگا رہنے دیتے تو کیا ہو جاتا!.... میں اب جسم نہیں صرف روح ہوں۔ روح پاک ہو جائے تو جسم کے گناہ دھل جاتے ہیں'۔ وہ زیادہ تر اسی قسم کی باتیں کرتی رہی۔ ان سے مجھے یقین تو ہو گیا کہ یہ انسان ہے بدروح نہیں اور مجھے اس کے بتانے کے بغیر ہی پتہ چل گیا کہ یہ اُن صلیبی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمارے امیروں وزیروں اور سالاروں کو غدار بنانے اور راز لے کر اپنے ملک کو بھیجنے کے لیے ہماری طرف بھیجی جاتی ہیں لیکن اُس کی اُن باتوں سے مجھے یہ شک ہونے لگا کہ اس کے دماغ پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور یہ اس قسم کی باتیں کر کے مجھے بیوقوف بنا رہی ہے تاکہ میں اُسے وہاں تک حفاظت سے پہنچا دوں جہاں یہ جانا چاہتی ہے....

"میں نے اُسے کہا کہ مجھے صحیح صحیح بتا دو کہ تم دونوں کہاں جا رہی تھیں۔ میں نے اُسے دھمکیاں دیں، پھر یہ بھی ظاہر کیا کہ میں بیوقوف بن چکا ہوں اور وہ مجھے استعمال کر سکتی ہے مگر اُس کے انداز اور اُس کی مجذوبانہ باتوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ سورج غروب ہونے کے بعد میں نے اُسے سامان والے ٹٹو پر بٹھا دیا اور ہم چل پڑے۔ سفر رات کو ہی کرنا ہوتا تھا۔ دن کو صحرا جلنے اور جھلسانے لگتا تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہہ دیا تھا کہ مجھ پر کوئی شک نہ کرنا، اگر اسے تنہا میں لے جاؤں تو اس سے میرا مقصد صرف یہ ہوگا کہ میں اس سے بھید لینے کی کوشش کر رہا ہوں....

"میرا جیش آگے آگے چلتا رہا۔ میں اس عورت کے ٹٹو کے ساتھ بہت پیچھے رہا۔ وہ اب سنبھلتی جا رہی تھی لیکن اس کی باتیں درویشوں کی طرح ہی رہیں۔ آدھی رات کے بعد ہم نے پڑاؤ کیا۔ اسے میں نے سب سے الگ رکھا اور خود بھی اس کے ساتھ رہا۔ میں نے اس سے ایک بار پھر پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ 'جہاں تم لے جاؤ گے'۔ میں نے کہا کہ میں اُسے قید خانے میں لے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ 'قید خانے میں بھی خدا ہوتا ہے'۔ پھر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ میں نے سفلہ پن کا اور حیوانیت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میرے ساتھ سودا بازی کرے گی اور کہے گی کہ میں اسے کسی ایسے شہر میں پہنچا دوں جو صلیبیوں کے قبضے میں ہو۔ لیکن اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اُس نے میری طرف توجہ ہی نہ دی۔ اگلی رات اُس نے بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے....

"اُس نے بتایا کہ وہ ڈیڑھ سال سے قاہرہ رہی ہے۔ وہاں کسی امیر کبیر تاجر کی بیٹی بنی رہی۔ ایک مسلمان حاکم کی دانستہ رہی اور دو حاکموں کو اس کا دشمن بنایا، پھر تینوں کو آپس میں ٹکرایا۔ قاہرہ کے سرکاری کاموں میں گڑبڑ کرائی۔ دو صلیبی جاسوسوں کو قید خانے سے رہا کرایا۔ ایک بڑے خطرناک

جاسوس اور تخریب کار کو جسے سزائے موت دی جانے والی تھی، ان مسلمان حاکموں کی مدد سے فرار کرایا۔ اس نے اور بھی بہت سے کام کیے۔ آخر میں وہ جاسوسی اور سراغرسانی کے استاد اور سربراہ علی بن سفیان کو قتل کرانے کا بندوبست کر رہی تھی....

"اسے جنگِ حطین کے نتیجے کی اطلاع ملی۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں آ گئی ہے اور اس صلیب کا محافظِ اعظم میدانِ جنگ میں مارا گیا ہے۔ اُسے یہ بھی پتہ چلا کہ کچھ صلیبی حکمران مارے گئے اور جنگی قیدی ہو گئے ہیں اور بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان بھی قید ہو گیا ہے۔ یہ خبریں اُس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی طرح پڑتی رہیں، پھر اُسے دو اور خبریں ملیں۔ ایک یہ کہ اس کا پیر استاد ہرمن (جو لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر مسلمان علاقوں میں بھیجا کرتا تھا) قید ہو گیا ہے اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ان خبروں نے اس کا دماغ ہلا ڈالا۔ اسے تربیت دے کر اور تیار کر کے قاہرہ بھیجا گیا تھا اور گناہوں کی تربیت کہیں لڑکپن کے آغاز میں شروع کی گئی تھی۔ اس کے اندر جذبات کی جگہ فریب اور دھوکہ بھر دیا گیا لیکن مذہب کے معاملے میں یہ کوری نہیں تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسے صلیب الصلبوت اور یسوع مسیح کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اسے تربیت کے بعد آخری اشیرباد عکرہ کے بڑے گرجے میں صلیب الصلبوت کے پادری نے دی تھی جسے محافظِ اعظم کہتے تھے....

"اُس نے اُسے بتایا تھا کہ صلیب کی حکمرانی ناقابلِ تسخیر ہے اور اس کا مرکز یروشلم ہے جس کے قریب حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسلام کوئی مذہب نہیں اور مسلمانوں کو عیسائیت میں لانا یا انہیں قتل کرنا ثواب کا کام ہے اور یہ کہ جو لڑکیاں صلیب کے نام پر عصمتیں قربان کر رہی ہیں انہیں اگلے جہان بہشت کی حوریں بنایا جائے گا۔ ایسی ہی کچھ اور باتیں تھیں جو اُس کے ذہن اور دل پر نقش کر کے عقیدہ بنا دی گئیں اور وہ گناہوں کو نیکی سمجھتی رہی۔ فریب کاری اور دھوکہ دہی کو کارِ ثواب سمجھتی رہی....

"اُسے جب پتہ چلا کہ صلیب الصلبوت بھی نہیں رہی۔ اس کا محافظِ اعظم پادری بھی نہیں رہا اور یسوع مسیح کی حکمرانی کا مرکز یروشلم بھی نہیں رہا تو اس کے عقیدے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ قاہرہ میں جو اس کے مرد ساتھی یعنی صلیبی جاسوس تھے وہ وہاں سے بھاگنے لگے تھے، پھر ایک روز وہ اپنے کسی ساتھی کی تلاش میں نکلی تو پتہ چلا کہ وہ غائب ہے۔ اُسے ایک اور ساتھی ملا۔ اُس نے اُسے کہا کہ ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ مسلمان ہو کر کسی سے شادی کر لو یا یہاں سے بھاگ جاؤ....

"اب تو اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ اُس نے اپنی اس سہیلی کو ساتھ لیا۔ اپنے چاہنے والے ایک مسلمان حاکم سے دو گھوڑے شوقیہ سواری اور سیر سپاٹے کے لیے اور دونوں شام کے وقت نکلیں۔ لنجیرا گہرا ہوا تو شہر سے نکل آئیں۔ انہوں نے کھانے اور پانی کا کچھ انتظام کر رکھا تھا مگر انہیں صحرا کے سفر کی

ذرا سی بھی سوجھ بوجھ نہیں تھی، نہ انہیں اپنی منزل کا کچھ پتہ تھا۔ انہیں امید تھی کہ راستے میں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ مل جائے گا۔ اُن کی بدقسمتی اور بہت بڑی حماقت تھی کہ راستے کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے ہوئے چل پڑیں....

رات تو گزر گئی۔ انہوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑائے تھے۔ دوسرے دن جب سورج اوپر آکر صحرا کو جلانے لگا تو گھوڑے تھکن اور پیاس سے بے حال ہونے لگے۔ ان لڑکیوں کا اپنا حال بہت بُرا ہونے لگا۔ انہیں صحرا میں پانی اور سبزہ زار کے سراب نظر آنے لگے اور وہ ان کے پیچھے گھوڑے دوڑانے لگیں۔ اس روز تو گھوڑوں نے کچھ ساتھ دیا مگر دوسرے دن بھی انہیں کچھ کھانے کو اور پانی نہ ملا تو دونوں گھوڑے پہلے رُکے، پھر گرے اور پھر کبھی نہ اُٹھے....

"اُس کے بعد جو اِن دونوں کا سفر شروع ہُوا اُسے احتشام دوست! تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ظالم صحرا اس قسم کے مسافروں کو کس انجام تک پہنچایا کرتا ہے۔ اس لڑکی نے اپنی زبان سے مجھے بتایا کہ میں نے جو دھوکے لوگوں کو دیئے تھے اس سے زیادہ ظالمانہ دھوکے مجھے صحرا نے دیئے۔ میں نے صحرا میں ندیاں بہتی دیکھیں۔ اُن کے قریب گئی تو وہ دُور ہٹتی گئیں۔ ہم دونوں اُن کے پیچھے بھاگتی رہیں۔ میں نے نخلستان دیکھے، گلستان دیکھے اور میں نے صحرا میں بحری جہاز اور بادبانی کشتیاں تیرتی دیکھیں۔ ہم ہاتھ اوپر کرکے ہلاتی، چلاتی اور ان کے پیچھے دوڑتی رہیں۔ بعض جگہوں پر ہمیں پانی مل بھی گیا۔ ہم نے ایسی ہر جگہ کئی کئی دن گزارے....

"لڑکی نے مجھے بتایا کہ صحرا میں اُس کا وہ وجود مر گیا جس نے قاہرہ کے حاکموں پر جادو کر رکھا تھا۔ اُسے ہمارے خدا کا خیال آگیا اور اُس کے اندر یہ احساس کانٹے کی طرح چبھنے لگا کہ صلیب الصلبوت کے محافظِ اعظم نے اُسے دھوکہ دیا ہے اور اب وہ دوسروں کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ اس پر یہ حقیقت کُھلی کہ اپنی عصمت پیش کرکے کسی کو دھوکہ دینا ثواب کا کام نہیں ہو سکتا۔ اُسے یہ خیال بھی آگیا کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کو اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ ایک روز صحرا میں اُسے یہ احساس بھی ہُوا جیسے وہ اور اُس کی سہیلی مر چکی ہیں اور وہ دوزخ میں پھینک دی گئی ہیں یا وہ بدروحیں بن چکی ہیں اور دوزخ کی طرح جلتے ہوئے میدان میں بھٹک رہی ہیں....

"ایک رات اُس نے اپنی سہیلی سے کہا کہ وہ اپنے عقیدے سے دل برداشتہ ہو گئی ہے اور اب وہ مسلمانوں کے خدا کو پکارے گی۔ دونوں کے ہونٹ اور زبانیں لکڑی کی طرح ہو گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے بات کرتی تھیں۔ اس کی سہیلی نے بہت بُرا منایا کہ وہ اپنے عقیدے سے منحرف ہو رہی ہے اور اپنے دشمن کے عقیدے کو اپنانا چاہتی ہے۔ اِس نے اُس کی نہ سنی۔ اس کی جب سہیلی سو گئی تو یہ اُس سے کچھ دُور چلی گئی۔ اس نے سجدے کیے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر خدا کو پکارتی اور گناہوں کی بخشش مانگتی رہی۔ وہ ساری رات روتی رہی۔ سجدے کے سوا عبادت کا اُسے کوئی اور طریقہ نہیں آتا تھا۔

"اسی رات اس کے دماغ پر اثر ہو گیا یا واقعی خدا نے اُسے کوئی اشارہ دیا۔ یہ کہتی ہے کہ اُسے اپنے سامنے دھوئیں کی طرح ایک بارعش انسان کھڑا نظر آیا۔ اس نے کہا: 'اگر تو نے دل سے توبہ کی ہے تو اس ریگستان میں جہاں سے انسانوں کا گزر نہیں ہُوا کرتا، وہ انسان آئیں گے جن کے خدا کو تو نے پکارا ہے۔ تُو یہاں سے زندہ نکل جائے گی'۔ اسے یاد نہیں کہ اس سے کتنی مدت بعد میں اپنے جیش کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ اُسے زندہ دیکھا اور اس کی سہیلی مر چکی تھی....

"تم جانتے ہو کہ یہ برہنہ کیوں تھیں۔ صحرا کا بھٹکا ہوا مسافر جب چلنے لگتا ہے تو پہلے اپنا سامان پھینکتا ہے، پھر اپنے جسم سے ایک ایک کپڑا اتارتا اور پھینکتا جاتا ہے۔ یہ کام وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کرتا اور چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ کہیں گر پڑتا ہے۔ اس لڑکی کو یاد نہیں کہ اُس نے اور اس کی سہیلی نے کپڑے کب اور کہاں اتار پھینکے تھے....

"ہم دس بارہ روز بعد بیت المقدس پہنچے۔ اس کی صحت بحال ہو گئی تھی۔ اس کی خوبصورتی نکھر آئی تھی لیکن یہ باتیں مجذوبوں کی طرح کرتی رہی۔ اگر یہ ایسی باتیں تمہارے ساتھ کرتی تو تم بھی اس سے متاثر ہو جاتے۔ اُس نے بار بار کہا: 'بیت المقدس پر اب صلیبیوں کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ خدا انہیں راستے میں غرق کرے گا'۔ وہ اسی طرح کی پیشین گوئیاں کرتی رہی۔ رات کو اس کی عبادت شروع ہوتی تھی۔ طریقہ یہی تھا کہ سجدے کرتی، روتی اور دعا مانگتی تھی....

"اب یہ حسن کے گھر رہتی ہے انہیں میں بہت عرصے سے جانتا تھا۔ یہ عالم فاضل بزرگ ہیں۔ میں اُن کا معتقد ہوں۔ میں نے اُسے ان کے حوالے کر دیا۔"

☆

العاص یہ باتیں سنا رہا تھا اور یہ بزرگ نماز پڑھ کر آگیا۔ اس نے احتشام سے کہا: "یہ ضروری نہیں کہ خدا سے یہ فضیلت اُسی کو عطا ہوتی ہے جس کے پاس علم و فضل ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کس وقت کیسی فریاد اس کے سینے سے نکلی جو خدا نے سُن لی اور اس لڑکی کو یہ مقام عطا کر دیا۔ یہ مجذوب ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ پاگل نہیں اور یہ دھوکہ بھی نہیں دے رہی۔ اُس نے اپنی خواہش پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے اُسے نماز پڑھانے اور سکھانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس کی عبادت کا اپنا ہی طریقہ ہے۔ خدا اور رسول اللہ صلعم کو مانتی ہے اور جب بولتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اُسے غیب سے کوئی اشارہ ملا ہے۔"

"یہ مسجد اقصیٰ میں جاتی رہتی ہے؟" احتشام نے پوچھا۔

"نہیں۔" بزرگ نے کہا۔ "رات کو پہلی بار مسجد میں گئی ہے۔ العاص صبح آیا تو میں نے اُسے بتایا کہ وہ مسجد میں چلی گئی ہے۔ العاص اس کے پیچھے چلا گیا اور وہ اُسے شاید راستے میں مل گئی۔"

"یہیں سے شک پیدا ہوتا ہے کہ یہ اُسی رات کیوں مسجد میں گئی جس رات سلطان مسجد میں موجود تھے؟"

"میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔" بزرگ نے کہا۔

احتشام نے کہا کہ میرا فرض ہے کہ میں لڑکی کو حسن بن عبداللہ کے پاس لے جاؤں۔ یہ اُس کی مرضی ہے کہ اُسے آپ کے حوالے کردے یا سلطان کے پاس لے جائے۔

لڑکی کو جب بتایا گیا کہ اُسے احتشام کے ساتھ جانا پڑے گا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ العاص بھی ساتھ گیا۔ حسن بن عبداللہ نے اس کی کہانی العاص اور احتشام سے سُن کر لڑکی سے کچھ باتیں پوچھیں تو اس نے یہی جواب دیا۔ "اب تو سمندر سے آئے ہوئے بیڑے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ مجھ سے کیوں ڈرتے ہو.... مجھے اپنے سلطان کے پاس لے چلو۔ اُس نے رات کو جو دعا کی تھی وہ خدا نے قبول کرلی ہے۔"

بہت کوشش کے باوجود اُس نے کچھ نہ بتایا تو اس کے متعلق سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی۔ سلطان کو اسی روز عکرہ جانا تھا۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کو لے آؤ.... لڑکی سلطان ایوبی کے سامنے گئی تو دوزانو ہو کر سلطان کا دایاں ہاتھ چوما، پھر اُٹھی اور سلطان ایوبی کی آنکھوں میں قریب ہو کر دیکھا۔ اُس نے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ان آنکھوں سے رات سجدے میں آنسو گر رہے تھے۔ مجھے تمہارے دشمن کے جہاز ان آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں۔ بیت المقدس کی دیواروں تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا.... خون کا سمندر بہہ جائے گا.... وہ راستے میں مرجائیں گے.... وہ تباہ ہو رہے ہیں۔ آنسو جو خدا کے حضور سجدے میں بہتے ہیں انہیں فرشتے موتی سمجھ کر اٹھا لیتے ہیں۔ خدا ان موتیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ نیت صاف ہو تو راستے صاف ملتے ہیں۔"

بہت کوشش کی گئی کہ لڑکی کو اُس کے اصلی روپ میں لایا جائے، لیکن وہ ایسی باتیں کرتی رہی جیسے اُسے آنے والا وقت نظر آرہا ہو۔ اُسے آخر مجذوب سمجھ کر اسی بزرگ کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے ہدایت دی گئی کہ وہ اس پر نظر رکھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ میں خدا کے حضور جو آنسو بہائے تھے وہ فرشتوں نے موتی سمجھ کر اٹھا لیے۔ سب سے پہلے اُسے یہ اطلاع ملی کہ جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک مر گیا ہے۔ اس سے چند دن بعد ایک صلیبی حکمران کاؤنٹ ہنری کے مرنے کی اطلاع ملی۔ یہ بھی صلیبی فوج کا ایک اتحادی تھا اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے آیا تھا۔ ناصر صلاح الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ کاؤنٹ ہنری کی موت کو صلیبیوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سلطان ایوبی کے بحری چھاپہ ماروں نے صلیبیوں کی دو جنگی کشتیاں پکڑیں جو فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور سے گزر رہی تھیں۔ ان میں پچاس صلیبی بحری سپاہی تھے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

اس سے اگلے ہی روز صلیبیوں کی ایک بڑی کشتی پکڑی گئی۔ اس میں ایک کوٹ تھا جس پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ یہ کسی شاہ کا کوٹ ہو سکتا تھا۔ صلیبی قیدیوں نے بتایا کہ یہ کاؤنٹ ہنری کا کوٹ ہے اور وہ مر گیا ہے۔ اس کشتی میں ایک قیدی اور بھی تھا جو بحری کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے متعلق انکشاف ہوا کہ کاؤنٹ ہنری کا نجا سنجا ہے۔ ان سب کو جنگی قیدیوں میں داخل دفاتر کیا گیا۔

کاؤنٹ ہنری کی موت کے متعلق تین مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دریا میں ڈوب گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ کہتے ہیں کہ صرف ایک گز گہرے پانی میں گرا اور مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ دریا میں نہانے اُترا تو بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی جس کے متعلق سب سے زیادہ سنجیدہ بلکہ متفکر تھا وہ انگلستان کا جنگجو بادشاہ رچرڈ تھا جو بلیک پرنس (سیاہ شہزادہ) کے نام سے مشہور تھا اور اسے "شیر دل رچرڈ" بھی کہا جاتا تھا۔ وہ جنگ کا ماہر تھا۔ ذاتی طور پر بہت دلیر اور اسے قدرت نے یہ وصف عطا کیا تھا کہ اس کا قد لمبا اور بازو بھی لمبے تھے۔ اس سے اُسے یہ فائدہ حاصل تھا کہ اس کی تلوار دشمن تک پہنچ جاتی تھی مگر دشمن کی تلوار اس تک مشکل سے ہی پہنچتی تھی۔ صلیبی دنیا میں سب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی جنگی قوت بھی زیادہ تھی اور اُس کی بحری جنگی قوت اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ سلطان ایوبی کو یہی خطرہ نظر آرہا تھا۔

آپ نے اس سلسلے کی کہانیوں میں سلطان ایوبی کے ایک امیر البحر حسام الدین لولوہ کا نام پڑھا ہوگا۔ رئیس البحرین عبدالمحسن تھا۔ سلطان ایوبی کو جب یہ اطلاع ملی کہ رچرڈ اپنے بحری بیڑے کے ساتھ آرہا ہے تو اس نے المحسن کو یہ حکم بھیجا کہ وہ رچرڈ کے بیڑے کے سامنے نہ آئے اور اپنے جہاز بکھیر کر رکھے۔ حسام الدین لولوہ کو اُس نے چند ایک جہازوں اور جنگی کشتیوں کے ساتھ عسقلان بلا لیا تھا اور اُسے کہا تھا کہ دشمن کے جہازوں پر نظر رکھے لیکن آمنے سامنے کی ٹکر نہ لے۔ اس کی بجائے بحری چھاپہ ماروں کو دشمن کے اکیلے دکیلے جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کرے۔

سلطان ایوبی نے دیکھ لیا تھا کہ سمندر میں بھی اُسے چھاپہ مار جنگ لڑنی پڑے گی۔ یہ وہ دن تھے جو سلطان ایوبی کے لیے بڑے ہی اذیت ناک تھے۔ وہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی مجلسِ مشاورت میں کہا کہ ہمیں ایک ساحلی شہر قربان کرنا پڑے گا اور وہ عکرہ ہی ہو سکتا ہے۔ میں دشمن کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہے عکرہ میں ہے اور اگر عکرہ لے لیا گیا تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی پھر بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا آسان ہو جائے گا۔ سلطان ایوبی نے مجلسِ مشاورت کو بتایا کہ وہ دشمن کو عکرہ میں لانے میں کامیاب ہو گیا تو دشمن عکرہ کی دیواروں کے ساتھ ہی سر پٹختا رہے گا۔ مجلسِ مشاورت نے اسے اجازت دے دی کہ جس طرح وہ مناسب اور سود مند سمجھتا ہے کرے۔

☆

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیت المقدس اور ارضِ مقدس کو سلطان ایوبی کے وہ آنسو ہی بچا سکتے تھے جو اُس نے مسجدِ اقصیٰ میں بہائے تھے اور وہ دعائیں بچا سکتی تھیں

رات مسجد اقصیٰ میں سجدے میں گر کر مانگی تھیں ۔ دعائیں اس لڑکی نے بھی مسجد اقصیٰ میں ہی مانگی تھیں جس سے سلطان ایوبی کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا ۔ "تمہارے دشمن کے جہاز تمہارے آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں!"

یہ تو کوئی مؤرخ نہیں بتا سکتا کہ اس رات سلطان ایوبی نے خدائے ذوالجلال سے کیا کیا باتیں کی تھیں؛ البتہ یہ حقیقت ہر مورخ نے بیان کی ہے کہ رچرڈ کا وہ بحری بیڑہ جس سے ایوبی جیسا مردِ خدا بھی خوفزدہ تھا؛ انگلستان سے روانہ ہوا تو بحیرۂ روم میں داخل ہوتے ہی ایک خوفناک طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ تمام جہاز بکھر گئے ۔ ایک اندازے کے مطابق اس بیڑے میں پانچ سو بیس چھوٹے جہاز تھے۔ ان میں چند ایک بڑے جنگی جہاز تھے۔ یہ سب فوج، گھوڑوں، رسد اور ساز و سامان سے بھرے ہوئے تھے۔

طوفان میں بیڑہ ایسا بکھرا کہ رچرڈ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ طوفان کے بعد جب کئی دنوں کی تگ و دو سے بیڑہ یکجا کیا گیا تو پتہ چلا کہ پچیس بڑے جہاز غرق ہو گئے ہیں اور دو بہت بڑے بار بردار جہاز بھی ڈوب گئے ہیں۔ ان میں بے اندازہ اسلحہ اور دیگر سامان تھا۔ رچرڈ کو جو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا وہ ایک خطیر رقم تھی جو وہ اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ یہ بے بہا خزانہ تھا جو بحیرۂ روم کی تہہ میں چلا گیا۔

رچرڈ قبرص کے جزیرے میں لنگر انداز ہوا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے بیڑے کے تین چار جہازوں کو طوفان نے قبرص کے ساحل پر پہنچا دیا ہے۔ ان میں سے ایک میں اس کی نوجوان بہن جوآنا بھی تھی اور اس کی منگیتر بیرنگاریا بھی۔ ان دونوں کے متعلق اس نے سمجھ لیا تھا کہ ڈوب مری ہیں لیکن وہ زندہ سلامت تھیں۔ البتہ قبرص کے بادشاہ آئزک نے رچرڈ کے لیے یہ مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے ساحل کے ساتھ آنے والے ان تین جہازوں سے سامان نکلوا کر اپنے قبضے میں لے لیا اور تمام آدمیوں کو رچرڈ کی بہن اور منگیتر سمیت قید میں ڈال دیا تھا۔ رچرڈ کو آئزک کے خلاف جنگ لڑنی پڑی۔ آئزک کو شکست دے کر اُسے ایک خیمے میں قید کیا مگر آئزک رات کو اس طرف سے خیمہ پھاڑ کر جدھر کوئی پہرہ دار نہیں تھا، فرار ہو گیا۔ رچرڈ پندرہ بیس روز اُسے جزیرے میں ڈھونڈتا پھرا۔ آخر وہ اُسے مل گیا۔ رچرڈ نے اس کا گھوڑا لے لیا۔ یہ غیر معمولی طور پر تیز رفتار گھوڑا تھا۔ رچرڈ ارضِ مقدس میں لڑنے آیا تو یہی گھوڑا اس کے پاس تھا۔

☆

رچرڈ جب ارضِ مقدس کے ساحل کے قریب آیا اس وقت اس کے اتحادی صلیبی عکرہ کو محاصرے میں لے چکے تھے۔ سب سے پہلے جس کی فوج نے محاصرہ کیا وہ گائی آف لوزینان تھا جسے ملکہ سبیلا نے اس عہدے پر رہا کرایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے خلاف نہیں لڑے گا۔ اس کے ساتھ فرانس کے بادشاہ فلپس آگسٹس کی فوج آن ملی اور محاصرہ مستحکم ہو گیا۔ شہر کے اندر مسلمان فوجوں کی تعداد دس ہزار تھی اور رسد کم و بیش ایک سال کے لیے کافی تھی ۔ محاصرہ ۱۲ اگست ۱۱۸۹ء کے روز شروع ہوا۔

عکرہ کے شہر کے فعل وقوع کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے ایک طرف نامشکل کی دیوار تھی اور تین اطراف کو سمندر تھا۔ سمندر میں صلیبیوں کا بحری بیڑہ موجود تھا۔ جہاز بکھیر کر کھڑے کیے گئے تھے۔ دیوار سے دور صلیبی فوج نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اس طرح خشکی کے تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی شہر کے اندر نہیں باہر تھا۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے اور اپنی نقل و حرکت کی جھلک دکھا کر دشمن کو عکرہ میں گھسیٹ لیا تھا۔ صلیبیوں نے جب اس شہر کا محاصرہ کیا اس وقت انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر میں ہے مگر جب انہوں نے تمام فوج محاصرے میں لگا دی تو اس کے ایک حصے پر عقب سے حملہ ہوا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ سلطان ایوبی باہر ہے اور اُس نے اس صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا ہے جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

سلطان ایوبی کی یہ دشواری تھی کہ اس کے پاس فوج کی کمی تھی۔ تاہم اُسے توقع تھی کہ وہ محاصرہ توڑ لے گا لیکن وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ محاصرہ زیادہ مدت تک رہے تاکہ صلیبیوں کی طاقت یہیں پر ضرب ہوتی رہے۔ ۴ اکتوبر ۱۱۹۰ء کے روز صلیبیوں پر زبردست حملہ کیا۔ صلیبی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ بڑی ہی خونریز جنگ ہوئی، جس میں نو ہزار صلیبی مارے گئے لیکن ان کے پاس چھ لاکھ کا لشکر تھا۔ نو ہزار کے مر جانے سے کوئی فرق نہ پڑا۔ انہوں نے شہر کو فتح کرنے پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی لیکن ان کی فوج دیوار کے قریب جانے سے ڈرتی تھی کیونکہ دیوار کے اوپر سے مسلمان ان پر تیروں کے علاوہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکتے تھے۔

صلیبیوں نے دیوار کے قریب پہنچنے، شہر کے اندر پتھر اور آگ برسانے اور دیوار پھلانگنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ بہت اونچے دبابے (برج) تیار کیے جو لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے لکڑی کے پہیے لگائے گئے اور یہ برج اتنے بڑے تھے کہ ان میں کئی سو سپاہی سما جاتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پھینکے ہوئے آتشیں سیال اور آگ سے بچانے کے لیے ان کے فریموں پر تانبا چڑھا دیا گیا تھا۔ یہ برج جب دیوار کے قریب لے جائے گئے تو دیوار سے مسلمانوں نے ان پر آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکنی شروع کر دیں۔ سیال برجوں پر بھی پھیلا اور ان کے اندر جو سپاہی کھڑے تھے ان پر بھی پڑا۔ جب چند ہانڈیاں پھینکنے کے بعد برج بھیگ گئے تو صرف ایک ایک جلتی ہوئی لکڑی آئی۔ ہر برج سے ایک لکڑی ٹکرائی اور برج مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ ان میں سے ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہا۔

دیوار کے باہر ایک خندق تھی جسے پار کرنا صلیبیوں کے لیے مشکل تھا۔ انہوں نے اس خندق کو مٹی سے بھرنا شروع کر دیا لیکن شہر کے اندر کی فوج اس قدر دلیر تھی کہ اس کے جیش باہر آکر صلیبیوں پر حملہ کرتے اور واپس چلے جاتے۔ صلیبیوں نے خندق کو بھرنے کے لیے یہاں تک کیا کہ اس میں اپنے مرے ہوئے سپاہیوں کی لاشیں پھینک دیں، پھر اُن کے جتنے سپاہی مرتے، ان سب کی لاشیں خندق میں پھینک دیتے عقب سے اُن پر سلطان ایوبی نے وسیع پیمانے کے شبخونوں کے انداز کے حملے کیے مگر صلیبیوں کا محاصرہ ٹوٹنے کی بجائے مستحکم ہوتا گیا۔

شہر والوں کے ساتھ سلطان ایوبی نے پیامبر کبوتروں کے ذریعے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ ایک آدمی جس کا نام عیسیٰ العوام تھا چمڑے میں پیغام باندھ کر کمر کے ساتھ باندھ لیتا اور سمندر میں اتر جاتا۔ وہ رات کو یہ کام کرتا تھا۔ وہ دشمن کے سنگر انداز جہازوں کے نیچے سے گزر آیا کرتا تھا۔ وہ پیغام لاتا اور لے جاتا تھا۔ ایک رات وہ اسی طرح آیا۔ اُسے شہر میں لے جانے کے لیے سونے کے ایک ہزار سکّوں سے بھری ہوئی تھیلی اور تحریری پیغامات دیئے گئے۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد لکھتا ہے ــــ "وہ جب خیریت سے شہر میں داخل ہو جایا کرتا تھا تو ایک کبوتر اڑا دیتا تھا جو ہمارے پاس آجاتا تھا۔ اس سے ہم سمجھ لیتے تھے کہ عیسیٰ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ ہم اس کے کبوتر کو واپس اڑا دیتے تھے۔ جس رات وہ ایک ہزار سونے کے سکّے لے کر گیا، اس سے اگلے دن اس کا کبوتر نہ آیا۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ کئی روز بعد شہر سے اطلاع ملی کہ عیسےٰ کی لاش عکرہ کے ساحل کے ساتھ تیرتی ہوئی ملی تھی۔ سونے کے سکّے اس کے جسم کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ لاش کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ سونے کے وزن سے تیر نہ سکا اور ڈوب گیا۔"

عکرہ کا حاکم میر فراقوش تھا اور سپہ سالار علی ابن احمد المشطوب تھا۔ وہ بار بار سلطان ایوبی کو یہی پیغام بھیجتے تھے کہ وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے لیکن باہر سے صلیبیوں پر حملے جاری رکھے جائیں اور کسی نہ کسی طرح شہر میں فوج، اسلحہ اور رسد پہنچائی جائے۔

یہی سلطان ایوبی کے سامنے ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ شہر تک مدد کس طرح پہنچائے۔ اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ بخار سے اس کا جسم جل رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ شب بیداری، دوسری وجہ اعصاب پر بوجھ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ وہاں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گلی سڑی لاشوں کی اتنی زیادہ بدبو تھی کہ وہاں ٹھہرا نہیں جا سکتا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی بیماری میں اضافہ کیا۔ تین چار روز تو وہ اُٹھ بھی نہ سکا۔ اُسے عکرہ ہاتھ سے جاتا نظر آرہا تھا۔

☆

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمے میں بیمار پڑا تھا۔ اُس سے تھوڑی ہی دُور عکرہ کے باہر اُس کے جانباز دستے اس صلیبی لشکر پر حملے کر رہے تھے جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ فلسطین کی تاریخ میں سب سے زیادہ خونریز معرکے لڑے جا رہے تھے مگر محاصرہ ٹوٹتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ شہر کے اندر سلطان ایوبی کی محصور فوج کی نفری دس ہزار تھی اور محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی صلیبیوں کے عقب میں یعنی شہر سے باہر تھا۔ اُس کے پاس دس ہزار مملوک تھے جن پر اُسے بہت بھروسہ تھا۔ مملوک عقب سے صلیبیوں پر بڑے ہی جانبازانہ حملے کرتے تھے مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہونے کے علاوہ محاصرہ نہ ٹوٹ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ صلیبیوں نے عکرہ کے ارد گرد مورچے کھود لیے تھے۔ جو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے خطرناک تھے۔ سوار جب حملہ کرتے تو گھوڑے مورچوں میں گر پڑتے تھے۔

عکرہ کے باہر میلوں وسعت میدانِ جنگ بنی ہوئی تھی۔ لاشوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ عکرہ کی دیوار کے باہر دیوار جتنی لمبی اور اتنی چوڑی خندق تھی جسے عبور کرنا مشکل تھا۔ صلیبیوں نے اس خندق کے ایک حصے میں اپنے مرے ہوئے فوجیوں کی لاشیں اور مرے ہوئے گھوڑے پھینکنے شروع کر دیئے تھے تاکہ یہاں سے خندق بھر جائے اور خندق سے گزر کر دیوار تک پہنچا جائے۔ جنگ کا شور و غل اتنا زیادہ تھا کہ فضا میں سوائے گدھوں کے کوئی اور پرندہ نظر نہیں آتا تھا۔ گدھ کہیں اُترتے، لاشوں کو کھاتے اور اُڑ جاتے تھے۔

اِن گدھوں کے درمیان تقریباً ہر روز ایک کبوتر عکرہ سے اڑتا اور سلطان ایوبی کے کیمپ میں جا اترتا تھا اور بہت دیر بعد کیمپ سے اُڑ کر عکرہ کو واپس چلا جاتا تھا۔ محاصرے اور خونریز معرکوں کے دوران ایک روز یہ کبوتر عکرہ سے اڑا۔ انگلینڈ کا بادشاہ رچرڈ اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ اُس کی ساتھ اس کی بہن جوآنا بھی تھی۔

"اس کبوتر پر نظر رکھو۔" رچرڈ نے حکم دیا۔ "جونہی نظر آئے اس پر باز چھوڑ دو۔ یہ کبوتر ہماری شکست کا باعث بن سکتا ہے۔"

اُس کے پاس اُس کی بہن جوآنا اور اُس کی منگیتر بیرنگاریا کھڑی تھیں۔ رچرڈ کی عمر خاصی ہو گئی تھی۔ اور اب اس نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اس ارادے سے لایا تھا کہ بیت المقدس فتح کر کے اِس سے شادی کرے گا۔ اُس کی بہن جوآنا تھوڑا ہی عرصہ پہلے تک سسلی کے بادشاہ کی بیوی تھی۔ بادشاہ مر گیا تو جوآنا

جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس لڑکی کی شادی ہوئی تھی۔ رچرڈ انگلستان سے آئے ہوئے اسے سسلی سے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

رچرڈ کو جوآنا کی ہنسی سنائی دی۔ رچرڈ نے اُس کی طرف دیکھا تو جوآنا نے اُس سے پوچھا: "میرے بھائی! کیا اس کبوتر کے مرجانے سے صلاح الدین ایوبی بھی مرجائے گا؟"

"یہ کبوتر پیامبر ہے جوآنا!" — رچرڈ نے کہا — "اس کی ایک ٹانگ کے ساتھ عکرہ والوں کا پیغام بندھا ہوتا ہے جو صلاح الدین کے پاس جاتا ہے۔ صلاح الدین اس پیغام کا جواب اسی کبوتر کے ساتھ بھیجتا ہے۔ صلاح الدین ہم پر باہر سے جو حملے کرتا ہے وہ عکرہ والوں کے پیغاموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ عکرہ والوں کا جوش اور جذبہ اور ہتھیار نہ ڈالنے کا عزم اس کبوتر کی وجہ سے قائم ہے، ورنہ کوئی مہم فوج اتنے شدید حملے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتی۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہماری منجنیقوں کے پھینکے ہوئے پتھروں نے کئی جگہوں سے دیوار کا اوپر کا حصہ گرا دیا ہے اور ہماری پھینکی ہوئی آگ نے شہر میں تباہی بپا کر رکھی ہے مگر وہ ہتھیار نہیں ڈال رہے۔"

"آپ کا اصل مقصد اور منزل یروشلم ہے جو ابھی بہت دُور ہے۔" جوآنا نے کہا — "اگر عکرہ کی فتح میں کئی سال گزر گئے تو کیا آپ اپنی زندگی میں یروشلم تک پہنچ سکیں گے؟ ہمارے جاسوس اور مسلمان جنگی قیدی بتاتے ہیں کہ شہر کے اندر صرف دس ہزار تعداد کی فوج ہے۔ ہماری تعداد ابتدا میں چھ لاکھ تھی۔ اب پانچ لاکھ رہ گئی ہوگی۔ محاصرہ پچھلے سال (۱۱۸۹ء) ۱۲ اگست کے روز شروع ہوا تھا۔ اب ۱۱۹۱ء کا اگست آگیا ہے۔ دو سال.... میرے بھائی! دو سال.... ابھی آپ دس ہزار نفری کے محصورین سے ہتھیار نہیں ڈلوا سکے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو محاصرے میں شامل ہوئے ابھی چند مہینے گزرے ہیں لیکن چند مہینوں میں آپ نے عکرہ کی شہر پناہ کی سی دیوار توڑنے اور منجنیقوں سے شہر کے کچھ حصے کو آگ لگانے کے سوا کیا کامیابی حاصل کی ہے؟ مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ اس شہر کے کھنڈر ہی آپ کو ملیں گے۔"

رچرڈ نے اپنی منگیتر کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ وہ چلی گئی تو رچرڈ اپنی بہن سے مخاطب ہوا۔

"صلیب الصلبوت اللہ یروشلم کے وقار اور تقدس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم بھول جاؤ کہ تم میری بہن ہو۔ تم اس صلیب کی بیٹی ہو جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے اور یروشلم جہاں ہمارے پیغمبر کی عبادت گاہ ہے اس پر بھی مسلمان قابض ہیں۔ تم جانتی ہو کہ ہمیں اسلام کو ختم کرنا ہے اور تم یہ بھی دیکھ رہی ہو کہ مسلمان خودکشی کی طرح لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ موت کی پروا نہیں کرتے۔ یہ فتح حاصل کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔ میں پہلی بار یہاں آیا اور انہیں لڑتے دیکھا ہے۔ اُن کے جذبے کے جنون کی جو کہانیاں سنی تھیں وہ اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسلمان کو عورت مار سکتی ہے۔ اُن کے درمیان جو خانہ جنگی ہوئی تھی وہ ہمارے بادشاہوں نے اُن پر ایک سازش کے تحت بادشاہی، زرد جواہرات، شراب اور عورت کا نشہ طاری کرکے کرائی تھی مگر صلاح الدین ایسا پتھر نکلا کہ اس کے عزم کو متزلزل نہ کرسکے۔ اُس نے اپنے اُن

بھائیوں کو جو ہمارے ہاتھ میں آگئے تھے، تلوار کے زور سے اپنا مطیع کرلیا یا اُن کے دلوں میں اسلامی جذبہ بیدار کرلیا۔"

"میں نے بھی یہ سنا ہے۔" جوآنا نے کہا — "میں نے اُن لڑکیوں کے ایثار کی کہانیاں بھی سنی ہیں جنہیں مسلمان امراء اور حاکموں کے پاس جاسوسی اور دیگر تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ یہ طریقہ کامیاب نہیں رہا۔"

"میں اسے ناکام بھی نہیں کہتا۔" — رچرڈ نے کہا — "اگر مسلمانوں کے قومی جذبے کو تباہ کرنے کے لیے یہ لڑکیاں استعمال نہ کی جاتیں تو یہ لوگ بہت عرصہ پہلے نہ صرف یروشلم کو فتح کرچکے ہوتے بلکہ یہ آدھے یورپ پر قابض ہوچکے ہوتے۔ ہم نے عورت کے حسن اور جسم کے جادو سے اور اُن میں سے بہت سے یہ دل، دزیروں اور سالاروں کو سلطان بنانے کے ارادے سے اُن کا اتحاد توڑ رہا تھا۔ اُن کی جنگی قوت انہیں آپس میں لڑا کر تباہ کردی تھی، مگر یہ بھی بہت متحد ہوگئے ہیں۔"

"آپ یہ باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہیں؟" جوآنا نے کہا — "آپ کے بولنے کے انداز میں مایوسی کیوں ہے؟ میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم بھول جاؤ کہ میری بہن ہو۔ تم صلیب کی بیٹی ہو۔ صلیب کی فتح کے لیے تم بہت کچھ کرسکتی ہو۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑ بھی رہے ہیں اور ہماری آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی طرف اپنے ایلچی بھیجتے رہتے ہیں۔ میری ملاقات صلاح الدین کے بھائی العادل سے بھی ہوچکی ہے۔ میں اُن سے اپنی شرائط منوانے کی کوشش کر رہا ہوں جو وہ نہیں مان رہے۔ میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ یروشلم اور صلیب الصلبوت ہمارے حوالے کردو اور تم ان علاقوں سے نکل جاؤ جن پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلاح الدین نے ایک بھی شرط ماننے سے انکار کردیا ہے۔"

"آپ صلاح الدین ایوبی سے کیوں نہیں ملتے؟"

"وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتا۔" رچرڈ نے جواب دیا — "وہ بیمار بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کا بھائی العادل اُسی جیسا پُرعزم اور پکا مسلمان ہے۔ وہ صلاح الدین کی جگہ لے رہا ہے۔ میں نے اس میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ جوان ہے اور زندہ دل بھی لگتا ہے۔ میں اس شخص کے دل پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ میں اُسے دوست بنا سکوں گا لیکن جو کام تمہارا ہے وہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟.... کیا تم نے اُسے پسند نہیں کیا تھا؟"

"آپ مجھ سے وہ کام لینے کی سوچ رہے ہیں جو ہماری تربیت یافتہ لڑکیاں بہت مدت سے کر رہی ہیں۔"

"ہاں!" رچرڈ نے کہا — "اس کے دل پر قبضہ کرو۔ محبت کا والہانہ اظہار کرو اور اُسے کہو کہ تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں درمیان میں آجاؤں گا اور صلاح الدین سے کہوں گا کہ وہ اگر ساحلی علاقے اپنے بھائی اور میری بہن کو دے دے تو میں اپنی بہن کی شادی العادل کے ساتھ کرنے کو تیار ہوں۔ تم العادل کو تیار کرنا کہ وہ اپنا مذہب ترک کرکے عیسائیت قبول کرے۔ اُسے یہ لالچ دو کہ وہ ساحلی علاقے کی اتنی وسیع سلطنت کا

سلطان بن جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اُسے صلاح الدین کے خلاف کر سکو گی۔"

جوآنا کچھ دیر خاموش رہی۔ رچرڈ اُسے دیکھتا رہا۔ آخر جوآنا نے آہ لی اور بولی: "میں کوشش کروں گی۔"

"مسلمانوں کو اسی دھوکے سے مارا جا سکے گا۔" رچرڈ نے کہا۔ "میں میدانِ جنگ میں انہیں شکست دینے کی پوری کوشش کروں گا لیکن بہت لمبی مدت درکار ہوگی۔ میں شاید اُس وقت تک زندہ نہ رہوں۔ مجھے واپس انگلستان بھی جانا ہے۔ وہاں کے حالات مخدوش ہیں۔ مخالفین میری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔"

☆

جو کبوتر رچرڈ کے اوپر سے گزر کر آگیا تھا وہ صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے سامنے بنی ہوئی ایک کھڑکی پر آن بیٹھا۔ دربان نے دوڑ کر اُس کی ٹانگ سے بندھا ہُوا پیغام کھولا اور خیمے میں لے گیا۔ سلطان ایوبی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اُسے آرام کی سخت ضرورت تھی لیکن وہ اُٹھ بیٹھا اور پیغام پڑھنے لگا۔ شہر کے اندر کی فوج کے ساتھ سلطان کا رابطہ پیامبر کبوتروں کے ذریعے قائم تھا۔ یہ پیغام عکرہ کے دونوں حاکموں، المشطوب اور بہاؤالدین قراقوش کا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد جو سلطان ایوبی کی مجلسِ مشاورت کا اہم رُکن اور اُس کا ہمراز دوست بھی تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ یہ دونوں غیر معمولی طور پر دلیر اور ذہین سالار تھے، محاصرے میں اُن کی حالت بہت بُری ہو گئی تھی۔ شہر تباہ ہو رہا تھا لیکن یہ دونوں ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ باہر والے ہر وقت یہ خبر سننے کے لیے تیار رہتے تھے کہ عکرہ کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

اس پیغام میں بھی المشطوب اور قراقوش نے سلطان ایوبی کو وہی کچھ لکھا تھا جو وہ ہر پیغام میں لکھتے تھے۔ اب کے انہوں نے زیادہ زور دے کر لکھا کہ ہم سے یہ توقع نہ رکھنا کہ ہم جیتے جی ہتھیار ڈال دیں گے لیکن آپ کی مدد یہ ہمارے لیے بے حد ضروری ہو گئی ہے کہ صلیبیوں پر باہر سے حملے زیادہ کر دیں۔ سپاہیوں سے کہیں کہ وہ اسی جذبے سے لڑیں جس جذبے سے شہر والے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آدھا شہر جل چکا ہے۔ فوج بھی آدھی رہ گئی ہے لیکن شہریوں کے جذبے کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ عورتیں بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہیں۔ لوگ کھانا خود کم کھاتے اور فوج کو زیادہ کھلاتے ہیں۔

انہوں نے دیوار کی یہ کیفیت لکھی کہ صلیبیوں کی منجنیقوں کی مسلسل سنگ باری سے دیوار کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ بالائی حصہ ختم ہو چکا ہے۔ بُرج گر پڑے ہیں۔ دشمن نے باہر خندق کو کئی جگہوں سے اپنے سپاہیوں کی لاشوں اور مرے ہوئے گھوڑوں اور مٹی سے بھر لی ہے جہاں سے وہ دیوار کے قریب آ کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ جب ڈھولوں کی آواز سنیں، عقب سے صلیبیوں پر بہت ہی سخت حملہ کریں۔ ہم ڈھول اُس وقت بجایا کریں گے جب صلیبی دیوار پر حملہ کیا کریں گے۔ آپ ایسے جانباز تیار کریں جو سمندر کی طرف سے ہم تک اسلحہ پہنچائیں۔

سلطان ایوبی کمزوری اور بخار کے باوجود اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے پیغام کا جواب لکھوایا جس میں اُس نے عکرہ والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ بھی لکھا کہ جانباز پہلے ہی شہر تک اسلحہ پہنچانے کے لیے جا چکے ہیں۔

اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اسلام پر بڑا ہی سخت وقت آن پڑا ہے۔ یہ میری ہی کوشش تھی کہ صلیبی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کی بجائے عکرہ کا محاصرہ کریں تاکہ میں انہیں یہیں اُلجھا کر اُن کی جنگی طاقت کمزور کر دوں۔ تم لوگ عکرہ کے دفاع کے لیے نہیں مسجدِ اقصیٰ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہو۔"

یہ پیغام کبوتر کے ذریعے بھجوا کر سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ میرے پاس ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک سپاہی کے پاس جانے کا وقت نہیں رہا۔ میرے جسم میں جو طاقت رہ گئی ہے اُسے میں جہاد میں صرف کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے کمانڈروں اور سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اللہ، اپنے رسولؐ اور اپنے مذہب کے لیے لڑو۔ اب یہ نہ سوچو کہ تم اپنے سلطان کے حکم سے لڑ رہے ہو۔ یہ بھی نہ سوچو کہ تمہیں اجر زندہ رہنا ہے۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی ایسا جذباتی کبھی نہیں ہُوا تھا۔ اُس کی جذباتی حالت بالکل اُس ماں سے ملتی جلتی تھی جس کا بچہ کھو گیا ہو۔ وہ سوتا نہیں تھا۔ آرام نہیں کرتا تھا۔ میں نے اُسے کئی بار کہا کہ سلطان! اپنی صحت کا خیال رکھو۔ تم اپنے اعصاب کو تباہ کر رہے ہو۔ اللہ کو یاد کرو۔ فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے.... سلطان کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے جذباتیت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ــــ

"بہاؤالدین! میں صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا۔ میں اس مقدس جگہ کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا جہاں سے میرے پیارے رسولؐ خدا کے حضور گئے تھے۔ اُس جگہ میرے رسولؐ نے سجدہ کیا تھا....' وہ گرج کر بولا۔ 'نہیں.... بہاؤالدین! نہیں۔ میں مر کے بھی صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا!"

قاضی شدّاد آگے چل کر لکھتا ہے کہ ایک رات وہ اس قدر بے چین تھا کہ میں بہت دیر اس کے ساتھ رہا۔ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اُسے قرآن کی دو تین آیتیں بتائیں اور کہا کہ یہ پڑھتے رہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ آیتیں پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ سوتے میں بڑبڑایا ــ "یعقوب کی کوئی خبر نہیں آئی؟.... وہ شہر میں داخل ہو جائے گا" ــ پھر وہ سو گیا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ نیند میں بھی بے چین تھا۔

سلطان ایوبی کے خیمے سے عکرہ کی دیوار نظر آتی تھی۔ اس کے باہر صلیبی لشکر یوں دکھائی دیتا تھا جیسے چیونٹیاں کسی چیز پر اکٹھی ہو گئی ہوں۔ رات کو عکرہ کی دیواروں پر مشعلیں چلتی پھرتی رہتی تھیں اور رات کے اندھیرے میں آگ کے گولے دیوار کے اوپر سے اندر جاتے نظر آتے تھے۔ دیوار سے بھی ایسے گولے باہر آتے تھے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار رات کو دشمن پر شبخون مارتے رہتے تھے۔

☆

نیند میں سلطان ایوبی جس یعقوب کا نام لے رہا تھا وہ اُس کی بحریہ کا ایک بڑا ہی دلیر کپتان تھا۔ عکرہ شہر کے اندر رسد اور اسلحہ پہنچانا ناممکن ہو گیا تھا۔ پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شہر کے ایک طرف سمندر تھا اور ادھر صلیبیوں کے بحری جہاز بکھرے ہوئے تھے۔ شہر والوں کو سامان پہنچانا بڑا ہی

مزدوری تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے اس بحری بیڑے سے اس مہم کے لیے رضاکار مانگے تھے۔ یعقوب نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں، قاضی بہاؤالدین شدّاد اور دوسرے مؤرخوں نے یعقوب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ حلب کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بحریہ اور فوج سے سپاہی منتخب کیے۔ اُن کی تعداد چھ سو پچاس تھی۔ انہیں یعقوب اپنے جہاز میں لے گیا اور بیروت چلا گیا وہاں سے اُس نے جہاز کو (جو بڑا جنگی جہاز تھا) رسد اور اسلحہ سے بھر لیا۔ یہ اتنا زیادہ سامان تھا جو عکرہ والوں کو بڑے لمبے عرصے تک لڑنے کے قابل بنا سکتا تھا۔

یعقوب نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ جانیں قربان کر دینی ہیں، یہ سامان عکرہ تک پہنچانا ہے۔

جہاز جب عکرہ سے کچھ ہی دُور رہ گیا تھا کہ صلیبیوں کے چالیس جہازوں نے اُسے گھیر لیا۔ یعقوب کے جانبازوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ جہاز چلتا رہا اور یعقوب اُسے عکرہ کے ساحل کی طرف لے جاتا رہا۔ جانبازوں نے دشمن کے جہازوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایک فرانسیسی مؤرخ ڈی ونسوف نے لکھا ہے کہ وہ جنات اور بدروحوں کی طرح لڑے لیکن دشمن کے گھیرے سے نہ نکل سکے۔ آدھے سے زیادہ مسلمان سپاہی تیروں کا نشانہ بن گئے۔

یعقوب نے جب دیکھا کہ جہاز بادبان برباد ہو جانے سے کھُلے سمندر کی طرف بہہ گیا ہے اور اب دشمن جہاز پر قبضہ کرے گا تو اُس نے اپنے جانبازوں سے چلّا کر کہا ــــ "خدا کی قسم! ہم وقار سے مریں گے۔ دشمن کو نہ یہ جہاز ملے گا نہ اس میں سے کوئی چیز اُس کے ہاتھ آئے گی.... جہاز میں سوراخ کر دو۔ سمندر کو جہاز کے اندر آنے دو" ــــ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ جو جانباز زندہ رہ گئے تھے، انہوں نے عرشے کے نیچے جا کر جہاز کو توڑنا شروع کر دیا۔ تختے ٹوٹے تو سمندر جہاز میں داخل ہونے لگا۔ کسی نے بھی جانباز نے جہاز سے کُود کر جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ سب جہاز کے ساتھ سمندر کی تہہ میں چلے گئے۔

اِس واقعہ کی تاریخ ۸ جون ۱۱۹۱ء لکھی گئی ہے۔

سلطان ایوبی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ خیمے سے نکلا۔ اُس کا گھوڑا ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے حکم دیا ــــ "دف بجاؤ"۔ دف بج اُٹھے ــــ یہ حملے کا سگنل تھا۔ ذرا سی دیر میں اُس کے دستے حملے کی تیاری کے لیے جمع ہو گئے ــــ سلطان ایوبی نے اتنا ہی کہا ــــ "آج دشمن کو چیر کر دیوار تک پہنچنا ہے" ــــ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کے تمام دستے، سوار اور پیادہ اُس کے پیچھے گئے یہ بظاہر ایک سادہ سا حملہ تھا لیکن سلطان ایوبی نے پہلے ہی فوج کو ترتیب بتا رکھی تھی۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کو یوں قہر و غضب سے آتے دیکھا تو اُن کے پیادہ دستے کمانوں میں تیر ڈال کر دیوار کی مانند کھڑے ہو گئے۔ صلیبی فوج کے مورچے بھی تھے۔ انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔

حملے کی قیادت سلطان ایوبی خود کر رہا تھا۔ اس لیے اُس کے مملوک بجلیوں کی طرح صلیبیوں پر

ٹوٹے مگر صلیبیوں کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی۔ مسلمان یوں لڑے جیسے وہ زندہ نیچے نہیں آئیں گے۔ گھوڑ سوار گھوڑے کھما کھما کر لاتے اور حملے کرتے تھے۔ یہ معرکہ اُس وقت ختم ہوا جب شام تاریک ہو گئی۔ صلیبیوں کا نقصان بہت ہی زیادہ تھا مگر وہ کامیابی حاصل نہ کی جا سکی جس کے لیے سلطان ایوبی نے حملہ کرایا تھا۔

ایسا حملہ پہلا اور آخری نہیں تھا۔ عکرہ دو سال محاصرے میں رہا۔ اس دوران سلطان ایوبی نے عقب سے ایسے کئی حملے کرائے۔ ہر حملے میں جانبازوں نے بہادری کی ایسی مثالیں پیش کیں جو اس سے پہلے وہ خود بھی پیش نہیں کر سکے تھے۔ اس دوران سلطان ایوبی کو مصر سے بھی کمک ملی اور کئی ایک مسلمان امارتوں نے اُسے اپنی فوجیں اور سامان بھیجا۔ اگر ہر حملے کا ذکر تفصیل سے کیا جائے تو سینکڑوں صفحے درکار ہوں گے۔ یہ جہاد کا جذبہ نہیں بلکہ جنون تھا۔ ان حملوں سے عکرہ کا محاصرہ تو نہ توڑا جا سکا لیکن صلیبیوں پر یہ خوف طاری ہو گیا کہ مسلمان انہیں یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔ صلیبیوں کا چونکہ لشکر زیادہ تھا اس لیے ان کا جانی نقصان بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اتنی زیادہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھ دیکھ کر صلیبیوں کا حوصلہ مجروح ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے قہر کا اثر خود رچرڈ کے دل پر پڑ رہا تھا۔

اس دوران رچرڈ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے لیے اپنے ایلچی بھیجتا رہتا تھا۔ اس کا ایلچی العادل کے پاس آیا کرتا اور العادل صلح کا پیغام سلطان ایوبی تک پہنچایا کرتا تھا۔ اُس کے مطالبات یہ تھے کہ بیت المقدس جسے وہ یروشلم کہتے تھے انہیں دے دیا جائے، صلیب الصلبوت انہیں واپس دے دی جائے اور صلیبی جن علاقوں پر حطین کی جنگ سے پہلے قابض ہو چکے تھے وہ علاقے صلیبیوں کو واپس دے دیئے جائیں.... سلطان ایوبی یروشلم کا نام سُن کر بھڑک اٹھتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ رچرڈ کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری رکھے۔ تقریباً تمام مؤرخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ اور العادل دوست بن گئے تھے اور العادل جب رچرڈ کے پاس جاتا یا رچرڈ اُسے ملنے آتا تو رچرڈ کی بہن جوآنا بھی ساتھ ہوتی تھی۔ اس دوستی کے باوجود العادل رچرڈ کی شرائط تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

ان ملاقاتوں کے ساتھ عکرہ کی جنگ جاری تھی۔ خونریزی بڑھتی جا رہی تھی اور عکرہ والوں کی حالت بہت ہی بُری ہوتی جا رہی تھی۔ محاصرہ کرنے والوں میں دوسرے صلیبی بادشاہ بھی تھے جن میں قابلِ ذکر فرانس کا بادشاہ تھا۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ ان سب کا لیڈر بن گیا تھا۔

☆

"میں نے یہ کامیابی حاصل کر لی ہے کہ اُس نے میری محبت قبول کر لی ہے" ــــ جوآنا نے اپنے بھائی رچرڈ سے کہا ــــ "لیکن میں نے اس میں وہ کمزوری نہیں دیکھی جو آپ بتاتے تھے کہ ہر مسلمان امیر اور حاکم میں پائی جاتی ہے۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے لیکن اپنا مذہب چھوڑنے کی بجائے مجھے اسلام قبول کرنے کو کہتا ہے"

"معلوم ہوتا ہے تم نے اپنا جادو اس طرح نہیں چلایا جس طرح اس فن کی ماہر لڑکیاں چلاتی رہتی ہیں"۔ رچرڈ نے کہا۔ "یہ میں نے بھی دیکھ لیا ہے کہ العادل کردار کا پکا ہے۔ میں اُسے کہہ چکا ہوں کہ اگر وہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو عیسائیت قبول کرلے اور اپنے بھائی سے کہے کہ ساحلی علاقہ اُسے دے دے جس پر اُس کی اور تمہاری حکمرانی ہوگی۔ اُس نے جواب دیا کہ اپنا مذہب ترک کرنا ہوتا تو اتنے ستون خرابے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا، کہ تم میری بہن کو پسند کرتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ اپنی بہن سے پوچھو، میں اُسے اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا وہ مجھے چاہتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے اُن کے میل ملاقات اور محبت پر کوئی اعتراض نہیں.... شکار جال میں آگیا ہے۔ اب یہ تمہارا کمال ہوگا کہ اُسے شیشے میں اُتار لو۔"

"مجھے یاد آیا"۔ جوآنا نے کہا۔ "میری دونوں خادمائیں کہیں نظر نہیں آرہیں۔ رات یہیں تھیں۔ صبح سے غائب ہیں۔"

"میرا خیال ہے وہ اب غائب ہی رہیں گی"۔ رچرڈ نے کہا۔ "وہ مسلمان تھیں۔"

"وہ مسلی کی مسلمان تھیں"۔ جوآنا نے کہا۔ "اور وہ اُس وقت سے میرے ساتھ تھیں جب میری شادی ہوئی اور میں مسلی گئی تھی۔"

"مسلمان کہیں کا بھی رہنے والا کیوں نہ ہو، سب کا جذبہ ایک سا ہوتا ہے"۔ رچرڈ نے کہا۔ "اسی لیے ہم اس قوم کو خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کا اتحاد ٹوٹ جائے۔ ان دونوں نے یہاں آکر دیکھا کہ ہم اُن کی قوم کے خلاف لڑ رہے ہیں تو وہ اُن کے پاس چلی گئی۔"

رچرڈ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اُس وقت یہ دونوں عورتیں سلطان ایوبی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اُن کی چھان بین کرکے انہیں سلطان کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے سلطان سے ملنے کی خواہش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کچھ باتیں صرف سلطان کو بتانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ مسلی میں جنمی پلی ہیں اور لڑکپن میں شاہی محل میں ملازم ہوگئی تھیں۔ جب جوآنا بادشاہ کی بیوی بن کر آگئی تو ان دونوں کو جسمانی چستی اور اچھی شکل و صورت کی وجہ سے جوآنا کی خاص خادمائیں بنا دیا گیا۔ مسلی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لیے وہاں اسلام زندہ تھا۔ ان دونوں کو بھی اپنا مذہب یاد رہا۔ جوآنا بیوہ ہوگئی تو شہنشاہ رچرڈ آگیا۔ وہ جوآنا کو اپنے ساتھ لایا تو ان دونوں کو بھی ساتھ آنا پڑا۔ یہاں انہوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑتے دیکھا تو کفار کی نوکری سے اُن کا دل اچاٹ ہوگیا۔

یہ دونوں عورتیں صرف جسمانی طور پر ہی چست اور چالاک نہیں تھیں، ذہنی طور پر بھی ہوشیار تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جوآنا رچرڈ کی منگیتر کو بتا رہی تھی کہ اُس نے صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل کو پھانس لیا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ العادل کے دل میں اُس کی اور اُس کے دل میں العادل کی محبت پیدا ہوگئی ہے اور اگر العادل نے اپنا مذہب ترک کردیا تو اُن کی شادی ہوجائے گی پھر صلاح الدین

ایوبی کو ملنا اور یروشلم پر قبضہ کرنا آسان ہوجائے گا۔ ان عورتوں نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ العادل اور جوآنا کہیں ملتے ملاتے بھی ہیں۔ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچانے کے لیے دونوں عورتیں وہاں سے بھاگ آئیں۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ان عورتوں کے نام نہیں لکھے، یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ان دونوں کو نہایت عزت و احترام اور انعام واکرام کے ساتھ دمشق بھیج دیا۔

☆

سلطان ایوبی نے ان عورتوں کی اطلاع پر تو یقین کرلیا لیکن اُسے یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ اُس کا سگا بھائی اُسے دھوکہ دے رہا ہے۔ اُسے اپنے ہر سالار پر اعتماد تھا لیکن العادل اور اپنے دو بیٹوں (اور افضل اور الظاہر) کی وجود گی میں وہ بہت سی پریشانیوں سے آزاد تھا۔ صلیبیوں پر غضب سے جو حملے کیے جاتے تھے۔ اُن کی قیادت یہ تینوں کرنے یا وہ خود کرتا تھا۔ اس کے علاوہ العادل ہی صلیبی حکمرانوں، خصوصاً رچرڈ سے ملتا اور بات چیت کرتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کے ساتھ بات کرلینا مناسب سمجھا، مگر عکرہ کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوچکی تھی۔ مسلمانوں کی کمک آرہی تھی۔ العادل کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے متعلق سلطان ایوبی کو یہی اطلاعیں ملتی تھیں کہ آج اُس نے فلاں جگہ حملہ کیا ہے اور آج فلاں جگہ۔ سلطان ایوبی کو اپنے بیٹے بھی نہیں ملتے تھے۔ اب تو اُس کی اپنی یہ حالت تھی کہ صحت کی خرابی کے باوجود جنگ میں شریک رہتا تھا۔

عکرہ کی دیوار ایک جگہ سے مسلسل سنگ باری سے گر پڑی تھی۔ صلیبی وہاں سے اندر آنے کی کوشش کرتے تو مسلمان جانوں کی بازی لگا کر انہیں روکتے تھے۔ دور سے نظر آنے لگا تھا کہ یہ شگاف دونوں فریقوں کی لاشوں سے بھرتا جارہا ہے۔ آخر اندر سے کبوتر یہ پیغام لایا۔ "اگر کل تک ہمیں مدد نہ پہنچی یا آپ نے باہر سے محاصرہ توڑنے کی کوشش نہ کی تو ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے کیونکہ شہریوں کے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ شہر جل رہا ہے اور فوج تھوڑی رہ گئی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ مسلسل دو سال بغیر آرام کیے لڑ لڑ کر لاشیں بن گئی ہے۔"

سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے اسی وقت اپنے تمام تر دستے یکجا کرکے بڑا ہی شدید حملہ کیا۔ ایسی خونریزی ہوئی کہ تاریخ کے ورق پھڑپھڑانے لگے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ انسانی ذہن ایسی خونریزی کو تصور میں نہیں لاسکتا۔ رات کو بھی مسلمانوں نے صلیبیوں کو چین نہ لینے دیا۔ آدھی رات کے بعد سلطان ایوبی اس طرح اپنے خیمے میں آیا اور پلنگ پر گرا جیسے اُس کا جسم زخموں سے چور ہوگیا ہو۔ اس نے ہائبتی کانپتی آواز میں حکم دیا کہ صبح پھر ایسا ہی حملہ ہوگا، مگر صبح کی روشنی نے اُسے جو منظر دکھایا اس سے اُس پر نیم غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ عکرہ کی دیواروں پر صلیبیوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ صلیبیوں کا لشکر شگاف سے اندر جارہا تھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ تاریخ، ۱۲ جمادی الثانی ۵۸۷ ہجری (۱۲ جولائی ۱۱۹۲ء) تھی۔

انشلوب اور قراتوش نے صلیبیوں سے شرائط طے کرلی تھیں۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی کو یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ فرنگی تقریباً تین ہزار مسلمان قیدیوں کو رسّوں سے باندھے عکرہ سے باہر لائے۔ ان میں فوجی تھے اور شہری بھی۔ انہیں ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور چاروں طرف سے صلیبیوں کی فوج کے سوار اور پیادہ دستوں نے ان بندھے ہوئے نہتے قیدیوں پر حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کو بالکل توقع نہیں تھی کہ صلیبی اس قدر درندگی اور ذلت کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں۔ جب صلیبی فوج قیدیوں پر ٹوٹ پڑی مسلمان فوج کسی کے حکم کے بغیر اٹھ دوڑی اور صلیبیوں پر پورے قہر سے حملہ کیا مگر تمام قیدی شہید کیے جا چکے تھے۔ دونوں فوجوں میں بڑا سخت تصادم ہوا۔

☆

اس دوران رچرڈ پر بھی سلطان ایوبی کی طرح بیماری کے شدید حملے ہوئے۔ دنیائے صلیب کو اس پر بڑا ہی جبر و سہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شیر دل تھا مگر عکرہ کے محاصرے میں جہاں وہ کامیاب ہوا تھا وہاں اس کا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ مسلمان اتنی بے جگری سے لڑتے ہیں۔ اس کی منزل اب بیت المقدس تھی۔ اس نے ساحل کے ساتھ ساتھ کوچ کیا۔ آگے عسقلان اور حیفہ جیسے بڑے شہر اور قلعے تھے۔ سلطان ایوبی نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ ان شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے یہاں اپنے اڈے بنانا اور بیت المقدس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

سلطان ایوبی نے بیت المقدس کی خاطر بہت بڑی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے حکم دیا: "عسقلان کو تباہ کر دو۔ قلعے اور شہر کو ملبے کا ڈھیر بنا دو"۔۔۔ سالاروں اور شیروں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اتنا بڑا شہر؟ اتنا مضبوط قلعہ؟۔۔۔ سلطان ایوبی نے گرج کر کہا۔۔۔ "شہر پھر آباد ہو جائیں گے۔ انسان پیدا ہوتے رہیں گے، مگر بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے صلاح الدین ایوبی شاید پھر پیدا نہ ہو۔۔۔ اپنے تمام شہر اور بچے مسجدِ اقصیٰ پر قربان کر دو"۔

سلطان ایوبی بے شک سفاک ہو گیا تھا لیکن اس نے فنِ حرب و ضرب اور حقائق سے چشم پوشی نہ کی۔ اپنے چیتا پا دستوں کو صلیبی لشکر کے پیچھے ڈال دیا۔ یہ دستے گھوم کر رچرڈ کے لشکر پر جو کوچ کر رہا تھا، عقبی حصے میں شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے۔ اس طرح اس لشکر کا کوچ بہت ہی سست رہا۔ دشمن کی رسد محفوظ نہ رہی۔ رچرڈ عسقلان جا رہا تھا۔ وہاں پہنچا تو قلعہ اور شہر ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے۔ وہاں جو مسلمان فوج تھی اُسے بیت المقدس کے دفاع کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ رچرڈ کے راستے میں جتنے قلعے آئے وہ سب مسمار ہو چکے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ کا دماغ خراب ہونے لگا تھا کہ مسلمان ایسی قربانی بھی دے سکتے ہیں۔ وہ جان گیا کہ بیت المقدس پر قبضہ آسان نہیں۔

اس پر یہ افتاد بھی پڑی کہ فرانس کا بادشاہ اُس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ انہوں نے عکرہ لے تو لیا تھا لیکن مسلمانوں نے اس کامیابی میں اُن کی کمر توڑ دی تھی۔ سلطان ایوبی کو عکرہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت

افسوس تھا لیکن اُس کی یہ چال کامیاب تھی کہ اُس نے صلیبیوں کا جنگی طاقت کا گھمنڈ توڑ دیا تھا۔ اب پھر اپنا مخصوص طریقہ جنگ شروع کر دیا تھا۔ یہ شب خونوں اور چھاپوں کا سلسلہ تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان چھاپہ مار رات کی تاریکی میں طوفان کی طرح آتے اور صلیبی فوج کے عقبی حصے پر شب خون مار کر بے تحاشہ نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے تھے۔ اس طرح صلیبیوں کے لیے ایک ماہ کا سفر تین ماہ کا ہو جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے کوچ کی رفتار سست کر کے بیت المقدس کا دفاع مضبوط کر لیا۔

☆

"جوآنا کچھ کرو۔۔۔ صلیب کی خاطر کچھ کرو"۔۔۔ رچرڈ نے اپنی بہن سے کہا۔۔۔ "دل کو مضبوط کرو۔ ہم لڑ کر بیت المقدس نہیں لے سکتے"۔

"وہ مجھے چاہتا ہے"۔۔۔ جوآنا نے جواب دیا۔۔۔ "کوچ کے دوران بھی میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔ میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھے والہانہ طور پر چاہنے لگا ہے لیکن کہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ وہ میری کوئی شرط ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا"۔

اُدھر سلطان ایوبی نے العادل، اپنے بیٹوں اور سالاروں کو بلا رکھا تھا۔ اس کی زبان پر اب دو ہی لفظ رہتے تھے۔۔۔ "اسلام۔ بیت المقدس"۔۔۔ اس نے ان سب کو بیت المقدس کے دفاع کی ہدایات دیں۔ کانفرنس کے بعد العادل اُسے تنہائی میں ملا اور کہا۔۔۔ "رچرڈ مجھے اپنی بہن پیش کر رہا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنا مذہب ترک کر دوں"۔

"تمہیں اسلام سے زیادہ محبت ہے یا رچرڈ کی بہن سے؟"

"دونوں سے"۔

"تو اُسے اپنے مذہب میں لاؤ اور شادی کر لو"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "میں اجازت دیتا ہوں"۔

"میں آپ سے شادی کی اجازت لینے نہیں آیا"۔۔۔ العادل نے کہا۔۔۔ "میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ رچرڈ جیسا دلیر اور جنگجو بادشاہ بھی ان ذلیل ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس کی بہن اچھی لگتی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے مذہب سے غداری نہیں کروں گا"۔

"اور وہ بھی اپنے مذہب سے غداری نہیں کرے گی"۔

"جائے جہنم میں"۔۔۔ العادل نے کہا۔۔۔ "ان حربوں سے رچرڈ بیت المقدس نہیں لے سکتا"۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ یورپی مؤرخوں نے رچرڈ کی اس حرکت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رچرڈ نے اس شرط پر اپنی بہن العادل کو پیش کی تھی کہ وہ عیسائی ہو جائے لیکن رچرڈ کی بہن نے العادل کو دھتکار دیا تھا۔

یہ پردہ اُسی وقت چاک ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ رچرڈ بیت المقدس کے قریب جا کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں عکرہ کی جنگ سے زیادہ خونریز معرکوں کی توقع تھی، لیکن رچرڈ نے اپنی وہی شرائط پیش کرنی شروع کر دیں

جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک بار سلطان ایوبی نے اس کے ایلچی کی بے عزتی کر دی اور اُسے فوراً واپس چلے جانے کو کہہ دیا۔ اس دوران سلطان ایوبی کو پتہ چلا کہ رچرڈ اتنا زیادہ بیمار ہو گیا ہے کہ اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔ سلطان ایوبی رات کو اپنے خیمے سے نکلا اور رچرڈ کے خیموں کا رخ کر لیا۔ اس نے صرف العادل کو بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ العادل نے ہنس کر کہا کہ فلاں جگہ رچرڈ کی بہن میرے انتظار میں کھڑی ہو گی۔ اُسے بھی ساتھ لے جانا۔

جوآنا وہاں کھڑی تھی۔ اُس نے گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سنی تو دوڑ کر آئی اور بولی "تم آ گئے العادل؟" — سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور جوآنا کو گھوڑے پر بٹھا کر خاموشی سے رچرڈ کی خیمہ گاہ کی طرف چل پڑا۔ جوآنا کچھ کہہ رہی تھی۔ سلطان ایوبی نے عربی زبان میں کہا — "تمہاری زبان میرا بھائی سمجھ سکتا ہے میں نہیں سمجھتا" — یہ جوآنا نہ سمجھ سکی۔

سلطان ایوبی رچرڈ کے خیمے میں داخل ہوا۔ رچرڈ واقعی سخت بیمار تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کرنے کے لیے اپنا ترجمان بلا لیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بات یہ کہی — "اپنی بہن کو سنبھالو۔ میرا بھائی اپنا مذہب ترک نہیں کرے گا.... اور مجھے بتاؤ کہ تمہیں تکلیف کیا ہے۔ میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں مرتا دیکھ کر میں حملہ کر دوں گا۔ صحت یاب ہو جاؤ گے تو دیکھا جائے گا۔"

رچرڈ حیرت سے اُٹھ بیٹھا اور بیساختہ بولا — "تم عظیم ہو صلاح الدین.... تم سچے جنگجو ہو" — اس نے اپنی تکلیف بتائی۔ سلطان ایوبی نے کہا — "ہمارے علاقے میں بیمار ہونے والے کو ہمارے ہی طبیب ٹھیک کر سکتے ہیں۔ جس طرح انگلستان کی فوج یہاں آ کر بیکار ہو جاتی ہے اسی طرح تمہارے ڈاکٹر بھی یہاں آ کر اناڑی ہو جاتے ہیں۔ میں اپنا طبیب بھیجوں گا۔"

"صلاح الدین! ہم کب تک ایک دوسرے کا خون بہاتے رہیں گے؟" — رچرڈ نے کہا — "آؤ، صلح اور دوستی کریں۔"

"لیکن میں دوستی کی وہ قیمت نہیں دوں گا جو تم مانگ رہے ہو" — سلطان ایوبی نے کہا — "تم خون خرابے سے ڈرتے ہو، بیت المقدس کی خاطر میری پوری قوم اپنا خون قربان کر دے گی۔"

وہاں سے واپس آ کر سلطان ایوبی نے اپنا طبیب رچرڈ کے علاج کے لیے بھیجا۔ اُسے صحت یاب ہوتے ہوتے بہت دن گزر گئے۔ سلطان ایوبی جنگ کے لیے تیار ہو چکا تھا لیکن حملے کی بجائے رچرڈ کی طرف سے صلح کی نئی شرطیں آئیں۔ رچرڈ بیت المقدس سے دستبردار ہو گیا تھا۔ اُس نے صرف یہ رعایت مانگی کہ عیسائی زائرین کو بیت المقدس میں داخلے کی اجازت دی جائے اور ساحل کا کچھ علاقہ صلیبیوں کو دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ شرائط مان لیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل لڑ رہی تھی اور شہادت اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اب کم تعداد سے اتنی بڑی فوج سے لڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، سپاہی دن رات لڑتے رہے تھے۔ وہ

ذہنی طور پر شل ہو چکے تھے۔ بعض دستوں میں احتجاج بھی شروع ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی جسمانی طور پر تھکی ہوئی اور ذہنی طور پر پژمردہ فوج کے بل بوتے پر بیت المقدس کو خطرے میں ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

رچرڈ مسلمانوں کی بے خونی اور جذبے سے گھبرا رہا تھا۔ اُس کی صحت بھی جواب دے گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے اپنے ملک میں اس کے مخالفین سر اٹھا رہے تھے۔ انگلستان کا تخت و تاج خطرے میں پڑ گیا تھا۔

اس معاہدے پر ۲ ستمبر ۱۱۹۲ء (۲۲ شعبان ۵۸۸ھ) کے روز دستخط ہوئے۔ رچرڈ ۹ اکتوبر ۱۱۹۲ء کے روز اپنی فوج کے ساتھ انگلستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس معاہدے کی میعاد تین سال مقرر کی گئی۔ رچرڈ نے بوقتِ رخصت سلطان ایوبی کو پیغام بھیجا کہ میں معاہدے کی میعاد گزرنے کے بعد یروشلم فتح کرنے آؤں گا — اُس کے بعد کوئی صلیبی بیت المقدس کو فتح نہ کر سکا۔ اِس صدی میں جون ۱۹۶۷ء میں عربوں کی بے اتفاقی نے اور اُن کی انہی کمزوریوں نے جو کفار سلطان ایوبی کے دور میں مسلمان امراء میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، بیت المقدس یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے۔

رچرڈ کی روانگی کے بعد سلطان ایوبی نے اعلان کیا کہ اس کی فوج کے جو افراد حج کے لیے جانا چاہتے ہیں، اپنے نام دے دیں، انہیں سرکاری انتظامات کے تحت حج کے لیے بھیجا جائے گا۔ فہرستیں تیار ہو گئیں اور اُن سب کو حج کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ خود سلطان ایوبی کی دیرینہ خواہش تھی کہ حج کعبہ کو جائے مگر جہاد نے اسے مہلت نہ دی اور جب مہلت ملی تو اُس کے پاس سفرِ حج کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اُسے سرکاری خزانے سے پیسے پیش کیے گئے جو اُس نے یہ کہہ کر قبول نہ کیے کہ یہ خزانہ میرا ذاتی نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو حج کی سعادت سے محروم کر دیا سرکاری خزانے سے ایک پیسہ نہ لیا۔ مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید لکھتا ہے کہ وفات کے وقت سلطان ایوبی کی کل دولت، ۴۷ درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کا ذاتی مکان بھی نہیں تھا۔

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی ۴ نومبر ۱۱۹۲ء کے روز بیت المقدس سے دمشق پہنچا۔ اُس کے چار ماہ بعد سلطان خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ دمشق پہنچنے سے وفات تک کا آنکھوں دیکھا حال قاضی بہاؤالدین شدّاد کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے:

".... اُس کے بچے دمشق میں تھے۔ اُس نے ستانے کے لیے اسی شہر کو پسند کیا۔ اُس کے بچے اُسے دیکھ کر تو خوش ہوئے ہی تھے، دمشق اور گردونواح کے لوگ اپنے فاتح سلطان کو دیکھنے کے لیے ہجوم در ہجوم آ گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی قوم کی یہ بے تابانہ عقیدت مندی دیکھی تو اگلے ہی روز (۵ نومبر بروز جمعرات) دربارِ عام منعقد کیا جس میں سلطان کو ملنے اور اگر کسی کو

کوئی شکایت ہو تو بیان کرنے کی ہر کسی کو اجازت تھی.... مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، امیر، غریب، حاکم اور عوام سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملنے جمع ہو گئے۔ شاعروں نے اس تقریب میں سلطان کی شان میں نظمیں سنائیں....

"سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسلسل جہاد اور سلطنت کی مصروفیات نے نہ دن کو کبھی چین لینے دیا نہ راتوں کو اطمینان کی نیند سونے دیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بھی نڈھال ہو چکا تھا اور ذہنی طور پر بھی۔ تھکے ہوئے اعصاب کو تازہ دم کرنے کے لیے اُس نے دمشق کے علاقے میں ہرنوں (غزال) کے شکار کو شغل بنا لیا۔ وہ اپنے بھائیوں اور بچوں کے ساتھ شکار کھیلا کرتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کچھ روز آرام کر کے مصر چلا جائے گا مگر دمشق میں بھی سرکاری کاموں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا....

"میں اُس وقت بیت المقدس میں (وزیر) تھا۔ ایک روز دمشق سے مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط ملا۔ اُس نے مجھے دمشق میں بلایا تھا۔ میں فوراً روانہ ہونے لگا، مگر مسلسل موسلا دھار بارش نے راستوں کو دلدل بنا دیا تھا۔ اس قدر کیچڑ اور اتنی تیز بارش کہ میں انیس روز بعد بیت المقدس سے نکل سکا۔ میں ۲۲ محرم الحرام بروز جمعہ وہاں سے روانہ ہوا اور ۱۲ صفر بروز منگل دمشق پہنچا۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ملاقات کے کمرے میں امراء اور دیگر حکام سلطان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو میری آمد کی اطلاع دی گئی۔ اُس نے مجھے فوراً اپنے خاص کمرے میں بلا لیا۔ میں جب اُس کے سامنے گیا تو وہ بازو پھیلا کر اٹھا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ میں نے اُس کے چہرے پر ایسا اطمینان اور سکون کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے....

"اگلے روز اُس نے مجھے بلایا۔ میں اس کے خاص کمرے میں پہنچا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کون لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ (اُس کا بیٹا) الملک الافضل، چند ایک اُمراء اور بہت سے دوسرے لوگ آپ کی ملاقات کے لیے بیٹھے ہیں۔ اُس نے جمال الدین اقبال سے کہا کہ ان لوگوں سے میری طرف سے معذرت کر کے کہہ دو کہ آج میں کسی سے نہیں مل سکوں گا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ ضروری باتیں کیں اور میں چلا آیا....

"دوسرے دن اُس نے مجھے علی الصبح بلا لیا۔ میں گیا تو وہ اپنے باغیچے میں بیٹھا اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اُس نے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کوئی ملاقاتی ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ فرنگیوں (فرنکس) کے ایلچی آئے بیٹھے ہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ فرنگی ایلچیوں کو یہیں بھیج دو۔ اس کے بچے وہاں سے چلے گئے۔ اس کا سب سے چھوٹا بچہ امیر ابوبکر جس سے سلطان ایوبی کو بہت پیار تھا وہیں رہا۔ جب فرنگی آئے تو بچے نے اُن کے بغیر داڑھیوں کے چہرے اور اُن کا لباس دیکھا تو بچہ ڈر کر رونے لگا۔ بچے نے بغیر داڑھی کے کبھی کوئی انسان نہیں دیکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے فرنگیوں سے معذرت کی کہ اُن کے حلیے کو دیکھ کر بچہ رو پڑا ہے۔ سلطان نے بچے کو اندر بھیجنے کی بجائے فرنگیوں سے کہا کہ وہ آج اُن سے نہیں مل سکے گا۔ اُس نے

انہیں بغیر ملاقات چین کیے رخصت کر دیا....

"اُن کے جانے کے بعد اُس نے کہا۔ 'جو کچھ پکا ہے لے آؤ۔' اس کے آگے ہلکی پھلکی غذا رکھی گئی جس میں کھیر بھی تھی۔ اُس نے بہت تھوڑا کھایا۔ میں نے محسوس کیا جیسے اُس کی بھوک مر چکی ہو۔ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ملاقاتیں کم کر رہا ہے کیونکہ وہ بدہضمی اور کمزوری محسوس کرتا ہے۔ کھانے کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا۔ 'حاجی واپس آ گئے ہیں؟' — میں نے اُسے بتایا کہ راستے میں کیچڑ زیادہ ہے۔ شاید کل تک حاجی آ جائیں۔ سلطان نے کہا۔ 'ہم ان کے استقبال کے لیے جائیں گے۔' یہ کہہ کر اُس نے ایک حاکم کو بلا کر حکم دیا کہ حاجی آ رہے ہیں اور راستے میں کیچڑ اور پانی ہے۔ فوراً آدمیوں کو بھیجو اور جس راستے سے حاجی آ رہے ہیں اس راستے سے کیچڑ اور پانی صاف کرو۔ میں اس سے اجازت لے کر چلا آیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کا جوش و خروش اور اُس کی مستعدی ماند پڑ گئی تھی....

"دوسرے دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حاجیوں کے استقبال کے لیے نکلا۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے گیا۔ اُس کا بیٹا الملک الافضل بھی آ گیا۔ لوگوں میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان باہر آیا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر اُٹھ دوڑے۔ وہ اپنے فاتح سلطان کو قریب سے دیکھنا اور اُس سے ہاتھ بھی ملانا چاہتے تھے۔ جب سلطان عقیدتمندوں کے اس بے مہار اور بے قابو ہجوم میں گھر گیا تو اُس کے بیٹے الملک الافضل نے گھبراہٹ کے عالم میں مجھے کہا کہ سلطان نے سواری والا لباس نہیں پہن رکھا۔ (یہ زرہ بکتر کی قسم کا لباس ہوا کرتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس لباس کے بغیر کبھی باہر نہیں نکلا۔ تھا) ہمیں پریشانی ہوئی۔ سلطان کے ساتھ باڈی گارڈ بھی نہیں تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ (سلطان ایوبی پر اس سے پہلے قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ اب بھی حملہ ہو سکتا تھا) میں ہجوم کو چیرتا سلطان تک پہنچا اور اُسے کہا کہ آپ اپنے مخصوص لباس میں نہیں ہیں۔ وہ اس طرح چونکا جیسے نیند سے جگا دیا گیا ہو۔ اُس نے کہا کہ میرا لباس یہیں لایا جائے مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو اُسے لباس لا دیتا۔ مجھے کچھ زیادہ ہی خطرہ محسوس ہونے لگا....

"مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی حادثہ ہونے والا ہو۔ میں نے اُسے کہا کہ میں یہاں کے راستوں سے واقف نہیں۔ کیا کوئی ایسا راستہ ہے۔ جہاں لوگ کم ہوں اور آپ واپس جا سکیں؟ اُس نے کہا کہ ایک راستہ ہے۔ اُس نے گھوڑا اس رُخ کو موڑ لیا۔ لوگوں کا ہجوم بے پناہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑا باغوں کے درمیانی راستے پر ڈال دیا۔ میں اور الملک الافضل اُس کے ساتھ تھے۔ میرا دل بوجھل تھا میرا اُس کی جان کو بھی خطرے میں محسوس کر رہا تھا اور اُس کی صحت کو بھی۔ ہم المیسہ کے چشمے سے ہوتے ہوئے قلعے میں داخل ہوئے....

"جمعہ کی شام سلطان ایوبی نے غیر معمولی کمزوری محسوس کی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے اُسے بخار ہو گیا۔ یہ مسافری بخار تھا جو جسم کے اندر زیادہ تھا، باہر کم لگتا تھا۔ صبح (۲۱ فروری ۱۱۹۳ء) وہ نقاہت

سے نڈھال ہو چکا تھا۔ جسم کو ہاتھ لگانے سے حرارت کم لگتی تھی۔ میں اُسے دیکھنے گیا۔ اس کا بیٹا الملک الافضل اُس کے پاس تھا۔ سلطان نے بتایا کہ اُس نے رات بڑی تکلیف میں گزاری ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ ہم نے گپ شپ میں اُن کا ساتھ دیا۔ اس سے اُس کی مزاجی شگفتگی بحال ہو گئی۔ دن کے دوسرے پہر تک وہ خاصا بہتر ہو گیا۔ ہم وہاں سے اٹھنے لگے تو اُس نے کہا کہ الملک الافضل کے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔ میرے ساتھ قاضی الفضل بھی تھا۔ وہ کسی اور کے ہاں کھانا کھانے کا عادی نہ تھا۔ وہ معذرت کر کے چلا گیا۔ میں کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ صلاح الدین ایوبی سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں اپنا دل سلطان کے پاس چھوڑ چلا ہوں۔ کھانے کے کمرے میں گیا۔ دسترخوان بچھ چکا تھا۔ بہت سے افراد بیٹھے تھے۔ الملک الافضل اپنے باپ کی جگہ بیٹھا تھا۔ بے شک الافضل صلاح الدین ایوبی کا بیٹا تھا لیکن سلطان کی جگہ بیٹے کو بیٹھا دیکھ کر بہت دکھ ہُوا۔ کھانے پر جو لوگ بیٹھے تھے اُن کی بھی تقریباً یہی حالت میرے جیسی تھی۔ ان میں سے بعض کے تو آنسو نکل آئے۔۔۔۔

"اس روز کے بعد سلطان ایوبی کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ میں اور قاضی الفضل روزانہ کئی کئی بار اُس کمرے میں جاتے تھے جہاں سلطان صلاح الدین بیمار پڑا تھا۔ اُسے تکلیف میں ذرا سا بھی افاقہ ہوتا تو ہمارے ساتھ باتیں کرتا تھا، ورنہ اکثر یوں ہوتا کہ وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہتا اور ہم اُسے دیکھتے رہتے۔ اُس کی جان کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کا طبیب خاص غیر حاضر تھا (قاضی بہاؤ الدین نے یہ نہیں لکھا کہ طبیب خاص کہاں چلا گیا تھا) سلطان کا علاج چار طبیب مل کر کر رہے تھے مگر مرض بڑھتا جا رہا تھا۔۔۔۔

"بیماری کے چوتھے روز چاروں طبیبوں نے فیصلہ کیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جسم سے خون نکال دیا جائے۔ اسی وقت سلطان کی حالت زیادہ بگڑ گئی اور اس کے بعض اہم غدود بے کار ہو گئے۔ اس سے اُس کے جسم میں اندر کی رطوبتیں خشک ہونے لگیں۔ سلطان ایوبی نقاہت کی آخری حد تک جا پہنچا۔ چھٹے دن ہم نے اُسے سہارا دے کر بٹھایا۔ اُسے ایک دوائی دی گئی جس کے بعد ہلکا گرم پانی پینا ضروری تھا۔ پانی لایا گیا۔ اُسے ہلکا گرم ہونا چاہیئے تھا۔ سلطان ایوبی کے منہ سے پیالہ لگایا گیا، تو اس نے کہا کہ پانی بہت گرم ہے۔ اُس نے نہ پیا۔ پانی ذرا ٹھنڈا کر کے لایا گیا تو سلطان نے کہا کہ یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اُس نے غصے یا خفگی کا اظہار نہ کیا، مایوسی کے لہجے میں اتنا ہی کہا ــــ 'اوخدا! کوئی بھی نہیں جو مجھے ہلکا گرم پانی دے سکے'۔۔۔۔

"میری اور الفضل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (دنیائے صلیب پر دہشت طاری کر دینے والا انسان بالکل بے بس ہو گیا تھا)۔۔۔۔ ہم دونوں دوسرے کمرے میں آ گئے۔ قاضی الفضل نے کہا ــــ 'قوم کتنے عظیم انسان سے محروم ہو جائے گی۔ بخدا اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پانی کا یہ پیالہ اُس کے سر پر دے مارتا جو اُس کی پسند کا پانی نہیں لایا تھا'۔۔۔۔ ساتویں اور آٹھویں روز صلاح الدین کی حالت اتنی زیادہ بگڑ گئی کہ اُس کا ذہن

بھٹکنے لگا۔ نویں روز اس پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ پانی بھی نہ پی سکا۔ شہر میں خبر پھیل گئی کہ سلطان ایوبی کی حالت تشویش ناک ہو گئی ہے۔ تمام شہر میں موت کی اداسی طاری ہو گئی۔ ہر جگہ اور ہر زبان پر اُس کی صحت یابی کی دعائیں تھیں۔ تاجر اور سوداگر ایسے ڈرے کہ انہوں نے بازاروں سے اپنا مال اٹھانا شروع کر دیا۔ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ایک فرد کس طرح اداس اور کتنا پریشان تھا۔۔۔۔

"میں اور قاضی الفضل رات کا پہلا پہر سلطان ایوبی کے پاس رہنے اور اُسے دیکھتے رہتے تھے۔ وہ بول اور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ باقی رات ہم باہر کھڑے رہتے۔ کوئی اندر سے آتا تو اُس سے پوچھ لیتے کہ سلطان کی حالت کیسی ہے۔ ہم جب علی الصبح وہاں سے باہر نکلتے تو باہر لوگوں کا ہجوم کھڑا دیکھتے۔ اب لوگ ہم سے یہ پوچھنے سے بھی ڈرتے تھے کہ سلطان کی صحت کیسی ہے۔ وہ ہمارے چہروں سے جان لیتے تھے کہ سلطان کی حالت ٹھیک نہیں۔ ہجوم چپ چاپ ہمیں دیکھتا اور ہم ہجوم کو دیکھ کر سر جھکا لیتے تھے۔۔۔۔ دسویں روز طبیبوں نے اُسے انتڑیاں صاف کرنے والی دوا دی جس سے اُسے کچھ افاقہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب سب کو پتہ چلا کہ سلطان ایوبی نے جو کا پانی پیا ہے تو سب نے خوشی منائی۔ اُس رات ہم چند گھنٹے اس کے پاس جانے کا انتظار کرتے رہے، لیکن محل میں چلے گئے جہاں جمال الدین اقبال بیٹھا تھا۔ اُس سے صلاح الدین کی حالت پوچھی۔ وہ اندر چلا گیا اور توران شاہ سے پوچھ کر ہمیں بتایا کہ سلطان کے دونوں پھیپھڑوں میں نمی اور ہوا آنے جانے لگی ہے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہم نے جمال الدین سے کہا کہ خود جا کر دیکھے کہ باقی جسم پر پسینے کے آثار ہیں یا نہیں۔ اُس نے اندر جا کر دیکھا اور واپس آ کر بتایا کہ پسینہ بہت آ رہا ہے۔ یہ ایک خوشخبری تھی۔ ہم سکون اور اطمینان سے چلے آئے۔۔۔۔

"دوسرے دن جو منگل کا دن، صفر کی ۲۶ تاریخ اور سلطان صلاح الدین کی علالت کا گیارہواں روز تھا، ہم سلطان کو دیکھنے گئے۔ اندر نہ جا سکے۔ ہمیں بتایا گیا کہ پسینہ اس قدر زیادہ نکل رہا ہے کہ بستر میں سے ہوتا ہُوا فرش پر ٹپک رہا ہے۔ یہ خبر اچھی نہیں تھی۔ جسم کی رطوبت تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ طبیبوں نے حیرت سے بتایا کہ جسم اندر سے خشک ہو جانے کے باوجود سلطان کے جسم میں ابھی توانائی موجود ہے۔۔۔۔

"صلاح الدین ایوبی کے بیٹے الملک الافضل نے دیکھا کہ سلطان کی صحت یابی کی کوئی امید نہیں رہی تو اُس نے امراء اور وزراء سے حلف وفاداری لینے کا فوری انتظام کیا۔ اُس نے تمام قاضیوں کو رضوان محل میں بلایا اور انہیں کہا کہ نئے سرے سے حلف کا مسودہ تیار کریں جس میں صلاح الدین ایوبی جب تک زندہ ہے اُس کی وفاداری کا حلف نامہ ہو اور اُن کی وفات کے بعد الملک الافضل کی وفاداری کا۔ الافضل نے معذرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا حلف نامہ کبھی تیار نہ کرتا لیکن سلطان کی حالت تشویشناک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔۔۔۔

"حلف نامہ تیار ہو گیا۔ دوسرے دن حلف اٹھانے کے لیے متعلقہ امراء وزراء کو بلایا گیا۔ سب

سے پہلے دمشق کے گورنر سعد الدین مسعود نے حلف اٹھایا۔ اس کے بعد نصر الدین آیا جو سبہون کا گورنر تھا اس نے اس شرط پر حلف اٹھایا کہ جس قلعے کا وہ گورنر ہے وہ سلطان ایوبی کی وفات کے بعد اُس کی (نصر الدین کی) ذاتی ملکیت سمجھا جائے گا۔ تمام امراء، وزراء اور گورنروں نے حلف اٹھا لیا۔ دو تین نے اپنی شرائط منوا کر حلف اٹھا لیا۔ حلف نامے کے الفاظ یہ تھے ــ 'اِس لمحے سے میں متحدہ مقصد کی خاطر الملک النصر (صلاح الدین ایوبی) کا وفادار رہوں گا جب تک کہ وہ زندہ ہے۔ اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے اَن تھک اور مسلسل کوشش کرتا رہوں گا۔ اس کی خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج اور اپنی رعایا کو وقف کیے رکھوں گا۔ میں اس کا ہر حکم مانوں گا اور اس کی ہر خواہش کی تکمیل کروں گا۔ میں خدا کو گواہ ٹھہرا کر اعلان کرتا ہوں کہ سلطان کے بعد میں یہی وفاداری اس کے بیٹے الافضل کے لیے وقف کروں گا اور اُس کے بعد الافضل کے بیٹوں کے لیے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اس کے لیے میں اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج کو وقف کیے رکھوں گا۔ میں اپنے حلف وفاداری میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں'....

"حلف نامے کی دوسری شق یہ تھی ــ 'اگر میں اپنے حلف کی خلاف ورزی کروں تو میں حلفیہ تسلیم کرتا ہوں کہ صرف اس خلاف ورزی کی بنا پر میری بیویاں مطلقہ ہو جائیں (یعنی بیویاں میری نہیں رہیں گی) اور مجھے تمام ذاتی اور سرکاری خدمتوں سے محروم کر دیا جائے گا اور مجھے لازم ہوگا کہ میں ننگے پاؤں یا پیادہ حج کعبہ کو جاؤں'....

"۲۶ صفر ۵۸۹ھ (۳ مارچ ۱۱۹۳ء) منگل کی شام تھی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی بیماری کا یہ تیسرا دن تھا۔ اُس کی توانائی بالکل ختم ہو گئی اور اُمید دم توڑ گئی۔ رات کو ایسے وقت مجھے، قاضی الفضل اور ابنِ ذکی کو بلایا گیا جس وقت پہلے کبھی نہیں بلایا گیا تھا۔ ابنِ ذکی کا پورا نام ابو المعالی محمد محی الدین تھا اور ابن ذکی کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قانون، علم اور سائنس کا عالم تھا۔ صلاح الدین ایوبی اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ جب سلطان ایوبی نے یروشلم فتح کیا تو مسجدِ اقصیٰ میں پہلے جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے سلطان ایوبی نے اسی کو منتخب کیا تھا۔ بعد میں اُسے دمشق کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا....

"ہم گئے تو الملک الافضل نے کہا کہ ہم تینوں ساری رات اُس کے ساتھ رہیں۔ وہ سوگوار تھا اور گھبرایا ہوا بھی۔ قاضی الفضل نے اعتراض کیا اور کہا کہ رات بھر لوگ باہر کھڑے سلطان کی صحت کی خبر سننے کا انتظار کرتے ہیں۔ اگر ہم ساری رات اندر رہے تو وہ کچھ اور سمجھ لیں گے اور شہر میں غلط خبر پھیل جائے گی۔ الافضل سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم لوگ چلے جائیں۔ ہماری بجائے اُس نے امام ابو جعفر کو اس مقصد کے لیے بلا لیا کہ اگر رات کو صلاح الدین پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تو امام اُس کے سرہانے قرآن پڑھے گا۔ ہم وہاں سے آ گئے....

"اس کے بعد امام ابو جعفر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی آخری رات کی تمام روئیداد سنائی وہ میں تحریر کرتا ہوں۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے سلطان کے سرہانے قرآن خوانی کی۔ اس دوران سلطان پر کبھی غشی طاری ہو جاتی، کبھی ہوش میں آ جاتا اور کبھی اُس کا ذہن بھٹک جاتا۔ آدھی رات کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ھ (۴ مارچ ۱۱۹۳ء) کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ امام ابو جعفر نے بتایا۔ میں بائیسویں پارے کی سورۃ الحج پڑھ رہا تھا۔ میں نے جب پڑھا 'خدا ہی تاجرِ مطلق ہے، برحق ہے اور مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' تو میں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی نحیف سی سرگوشی سنی۔ وہ کہہ رہا تھا 'یہ سچ ہے۔ یہ سچ ہے'۔ یہ اُس کے آخری الفاظ تھے۔ اُس کے فوراً بعد صبح کی اذان سنائی دی۔ میں نے قرآن بند کر دیا۔ اذان ختم ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نہایت سکون اور اطمینان سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا'۔ امام ابو جعفر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اذان شروع ہوئی تو وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا 'اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اُسی سے مدد مانگتے ہیں'۔ تو سلطان ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اُس کا چہرہ دمک اُٹھا اور وہ اسی کیفیت میں اپنے خدا کے حضور گیا'....

"میں جب پہنچا اس وقت صلاح الدین فوت ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد اگر قوم پر کوئی کاری ضرب پڑی ہے تو وہ سلطان ایوبی کے انتقال کی تھی۔ قلعے، شہر، وہاں کے لوگوں اور دنیا بھر کے مسلمانوں پر غم کی ایسی گھٹا چھا گئی جو صرف خدا جانتا ہے کہ کتنی گہری تھی۔ میں نے لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ انہیں جو شخص سب سے زیادہ عزیز ہے اُس کے لیے وہ اپنی جان قربان کر دیں گے، لیکن میں نے کبھی کسی کو کسی کے لیے جان قربان کرتے نہیں دیکھا۔ البتہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سلطان ایوبی کی زندگی کی آخری رات ہم سے کوئی پوچھتا کہ سلطان ایوبی کی جگہ کون مرنے کو تیار ہے تو ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی جانیں قربان کر کے سلطان ایوبی کو زندہ رکھتے....

"اُس روز شہر میں جسے دیکھا بے اختیار آنسو بہاتے دیکھا۔ لوگ رونے کے سوا کچھ اور سوچتے ہی نہیں تھے۔ کسی شاعر کو مرثیہ سنانے کی اجازت نہ دی گئی۔ کسی امام، کسی قاضی اور کسی عالم نے لوگوں کو صبر کی تلقین نہ کی۔ وہ خود رو رہے تھے۔ ہچکیاں لے رہے تھے۔ صلاح الدین کے بچے روتے چیختے گلیوں میں نکل گئے۔ انہیں روتا دیکھ کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے.... ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کی میت کو آخری غسل دے کر کفن پہنایا جا چکا تھا۔ غسل عدالت کے ایک اہلکار الدلائی نے دیا تھا۔ غسل کے لیے مجھے کہا گیا تھا مگر میرا دل اتنا مضبوط نہ تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ میت باہر لا کر رکھی گئی۔ جنازے پر جو کپڑا ڈالا گیا وہ قاضی الفضل نے دیا تھا۔ جب جنازہ لوگوں کے سامنے رکھا گیا تو مردوں کی دھاڑوں اور عورتوں کی چیخوں سے آسمان کا جگر چاک ہونے لگا۔ دمشق کی عورتوں کے بین سے نہیں جانتے تھے.....

"قاضی محی الدین ابن ذکی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ جنازے میں کتنے لوگ تھے۔

البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سب نمازِ جنازہ میں کھڑے تھے مگر نماز پڑھنے کی بجائے سب ہچکیاں لے رہے تھے۔ اور بعض بے قابو ہو کر دھاڑیں مار اٹھتے تھے۔ ارد گرد عورتوں کا بے انداز ہجوم بین کر رہا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد میّت بابِ غبیچے کے اُس مکان میں رکھی گئی جہاں مرحوم نے علالت کے دن گزارے تھے۔ عصر سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی کو قبر میں اتار دیا گیا۔ لوگ گھروں کو واپس گئے تو یوں لگتا تھا جیسے لاشوں کا ہجوم چلا جا رہا ہو۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبر پر قرآن خوانی کرتا رہا....

"منکہ بہاؤ الدین ابنِ شدّاد نے یہ یادداشتیں خلیفہ کی اجازت سے قلم بند کی ہیں اور اس تحریر کو الملک النصر ابوظفر یوسف ابن نجم ایوب صلاح الدّین ایوبی کی وفات پر ختم کیا ہے۔ خدا اُس پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر سے میرا مقصد خدا کی خوشنودی ہے اور میرا مقصود یہ بھی ہے کہ اُسے یاد رکھو جو نیک تھا اور صرف نیکی پر دھیان رکھو۔"

ان یادداشتوں کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ سلطان ایوبی کی ایک خواہش یہ تھی کہ فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کریں۔ اُس کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ اس کی دوسری خواہش یہ تھی کہ فتح فلسطین کے فریضہ کے بعد فریضۂ حج ادا کرے مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ بیماری نہیں تھی بلکہ یہ کہ اُس کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں تھے۔ اُس کی ذاتی جیب خالی تھی۔ ہلالِ نَو کی درانتی سے فصلِ صلیبی کاٹنے والا مردِ مجاہد، مصر، شام اور فلسطین کا سلطان جس کے قدموں میں سلطنت کے خزانے تھے وہ اتنا غریب تھا کہ حج کو نہ جا سکا اور اُسے جو کفن پہنایا گیا تھا وہ قاضی بہاؤ الدّین شدّاد، قاضی الفضل ابنِ ذکی نے درپردہ پیسے جمع کر کے خریدا تھا۔ آج فلسطین سلطان ایوبی کا ماتم اسی طرح کر رہا ہے جس طرح ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کے روز دمشق کی بیٹیوں نے بین کیے تھے۔

☆